اول انعام یافتہ ۲۰۰۳ء

شیعیت کا مقدمہ

(مع اضافہ جات)

قرآن، حدیث، تاریخ کی روشنی میں

مذہب شیعہ

ایک تعارف، ایک مطالعہ

شیعہ کب بنے؟ سنی کب بنے؟ لفظ اہل سنت والجماعت کی ابتداء کس صدی میں ہوئی؟ امام بارہ کیوں ہیں؟ امامت کا مقام قرآن وسنت کی روشنی میں، آنحضرتؐ نے نماز کا کونسا طریقہ بتلایا ہے؟ کیا آپؐ رفع یدین کرتے تھے؟ نماز میں قنوت پڑھتے تھے؟ سجدہ گاہ رکھنا بھی آنحضرتؐ کی سنت ہے یا نہیں؟ جمع بین الصلوتین کے سلسلے میں احادیث کیا کہتی ہیں؟ نبی کریمؐ وضو کیسے کرتے تھے؟ روزہ کھولنے کا وقت قرآن وسنت کی روشنی میں کونسا ہے؟ شیعوں پر تحریف قرآن کا الزام کیوں لگایا گیا اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ نکاح متعہ کیا ہے؟ تقیہ کیا ہے؟ نماز جنازہ کا سنت طریقہ کونسا ہے؟

صحابہ کرامؓ کی عظمت وجلالت شیعوں کے نزدیک کس قدر ہے؟

ان تمام سوالوں کا جواب اس کتاب میں انتہائی شائستہ اور مدلل انداز میں دیا گیا ہے اور ہر فرقہ کے بزرگوں کا نام انتہائی احترام سے لیا گیا ہے اور پوری کوشش کی گئی ہے کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔

مؤلف: حسین الامینی

نام کتاب: .... شیعیت کا مقدمہ (مع اضافہ جات)

مؤلف: .... حسین الامینی

کمپوزنگ: .... حیدر نقوی

صفحات: 532

اشاعت: .... بار سوم، جون 2004ء

پیشکش: .... ادارہ التقریب بین المذاہب الاسلامیہ

ناشر: .... کریم پبلی کیشنز لاہور

مطبع: .... عبداللہ آرٹ پریس لاہور

قیمت: .... -/200 روپے

ڈیلرز

کراچی ★	لاہور ★	اسلام آباد
رحمت اللہ بک ایجنسی	افتخار بک ڈپو	محمد علی بک ڈپو
خراسان بک سنٹر	مکتبۃ الرضا	اسلامک بک سنٹر

سید جعفر علی اینڈ سنز بھکر، مکتبہ کاظمیہ ملتان، زیدی کتب خانہ خیر پور میرس

انتساب

کتاب مکمل ہوگئی تو ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس کا انتساب کس ہستی سے کیا جائے۔ فوراً نگاہ جس شخصیت پر رک گئی وہ میرے والد گرامی کی ذات تھی۔ آج میں جو کچھ ہوں انہیں کی وجہ سے ہوں میں انہی سے اس حقیری کاوش کو منسوب کرتا ہوں۔

حسین الامینی

دیباچہ (طبع سوم)

کتاب ''تشیعیت کا مقدمہ'' لکھتے وقت میری دلی خواہش اور دعا تھی کہ یہ کتاب مکتب اہلبیتؑ کے تعارف میں نہ صرف معاون ثابت ہو بلکہ جو غلط فہمیاں بنو امیہ اور بنو عباس کے دور سے مکتب تشیع کے خلاف پھیلائی گئی ہیں انہیں دور کرنے کا سبب ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میری یہ دعا قبول ہوئی اس کتاب کو ہر مکتبہ فکر کے پروفیسرز' ڈاکٹرز' انجینئرز' وکلاء وغیرہ دانشور طبقہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کے علاوہ دینی مدارس کے طلباء نے بھی پڑھا کتاب جہاں بھی گئی اس کا بہت اچھا استقبال ہوا پھر اس سے بھی بڑھ کر اس کتاب کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ کراچی کے ایک ادارہ ''آثار وافکار اکیڈمی'' کی طرف سے منعقد ہونے والے مقابلہ کتب میں اسے سال 2003ء کی بہترین کتاب

قرار دیا گیا اور اس کتاب کو اول انعام ملا اور مصنف کو نقد انعام کے علاوہ نشان اعزاز بھی پیش کیا گیا جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ پہلی دفعہ جب یہ کتاب مکمل ہوئی اور کتاب چھپنے کی نوبت آئی تو تقریباً دو سال تک یہ مختلف اداروں میں گھومتی رہی بالآخر ہمارے ایک جاننے والے پرنٹر اور ناشر بن کر تشریف لائے ان سے اچھے کاغذ خوبصورت ٹائٹل اور مضبوط جلد بندی والی کتاب کا خرچہ دریافت کیا اور ان پر اعتماد کر کے بات طے کر لی لیکن جوں جوں وہ صاحب رقم وصول کرتے گئے ان سے رابطہ مشکل ہوتا گیا تقریباً دو سال کا عرصہ مزید لگ گیا اب میں تو یہی سمجھا کہ کتاب کا مسودہ بھی گیا اور رقم بھی آخر خدا خدا کر کے بڑی مشکل سے وہ صاحب ملے اور طے شدہ معیار سے انتہائی کم معیار کی کتاب دو سو کی تعداد میں مجھے ملی اور باقی کتاب کا وعدہ ہوا پھر کئی ماہ بعد مزید چھ سو کتب دوسرے ایڈیشن سے مجھے ملیں باقی دو صد کتب سے بھی مجھے ہاتھ دھونا پڑے لیکن اس کے باوجود جس محبت اور خلوص سے میری کتاب کو پذیرائی ملی اس نے میری تمام پریشانی دور کر دی اب اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں نماز، روزہ، نماز تراویح، نکاح متعہ وغیرہ کے ابواب میں کچھ مفید اضافے کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ پہلے ایڈیشن میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں جنہیں درست کر دیا گیا ہے اس کے باوجود اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو یا میرے قارئین کوئی چھا مشورہ دینا چاہیں تو ضرور دیں۔

احقر حسین الامینی

فہرست

****

پیش لفظ

شیعیت کا مقدمہ لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟

شیعوں کے خلاف مختلف زمانوں میں گرا دو۔ اڑا دو۔ تباہ کردو۔ فنا کردو کی صدائیں بلند ہوتی رہی ہیں۔ شیعوں کے بارے میں یہ مٹادو اور انہیں ختم کردو کا نظریہ کیسے پروان چڑھا؟ جب ہم اس کے پیچھے کارفرما عوامل کا بنظر عمیق جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سب اس غلیظ پراپیگنڈا کا ردعمل ہے جو شیعوں کے خلاف بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے سے تسلسل سے جاری ہے۔ شیعوں کے بارے میں یہ طرز عمل کیوں اختیار کیا گیا؟ اس کی ایک بڑی وجہ بقول [illegible]۔ شیعہ عالم یہ نظر آتی ہے کہ بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں نے جب یہ بات محسوس [illegible] کہ ان [illegible] بنی ہاشم جیسے فضائل و مناقب موجود نہیں ہیں جو ان کی عزت و تکریم کا سبب [illegible] تو انہوں نے اپنے زر خرید اہل قلم سے، کبھی اپنے حق میں ویسے ہی فضائل و مناقب کی احادیث بنوائیں اور کبھی ایسی احادیث تیار کروائیں جن سے آل محمدؐ کی عزت و عظمت میں کمی واقع

ہو سکے۔ جب انہیں اس سلسلے میں حسب منشاء کامیابی نصیب نہ ہوسکی تو انہوں نے
ایک تیسرا حربہ استعمال کیا اور وہ یہ کہ آل محمدؐ کے ماننے والوں کے خلاف طرح طرح
کی تہمتیں تراشی گئیں۔ گھٹیا اور بے بنیاد الزامات ان پر عائد کیے گئے اور ایسے عقائد
شیعوں کے ذمے لگائے گئے جن سے شیعوں کا دور کا بھی تعلق نہیں تھا اور بقول سید
اسد حیدر نجفی شیعوں کے خلاف ''تہمتوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا''۔ خلاف واقع
بیانات عام ہونے لگے۔ عوام کے ذہنوں میں خودساختہ الزامات اتارے جانے لگے
اور ان الزامات کی کوئی حد بھی معین نہ کی گئی بلکہ ہر دور میں ضرورت کے لحاظ سے ویسے
ہی الزام تراشے گئے۔(۱)

پھر صورت یہ بن گئی کہ لوگ ان من گھڑت الزامات کو شیعہ عقائد سمجھنے لگے اور
اہلسنت مصنفین ان جھوٹے الزامات کو ہی شیعہ عقائد سمجھ کر اپنی کتابوں میں درج
کرنے لگ گئے اور برادران اہلسنت کی نئی آنے والی نسلوں نے شیعیت کا وہی مفہوم
سمجھا جو انہیں اپنے علماء کی کتابوں میں نظر آیا چنانچہ شیعیت جو دراصل قرآن وسنت کی
تعلیمات کا دوسرا نام ہے لوگ اس کے اصل مفہوم ہی سے ناواقف ہوتے چلے گئے۔
ایسے میں شیعہ عالم اور مصنف سید نجم الدین العسکری نے درست لکھا ہے کہ

> ''برادران اہلسنت کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے مجھے یہ پتہ
> چلا ہے کہ متقدمین اور متاخرین (علمائے اہلسنت) کی ایک بڑی
> جماعت لفظ شیعہ کے معنی سے بالکل بے خبر اور ناواقف تھی ان کو یہ
> تک پتہ نہیں تھا کہ شیعہ کی نشو ونما کس زمانے میں ہوئی ان کے

---

۱) ملاحظہ ہو الامام الصادق والمذاہب الاربعہ جلد نمبر ا صفحہ ۲۶۱ مطبوعہ لاہور

> عقائد کیا ہیں اور انہوں نے اپنے عقائد کس سے حاصل کیے ہیں اور
> وہ اس سے بھی بے خبر تھے کہ شیعوں کے عقائد قرآن وحدیث میں
> موجود ہیں اور ان کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ شیعوں کے اصول وفروع کیا
> ہیں؟ ان باتوں سے بے علم ہوتے ہوئے انہوں نے شیعوں کی
> طرف ایسی باتیں منسوب کردی ہیں جن کا شیعہ بالکل اعتقاد نہیں
> رکھتے۔(۲)

شیعہ عالم سید نجم الدین العسکری کا یہ بیان بڑی حد تک حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ
اکثر بڑے بڑے علمائے اہل سنت نے شیعہ کتب کو دیکھنے کی کبھی زحمت ہی گوارا نہیں
کی۔ ہم بطور مثال اہل سنت کی ایک نامور علمی شخصیت فلسفہ تاریخ کے ماہر مشہور زمانہ
مورخ ابن خلدون کا بیان نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے مقدمہ تاریخ میں لکھا
ہے۔ شیعوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ

> کتب شیعہ ان شہروں میں پائی جاتی ہیں جہاں ان کی
> حکومت رہ چکی ہے۔ وہاں مشرق، مغرب اور یمن میں پائی
> جاتی ہیں۔(۳)

اہل سنت مصنف علامہ محمد حنیف ندوی نے شیعوں کے بارے میں ابن خلدون
کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

> نہ ہم ان کے مذاہب کی تفصیلات سے آگاہ ہیں نہ ان کی

---

۲) ملاحظہ ہو علی والشیعہ ص ا مطبوعہ ملتان، ترجمہ مفتی عنایت علی شاہ

۳) ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون ج ا ص ۳۴۲، مطبوعہ کراچی

کتابوں کی روایت کرتے ہیں اور نہ کوئی چیز منقولات ہی کی سی ان
کی ہمارے ہاں پائی جاتی ہے۔ ان کا ذخیرہ کتب صرف ان علاقوں
میں ہے جہاں ان کی حکومت ہے۔ (۴)

ابن خلدون کی ایک مضحکہ خیز غلطی ملاحظہ ہو:

امام محمد تقیؑ کی وفات کے حالات بیان کرتے ہوئے ابن خلدون نے لکھا ہے کہ

> ۲۲۰ھ میں انہوں نے انتقال کیا اور مقابر قریش میں دفن کیے
> گئے۔ اثنا عشری شیعہ نے گمان کیا کہ ان کے بیٹے علی ملقب بہ ہادی
> امام ہوئے جو جواد کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ۲۵۴ھ میں
> انہوں نے انتقال کیا اور قم میں مدفون ہوئے۔ (۵)

ابن خلدون کی لاعلمی ملاحظہ ہو کہ قم میں سرے سے کوئی امام دفن ہی نہیں جب
اس ماہر تاریخ دان کا یہ عالم ہے تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟

شیعوں کے بارے میں اچھے خاصے بزرگ علمائے اہل سنت تحریر و تقریر میں
جس طرح بے تکی اور بے بنیاد باتیں کہہ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ واقعاً یہی ہے کہ ان
لوگوں نے زندگی بھر شیعہ عقائد کی کتب کو دیکھنے کی کبھی زحمت ہی گوارا نہیں کی ہوتی۔
اس سلسلے میں ہم برصغیر پاک و ہند کے ایک جید دیوبندی عالم اور مصنف مولانا محمد
منظور نعمانی کا ایک بیان نقل کرتے ہیں۔ ایران میں اسلامی انقلاب کی حمایت تمام
اسلامی مکاتب فکر کے لوگوں نے کی۔ یہ بات مولانا محمد منظور نعمانی

---

(۴) ملاحظہ ہو افکار ابن خلدون ص ۱۹۵ طبع لاہور

(۵) ملاحظہ ہو "تاریخ ابن خلدون" ج ۵ ص ۸۷ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

صاحب کی طبیعت پر گراں گزری اور اس کے خلاف انہوں نے ایک کتاب لکھ ڈالی۔
اس میں لکھتے ہیں کہ

> راقم سطور اس واقعی حقیقت کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں
> سمجھتا کہ ہمارے عوام اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ
> حضرات اور صحافیوں اور دانشوروں کا کیا ذکر ہم جیسے لوگ جنہوں
> نے دینی مدارس اور دار العلوموں میں دینی تعلیم حاصل کی ہے اور
> عالم دین کہے اور سمجھے جاتے ہیں۔ عام طور پر شیعہ مذہب کے
> بنیادی اصول و عقائد سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ سوائے ان کے
> جنہوں نے کسی خاص ضرورت سے ان کی کتب کا مطالعہ کیا ہو۔ خود
> اس عاجز راقم سطور کا یہ حال ہے کہ اپنی مدرسی تعلیم اور اس کے بعد
> تدریس کے دور میں بھی شیعہ مذہب سے اس سے زیادہ واقف نہیں
> تھا۔ جتنا عام پڑھے لکھے لوگ واقف ہوتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ
> اس کو واقفیت سمجھنا ہی غلط ہے۔ (۶)

اس کے بعد یہ دیوبندی عالم لکھتے ہیں کہ پھر میں نے قاضی احتشام الدین مراد
آبادی اور مولانا عبدالشکور لکھنوی کی مذہب شیعہ کے خلاف لکھی گئی کتب پڑھیں۔ اس
کے بعد میں سمجھنے لگا کہ میں شیعہ مذہب سے واقف ہوگیا وغیرہ وغیرہ۔

مولانا منظور احمد نعمانی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اب میری عمر اسی سال سے
متجاوز ہو چکی ہے اور ساتھ اپنی خرابی صحت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایسی حالت میں اور عمر

---

(۶) "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" از مولانا محمد منظور نعمانی ص ۲۱ مطبوعہ لاہور

کتابوں کی روایت کرتے ہیں اور نہ کوئی چیز منقولات ہی کی سی ان کی ہمارے ہاں پائی جاتی ہے۔ ان کا ذخیرہ کتب صرف ان علاقوں میں ہے جہاں ان کی حکومت ہے۔ (۴)

خلدون کی ایک مضحکہ خیز غلطی ملاحظہ ہو:

امام محمد تقیؑ کی وفات کے حالات بیان کرتے ہوئے ابن خلدون نے لکھا ہے کہ

> ۲۲۰ھ میں انہوں نے انتقال کیا اور مقابر قریش میں دفن کیے گئے۔ اثنا عشری شیعہ نے گمان کیا کہ ان کے بیٹے علی ملقب بہ ہادی امام ہوئے جو جواد کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ۲۵۴ھ میں انہوں نے انتقال کیا اور قم میں مدفون ہوئے۔ (۵)

خلدون کی لاعلمی ملاحظہ ہو کہ قم میں سرے سے کوئی امام دفن ہی نہیں جب
ر تاریخ دان کا یہ عالم ہے تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟

شیعوں کے بارے میں اچھے خاصے بزرگ علمائے اہل سنت تحریر و تقریر میں
رح بے تکی اور بے بنیاد باتیں کہہ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ واقعاً یہی ہے کہ ان
نے زندگی بھر شیعہ عقائد کی کتب کو دیکھنے کی کبھی زحمت ہی گوارا نہیں کی ہوتی۔
لے میں ہم برصغیر پاک و ہند کے ایک جید دیوبندی عالم اور مصنف مولانا محمد
مانی کا ایک بیان نقل کرتے ہیں۔ ایران میں اسلامی انقلاب کی حمایت تمام
مکاتب فکر کے لوگوں نے کی۔ یہ بات مولانا محمد منظور نعمانی

ملاحظہ ہو افکار ابن خلدون ص ۱۹۵، طبع لاہور

ملاحظہ ہو "تاریخ ابن خلدون"، ج ۵، ص ۸۷ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

صاحب کی طبیعت پر گراں گزری اور اس کے خلاف انہوں نے ایک کتاب لکھ ڈالی۔ اس میں لکھتے ہیں کہ

> راقم سطور اس واقعی حقیقت کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ ہمارے عوام اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات اور صحافیوں اور دانشوروں کا کیا ذکر ہم جیسے لوگ جنہوں نے دینی مدارس اور دارالعلوموں میں دینی تعلیم حاصل کی ہے اور عالم دین کہے اور سمجھے جاتے ہیں۔ عام طور پر شیعہ مذہب کے بنیادی اصول و عقائد سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ سوائے ان کے جنہوں نے کسی خاص ضرورت سے ان کی کتب کا مطالعہ کیا ہو۔ خود اس عاجز راقم سطور کا یہ حال ہے کہ اپنی مدرسی تعلیم اور اس کے بعد تدریس کے دور میں بھی شیعہ مذہب سے اس سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ جتنا عام پڑھے لکھے لوگ واقف ہوتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اس کو واقفیت سمجھنا ہی غلط ہے۔ (۶)

اس کے بعد یہ دیوبندی عالم لکھتے ہیں کہ پھر میں نے قاضی احتشام الدین مراد آبادی اور مولانا عبدالشکور لکھنوی کی مذہب شیعہ کے خلاف لکھی گئی کتب پڑھیں۔ اس کے بعد میں سمجھنے لگا کہ میں شیعہ مذہب سے واقف ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔

مولانا منظور احمد نعمانی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اب میری عمر اسی سال سے متجاوز ہو چکی ہے اور ساتھ اپنی خرابی صحت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایسی حالت میں اور عمر

---

(۶) "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" از مولانا محمد منظور نعمانی ص ۲۱ مطبوعہ لاہور

شیعوں کے خلاف تحریر وتقریر کے ذریعے جو افسوسناک طرزِ عمل اختیار کیا جاتا رہا ہے۔ اس پر ایک اہل سنت مصنف علامہ حامد حنفی داؤد مصری کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ

مذہب شیعہ کے مخالفین "حاطب اللیل" (سچ جھوٹ میں تمیز نہ کرنے والا) کی طرح ہیں۔ انہوں نے ہر قسم کی رطب و یابس روایات اکٹھی کر کے مذہب شیعہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں بدنیتی کا پہلو یہ ہے کہ مذہب شیعہ کو بدنام کرنے کے لیے نصیریہ حلولیہ اور کیسانیہ کے عقائد کو بھی شیعوں کے سر تھوپ دیا گیا ہے۔ ایسے غیر ذمہ دار عناصر بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں اور ان کی نادانیاں ملت اسلامیہ میں تفرقہ کو جنم دے رہی ہیں۔ (۱۱)

لیکن ان ساری تلخیوں اور خرابیوں کے باوجود بیسویں صدی میں مصر، ایران اور عراق کے بعض مخلص اور درد مند علماء کی کوششوں سے شیعہ سنی اور باقی اسلامی فرقوں میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی طرف توجہ دی گئی اور تمام فرقوں کو قریب لانے کے لیے جماعت التقریب بین المذاهب السلامیه کا وجود عمل میں لایا گیا۔ علمائے مصر میں سے امام حسن البناء نے آج سے نصف صدی قبل شیعہ مرجع آیت اللہ کاشانی سے ملاقاتیں کیں۔ اسی طرح آقائے شیخ محمد تقی قمی کئی دفعہ اخوان المسلمین کے مرکز میں تشریف لے گئے اور تنظیم فدایان اسلام کے سربراہ نواب

۱۱) سید صادق صدر کی کتاب "شیعہ الامامیہ" پر ڈاکٹر حنفی داؤد کا مقدمہ ص۱۲ طبع لاہور

صفوی نے بھی عرب ممالک کے دورے کیے۔ ان علماء کی مخلصانہ کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے ایک دوسرے کے موقف کو بخوبی سمجھا اور شیخ الازھر جناب شیخ محمود شلتوت نے شیعیت کے بارے میں ایک تاریخی فتویٰ صادر فرمایا۔ جس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ

ان مذهب الجعفریه المعروف بمذهب الشیعة الاثنیٰ عشریة یجوز التعبدبه شرعاً کسائر مذاهب اهل السنة فینبغی للمسلمین ان یعرفوا ذلک و ان یتخلصوا من المصبیة بغیر حق لمذاهب معینة فما کان دین الله و ما کانت شریعة بتابع لمذهب معین او مقصورة علی مذهب فالکل مجتهدون مقبولون عند الله تعالیٰ

مذہب شیعہ اثنا عشریہ کے نام سے مشہور مذہب جعفریہ ایسا مذہب ہے جسے اہل سنت کے باقی مذاہب کی طرح شرعاً اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ یہ چیز سمجھیں اور کسی مذہب کے ساتھ ناحق تعصب کرنے سے خود کو پاک کریں۔ اللہ کا دین اور اس کی شریعت کسی ایک مذہب کے تابع اور کسی ایک مذہب میں منحصر نہیں ہے۔ سب مجتہد ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں۔ (۱۲)

۱۲) اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر اسلام محمود مصری کا مقالہ "الشیعہ والسنہ" ص۲۶ تا ص۲۷ شائع کردہ جامعۃ المعارف اسلامیہ جی ٹی روڈ پشاور (ڈاکٹر اسلام محمود مصری کا یہ مقالہ مجلّہ المختار الاسلامی مصر قاہرہ شمارہ ۲۹ جلد ہفتم جمادی الاول ۱۴۰۱ھ میں شائع ہوا اور اس کی تلخیص وترجمہ پاکستان میں چھپ چکا ہے۔)

قدم ہے۔(۱۷)

دیگر مسائل مثلاً نکاح متعہ اور تقیہ وغیرہ کے بارے میں بھی ہماری علمائے اہل سنت سے اپیل ہے کہ وہ اصل حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں نہ نکاح متعہ' اس طرح سے جیسے علمائے اہل سنت نے سمجھ رکھا ہے بلکہ نکاح متعہ کے بعد عورت کو باقاعدہ عدت گزارنا پڑتی ہے جس طرح دائمی نکاح میں ہوتا ہے۔ اسی طرح تقیہ کا مفہوم بھی وہ نہیں جو سادہ لوح عوام کو بتا کر شیعوں کو بدنام کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام کے بارے میں شیعوں کو خوب بدنام کیا جاتا ہے حالانکہ شیعہ صحابہ کرام کو وہی مقام دیتے ہیں اور ان کی اسی طرح عظمت و بزرگی کے قائل ہیں جو قرآن اور مستند احادیث سے ثابت ہے۔ آج شیعوں کے خلاف سادہ لوح عوام کو بھڑکانے والے مفتیان دین سے ہم پوچھتے ہیں کہ جب بنوامیہ کے سیاہ دور میں جمعہ کے خطبوں میں منبروں سے (خاندان رسالت خصوصاً) حضرت علیؑ کو جس طرح گالیاں دی جاتی تھیں اور تمام لوگوں سے بھی یہ عمل کروایا جاتا تھا۔ اس وقت آپ کی زبانوں پر کیوں تالے لگے ہوئے تھے۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ اس وقت آپ کی کچھ مجبوریاں ہوں گی لیکن امام بخاری کی کیا مجبوری تھی کہ انہوں نے حریز بن عثمان جیسے بد زبان اور کٹر خارجی کو قابل وثوق سمجھ لیا اور اس سے روایات لیتے رہے؟ حالانکہ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ بد بخت ہر نماز کے بعد ستر مرتبہ گن کر اور حضرت علیؑ کا نام لے کر ان پر تبرا کیا کرتا تھا۔ بات لمبی نہ ہو جائے۔ ہم عصر حاضر کی

---

۱۷) ملاحظہ ہو ''حضرت عثمانؓ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں'' ص ۱۴۴ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

طرف آتے ہیں۔ کراچی سے شمائل علی لکھ کر حضرت علیؑ کی توہین کرنے والے کے خلاف کونسی سزا تجویز کی گئی۔ خلافت راشدہ جیسی بدنام زمانہ کتاب جس میں نہ صرف جی بھر کر حضرت علیؑ کی توہین کی گئی بلکہ انہیں چوتھا خلیفہ ماننے سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ پھر اسی مصنف نے ''سادات بنی رقیہ'' نامی کتاب لکھ کر خاتون جنت حضرت فاطمہ زہراؑ کی توہین کی اور ان کے بارے میں نازیبا کلمات لکھے۔ اس دریدہ دہن کے بارے میں کونسا قانون بنایا گیا۔ ہم یہ بات دعوے سے کہتے ہیں کہ اگر شروع میں ہی آل رسولؐ کی توہین کرنے والوں کو لگام دی جاتی تو شیعوں میں بھی وہ جذباتی گروہ وجود میں نہ آتا جس کی شکایت ہمارے اہل سنت بھائی کرتے ہیں۔ آج بھی اگر ان لوگوں کو آل رسولؐ کی توہین سے روک لیا جائے تو دوسری طرف سے بھی جوابی کارروائی نہیں ہوگی۔

آخری بات یا آخری تیر جو شیعوں کے خلاف چلایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی کے متعلق ایسا زہر سادہ لوح لوگوں کے ذہنوں میں شیعوں کے خلاف بھرا جاتا ہے جس کے تصور سے بھی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کی روح بھی کانپ اٹھتی ہے۔ بعض نادان مقرر بڑے فخر سے شیعوں کو سنا سنا کر یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن نے ام المؤمنین کی عفت و پاکدامنی کی گواہی دی ہے۔ ہماری تمام برادران اہل سنت سے استدعا ہے کہ وہ ذرا شیعہ موقف کو بھی سمجھیں کہ جو ان نادان مقررین کی تقریر کا آخری نقطہ ہوتا ہے۔ شیعہ یہاں سے امہات المؤمنین کی شان کی ابتداء کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک شیعہ عالم شیخ محمد طٰہٰ نجفی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا قصہ افک سے عملاً پاکدامن ہونا

واجب ہے جس کا مستقل طور پر عقل حکم دیتی ہے کیونکہ انبیاء کا ادنیٰ سے ادنیٰ عیب ناک بات سے پاک ہونا لازم ہے اور بخدا ہم تو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی برات کے لیے کسی دلیل کے محتاج نہیں اور کسی قسم کے عیب والزام کو حضرت عائشہؓ اور ان کے علاوہ دیگر ازواج انبیاء و اوصیاء پر اس قسم کی کسی بات کو جائز نہیں جانتے۔(۱۸)

ہم شیعہ تو فقط یہ کہتے ہیں کہ جب تمام امہات المؤمنین کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ قرآن یہ حکم دے دیا تھا کہ "وقرن فی بیوتکن"، یعنی تم اپنے گھروں میں بیٹھی رہو (سورہ احزاب) تو پھر ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے لیے بھی باقی امہات المؤمنین کی طرح اس حکم کی پابندی لازم تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ جمل کے بعد جب ام المؤمنین اس آیت کی تلاوت کرتیں تو اس قدر روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ بھیگ جاتا تھا۔

آخر میں ہماری اپنے اہل سنت بھائیوں سے گذراش ہے کہ وہ شیعوں کے بارے میں ان بے سروپا الزامات اور اتہامات پر اعتماد نہ کریں بلکہ اپنی تحقیق سے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں اور علمائے اہلسنت سے بھی ہماری اپیل ہے کہ وہ شیعوں کے بارے میں محض سنی سنائی باتوں کو آگے پہنچانے والی پالیسی کو چھوڑیں کیونکہ ان باتوں سے نہ شیعیت کی ترقی رک سکی ہے اور نہ ہی شیعہ ختم ہو سکے۔ اب وہ زمانہ گیا جب شیعہ مذہب کو ابن سبا کا مذہب قرار دیکر اس کی توہین کی جاتی تھی۔

---

۱۸) "ارشاد الامہ" ترجمہ فصول المہمہ ص ۲۲۱ ترجمہ مفتی عنایت علی شاہ مطبوعہ ملتان

شیعہ مذہب تو اتنا مستند ہے کہ اس کی تصدیق ہزاروں کتب اہل سنت سے ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ آج امت مسلمہ جس قسم کی صورتحال سے دوچار ہے۔ اس میں بقول محترم خادم جعفری ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم دنیا والوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ

مذہب اسلام میں تو کوئی حد بندی نہیں
کوئی شیعہ کوئی سنی کوئی دیوبندی نہیں

لیکن یہاں بدقسمتی سے مسلمان مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے۔ اس کی ایک وجہ صرف یہی نظر آتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے موقف سے آگاہ نہیں۔ دیوبندی اور بریلوی ایک دوسرے کو غلط کہہ رہے ہیں۔ اہل حدیث ان دونوں کو غلط کہہ رہے ہیں اور ان دونوں کا اہل حدیث کے بارے میں یہی نظریہ ہے۔ رہے شیعہ تو ان کی تو تصویر ہی عجیب سی بنا کر عوام کے ذہنوں میں بٹھا دی گئی ہے حالانکہ مذہب شیعہ قرآن وسنت سے جس طرح ثابت ہے وہ سب کچھ ہم نے برادران اہلسنت کی مستند کتب تفاسیر واحادیث کی روشنی میں بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

احقر حسین الامینی

لفظ شیعہ کے بارے میں ایک ضروری وضاحت

ہماری بول چال میں جونہی کوئی آدمی کہتا ہے کہ فلاں شخص شیعہ ہے تو سننے والے کے ذہن میں فوراً یہ بات آتی ہے یا وہ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ وہ شخص حضرت علیؑ اوران کی اولاد کا ماننے والا ہے حالانکہ شیعہ کے معنی تو پیروکار یا گروہ وغیرہ کے ہیں۔ یہ لفظ صرف حضرت علیؑ اوران کی اولاد کے پیروکاروں کے لیے کیوں مخصوص ہو کر رہ گیا ہے؟ اس کی وضاحت آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔

شیعہ کس زبان کا لفظ ہے؟

شیعہ عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ قرآن' حدیث اور تاریخ میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ شیعہ کی جمع ''شیع'' اور ''اشیاع'' آتی ہے اور شیعہ کی اصل اور بنیاد مشایعت ہے جس کے معنی ہیں پیچھے جانا۔ متابعت کرنا۔

لفظ شیعہ کے معنی کیا ہیں؟

علمائے لغت نے لفظ شیعہ کے دو قسم کے معنی لکھے ہیں:

۱۔ شیعہ کے لغوی معنی

۲۔ شیعہ کے عرفی یعنی مشہور و معروف معنی

پہلے ہم لفظ شیعہ کے لغوی معنی پر غور کرتے ہیں۔ اس کے بعد لفظ شیعہ کے عرفی یعنی جو عام طور پر مشہور ہو چکے ہیں۔ اس کی وضاحت کریں گے۔ جہاں تک لفظ شیعہ کے لغوی معنی کا تعلق ہے علمائے لغت نے لفظ شیعہ کے یہ معانی لکھے ہیں:

۱۔ گروہ، پیروکار، محب، مددگار، جیسا کہ عربی کی مشہور لغت قاموس میں لفظ شیعہ کی بحث میں لکھا ہے۔

شیعة الرجل بالکسر اتباعه و الصاره(۱)

ترجمہ: شیعہ کسی شخص کے پیروکار اور مددگار کو کہتے ہیں۔

اسی طرح عربی کی دوسری لغت ''المنجد'' میں لکھا ہے **شیعة الرجل بالکسر اتباعه و الصاره** یعنی کسی مرد کے شیعہ ان کو کہتے ہیں جو اس کی اتباع یا پیروی کریں اور اس کے مددگار ہوں۔ مولانا وحید الزمان خان حیدرآبادی لفظ شیعہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اصل میں شیعہ گروہ کو کہتے ہیں'' پھر تھوڑا آگے لکھتے ہیں:

جو شخص کسی کی مدد کرے اور اس کی جماعت میں شریک ہو

۱) ملاحظہ ہو'' قاموس'' ج ۳، ص ۴۷ مطبوعہ مصر ۱۹۳۳

جائے وہ اس کا شیعہ کہلائے گا۔(۲)

علامہ راغب اصفہانی نے لفظ شیعہ کے حسب ذیل معنی لکھنے ہیں۔

''الشیعة'' وہ لوگ جن سے انسان قوت حاصل کرتا ہے اور وہ اس کے اردگرد پھیلے رہتے ہیں۔ شیعة کی جمع شیع و اشیاع آتی ہے۔

قرآن میں ہے:

''وان من شیعته لابراهیم''

اور ان ہی یعنی نوح علیہ السلام کے پیرووں میں ابراہیمؑ تھے۔(۳)

مولانا مفتی محمد شفیع سورہ حجر آیت نمبر ۱۰ میں لفظ شیعہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الشیع جمع ہے شیعہ کی جس کے معنی کسی شخص کے پیروکار اور مددگار کے بھی آتے ہیں۔(۴)

مقدمہ ابن خلدون عربی طبع مصر ص ۱۹۴ پر مرقوم ہے:

اعلم ان الشیعة لغة هم الصحب و الاتباع

مولانا راغب نے اس فقرے کا ترجمہ یوں کیا ہے:

۲) لغات الحدیث کتاب ''ش'' ص ۱۶۲، ج ۲، شائع کردہ میر محمدی کتب خانہ کراچی

۳) مفردات القرآن ج ۱، ص ۵۶۳ مطبوعہ لاہور ترجمہ شیخ الحدیث مولانا عبداللہ فیروز پوری

۴) تفسیر معارف القرآن ج ۵، ص ۲۷۳ مطبوعہ دہلی ایضاً ص ۲۸۵ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی

دیکھیے لُغت کے اعتبار سے شیعہ رفقاء اور پیروکاروں کو کہتے ہیں۔ (۵)

خلاصہ بحث:

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جس طرح اردو اور انگریزی میں دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں:

۱۔ گروہ (GROUP)

۲۔ پارٹی (PARTY)

ان دونوں الفاظ کا مطب گروہ بنتا ہے یہ الفاظ خود نہ ہی اچھے ہیں نہ بُرے لیکن جب یہ کہا جائے کہ یہ شخص فلاں گروپ (GROUP) یا پارٹی (PARTY) سے تعلق رکھتا ہے اگر وہ گروپ یا اس کا سربراہ نیک اور با اصول آدمی ہوگا تو اس گروپ یا پارٹی میں شامل ہونے والا شخص نیک گروپ کا فرد شمار ہوگا اگر اس گروپ یا پارٹی کا سربراہ بدنام اور بے اصول آدمی ہوگا تو اس گروپ میں شامل ہونے والا بھی اسی طرح متصور ہوگا۔

قرآن میں لفظ شیعہ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے؟

قرآن میں لفظ شیعہ عام طور پر گروہ اور پیروکار کے معنی میں آیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے:

و لقد ارسلنا من قبلک فی شیع الاولین

(الحجر آیت ۱۰)

---

۵) مقدمہ ابن خلدون اردو ص ۴۶۳، ج ۱ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

اور ہم نے آپ کے قبل بھی پیغمبروں کو اگلے لوگوں کے بہت سے گروہوں میں بھیجا تھا۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا

(انعام آیت ۱۵۹)

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

سورہ قصص میں آیا ہے:

ان فرعون علی فی الارض و جعل اھلھا شیعا

(القصص آیت ۴)

فرعون ملک (مصر) میں (بہت) بڑھ چڑھ رہا تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کے الگ الگ گروہ قرار دیئے تھے۔ (ملاحظہ ہو ترجمہ شمس العلماء حافظ نذیر احمد مطبوعہ نولکشور لکھنو ۱۳۴۰ھ)

قرآن میں وہ مقام جہاں انبیاء اور ان کے پیروکاروں کیلئے لفظ شیعہ استعمال ہوا ہے سورہ الصفت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سلم علی نوح فی العلمین o ان کذالک نجز المحسنین o انہ من عبادنا المومنین o ثم اغرقنا الاخرین o و ان من شیعتہ لابراھیم o

(الصفت ۷۹ تا ۸۳ پ ۲۳)

نوح پر سلام ہو عالم والوں میں۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا

کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔
پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو (یعنی کافروں کو) غرق کر دیا اور نوحؑ
کے طریقہ والوں میں سے ابراہیمؑ بھی تھے۔ (ترجمہ مولوی اشرف
علی تھانوی)

مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم "ان من شیعته لابراهیم" (کی تفسیر میں لکھتے
ہیں:

شیعۃ عربی زبان میں اس گروہ یا جماعت کو کہتے ہیں جس کے
افراد بنیادی نظریات اور طور طریق میں یکساں ہوں اور یہاں ظاہر
یہی ہے کہ شیعۃ کی ضمیر حضرت نوحؑ کی طرف راجح ہے لہٰذا اس کا
مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنے پیش رو نبی حضرت
نوح علیہ السّلام کے طریقے پر تھے۔ (۶)

اسی طرح شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اور مولانا وحید الزمان کا جو مشترکہ ترجمہ
شائع ہوا ہے' اس میں سورہ الصفت کی اس آیت ۸۳ میں وارد لفظ شیعہ کا ترجمہ ایک
بزرگوار نے تابع اور دوسرے نے لفظ شیعہ کا ترجمہ "راہ پر چلنے والے" کیا ہے۔ (۷)
اور شمس العلماء حافظ نذیر احمد نے اس آیت میں لفظ شیعہ کا ترجمہ "طریق پر چلنے"
کیا ہے۔ (۸)

دوسری آیت سورہ قصص کی ہے جب حضرت موسیٰ شہر میں داخل ہوتے ہیں

---

۶) تفسیر معارف القرآن ج ۷، ص ۴۴۷ مطبوعہ دہلی ایضاً مطبوعہ کراچی

۷) ملاحظہ ہو قرآن مجید مع تفسیر اشرف الحواشی مطبوعہ لاہور

۸) ملاحظہ ہو قرآن ترجمہ شمس العلماء حافظ نذیر احمد مطبوعہ نولکشور لکھنو ۱۳۴۰ھ

دو آدمی لڑ رہے ہوتے ہیں ایک آپ کا پیروکار تھا دوسرا مخالف۔ آپ کے پیروکار نے
آپ سے مدد طلب کی قرآن کے الفاظ یوں ہیں:

**و دخل المدینة علی حین غفلة من اهلها فوجد فیها
رجلین یقتتلن هذا من شیعته و هذا من عدوه فاستغاثه
الذی من شیعته علی الذی من عدوه**

(سورہ قصص آیت ۱۵)

اور آیا (موسیٰ) شہر کے اندر جس وقت بے خبر ہوئے تھے وہاں
کے لوگ۔ پھر پائے اس نے دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اس کے
رفیقوں میں سے اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے۔ پھر فریاد کی
اس سے اس نے جو تھا اس کے رفیقوں میں اس کی جو تھا اس کے
دشمنوں میں (ترجمہ شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی)

واضح رہے کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے لفظ شیعہ کے معنی "رفیق" لکھے ہیں
اور رفیق بھی دوست کو کہتے ہیں مولانا مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ وہ زمانہ تھا جب موسیٰ نے اپنی نبوت اور رسالت اور دین حق کا اظہار شروع
کر دیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں کچھ لوگ ان کے مطیع اور فرمانبردار ہو گئے تھے جو ان کے
متبعین کہلاتے تھے۔ من شیعته کا لفظ اس پر شاھد ہے۔ (۹)

مفتی محمد شفیع صاحب کے بیان سے واضح ہو گیا کہ جو لوگ حضرت موسیٰ کے
متبعین کہلاتے تھے وہی شیعہ تھے۔ اس کے علاوہ قرآن کی مندرجہ بالا متعدد آیات

---

۹) تفسیر معارف القرآن ج ۶، ص ۶۲۲ مطبوعہ دہلی ایضاً مطبوعہ کراچی

حضرت علیؑ اور ان کے اھلبیت سے محبت رکھے' ان کی پیروی کرے اور ان کے طریقے پر چلے۔ یہ بات ہر شخص کو دعوت فکر دیتی ہے کہ لفظ شیعہ حضرت علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ کے پیروکاروں کے لیے کیوں مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ اس سلسلے میں جب ہم پیغمبر اکرمؐ کی احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کا جواب آسانی سے مل جاتا ہے کہ یہ نام یعنی شیعہ تو آنخضرتؐ نے حضرت علیؑ کے پیروکاروں کو دیا ہے۔

خود پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے پیروکاروں کو شیعہ کہا ہے اور انہیں جنت کی بشارت دی ہے:

برادران اہلسنت کے جید عالم مولانا عبید اللہ امرتسری نے حضرت علیؑ کی سوانح عمر ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب (۱۵) میں آنخضرتؐ کی وہ بہت ساری احادیث اکٹھی لکھی ہیں جن میں نبی کریمؐ نے حضرت علیؑ کے پیروکاروں کو شیعہ کا لقب دیا ہے اور انہیں جنت کی بشارت دی ہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱. **عن جابر بن عبد الله قال كنا عند النبیؐ فاقبل علیؑ فقال النبیؐ و الذی نفسی بيده ان هذا و شيعته فهم الفائزون يوم القيمة و نزلت ان الذين امنوا و عملوا الصلحت اولئک هم الخير البريه**

جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ہم جناب رسالتمآبؐ کے حضور میں حاضر تھے کہ جناب امیر حضرت علیؑ تشریف لائے۔

۱۵) ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب ص ۶۵۷ تا ۶۵۹ طبع قدیم مطبوعہ لاہور

آنخضرتؐ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ یہ (حضرت علیؑ) اور اس کے شیعہ پس وہی قیامت کے روز جنت کے رفیع درجوں میں پہنچنے والے ہیں اور اسی حالت میں یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے ہیں۔ وہی لوگ سب خلقت سے اچھے ہیں۔ (اخرجہ ابن عساکر ص ۴۴۲ والخوارزمی فصل ۹' ص ۶۲ والسیوطی فصل ۷' ص ۱۸۶ فی الدر المنثور ۶/۳۷۹)

۲. **عن ابن عباس قال لما نزلت هذه الايه ان الذين امنوا و عملوا الصلحت اولئک هم خير البريه قال رسول الله ﷺ لعلیؑ هو انت و شيعتک يوم القيامة راضين مرضين**

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ بہ تحقیق جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہی سب سے بہتر ہیں خلقت سے۔ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ قیامت کے روز خوش اور خوشنود کیے گئے۔ (اخرجہ ابن مردودیہ و ابو نعیم فی الحلیہ و الدیلمی فی فردوس الاخبار و سیوطی فی الدر المنثور)

۳. **عن علی قال لی رسول الله ﷺ الم تسمع قول الله تعالیٰ ان الذين آمنوا و عملوا الصلحت اولئک هم خير البريه انت و شيعتک و موعدکم**

الحوض اذا جئت الامم يوم القيامة تدعون غير المحجلين

جناب امیر حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ مجھ سے جناب پیغمبر خداؐ نے فرمایا: یا علیؑ کیا تو نے خدا کے فرمان کو نہیں سنا کہ تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ سب سے بہترین مخلوق ہیں۔ وہ لوگ تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ میرا اور تمہارا وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔ جب قیامت کے روز تمام گروہ حاضر ہوں گے تو تم سفید منہ اور نورانی ہاتھوں والے پکارے جاؤ گے۔ (اخرجہ ابن مردودیہ و و الخوارزمی فی المناقب وسیوطی فی الدرالمنثور)

۴. **عن ام سلمه قالت ان فاطمة بنت رسول اللهؐ و معها علیؑ فرفع رسول اللهؐ اليها راسه قال البشر يا علیؑ انت و شيعتک فی الجنة**

ام المؤمنین ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ جناب فاطمہ علیہ السّلام جناب امیر حضرت علیؑ کے ساتھ آنحضرتؐ کے حضور تشریف لائیں۔ آنحضرتؐ نے ان کی طرف سر اقدس اٹھا کر ارشاد فرمایا: یا علیؑ خوش ہو تو اور تیرے شیعہ جنت میں ہوں گے۔ (اخرجہ فخر الاسلام نجم الدین ابوبکر بن محمد بن حسین السنبلانی المرندی فی مناقب صحابہ)

مزید تفصیل دیکھنے کے خواہشمند ارجح المطالب ص ۶۵۷ تا ص ۶۵۹ طبع قدیم کی طرف رجوع کریں۔

پیغمبر اکرمؐ نے یہ کیوں فرمایا کہ حضرت علیؑ اور ان کے شیعہ ہی آخرت میں کامیاب ہوں گے؟

یہ سوال بھی بڑا اہم ہے کیونکہ آنحضرتؐ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ قیامت کے دن وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو قرآن کی تعلیمات اور میری سنت وطریقہ پر چلیں گے۔ اس کی سیدھی سادھی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اپنے بعد اس امت میں ہونے والی گروہ بندی سے آگاہ تھے اور جس کے متعلق آپؐ نے اپنی زندگی میں بھی یہ افسوسناک خبر دی تھی کہ میری امت میں تہتر فرقے بن جائیں گے۔ پیغمبر اکرمؐ یہ بھی جانتے تھے کہ اس گروہ بندی کی صورت میں ہر گروہ کا دعویٰ ہوگا کہ وہ ہی حق پر ہے اور انہی کا موقف قرآن وسنت کے مطابق ہے اس لیے آنحضرتؐ کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ آپؐ اپنے بعد اس مرکز کی بھی نشاندہی فرما دیتے جس سے ملنے والا ہر حکم قرآن وسنت کے عین مطابق ہوتا چنانچہ آپؐ نے جو کچھ گذشتہ مذکورہ احادیث میں فرمایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ جب امت مسلمہ میں کئی گروہ بن جائیں گے تو ایسی صورت میں حضرت علیؑ کا گروہ حق پر ہوگا۔

۲۔ جب کسی مسئلہ میں کئی طریقے سامنے آجائیں تو حضرت علیؑ کے طریقے پر چلنے والے ہی کامیاب وکامران ہوں گے کیونکہ ان کا عمل قرآن وسنت کے عین مطابق ہوگا بلکہ محدثین اہل سنت نے بھی یہ لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا ہے کہ

علی مع القرآن و القرآن مع علی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض

علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ روز قیامت میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے۔(۱۶)

اہلسنت عالم شاہ اسماعیل شہید لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

القرآن مع علیؑ و علیؑ مع القرآن

یعنی قرآن علیؑ کے ساتھ اور علیؑ قرآن کے ساتھ ہے۔(۱۷)

اور بقول شاہ اسماعیل شہید آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ ہی کے بارے میں فرمایا ہے کہ

اللهم ادر الحق معه حیث دار

اے اللہ! جس جگہ علیؑ جائے اس کے ساتھ حق جاری رکھ۔(۱۸)

علیا منی و انا منه و هو ولی کل مومن

---

(۱۶) علامہ شرف الدین موسوی اپنی کتاب ارجح المراجعات کے اردو ترجمہ ''مذہب اہلبیت'' ص ۳۱۵ مطبوعہ کراچی پر لکھتے ہیں کہ امام حاکم نے مستدرک ج ۳، ص ۲۴ پر یہ حدیث درج کی ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں یہ حدیث لکھی ہے اور دونوں حضرات نے اس کے صحیح ہونے کی صراحت کی ہے۔

(۱۸،۱۷) ملاحظہ ہو منصب امامت ص ۷۹ ناشر آئینہ ادب چوک مینار انارکلی لاہور

(آنحضرتؐ فرماتے ہیں:) علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ ہر مومن کے ولی ہیں۔(۱۹)

آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ

من کنت مولاہ فعلی مولاہ

یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں۔(۲۰)

(رواہ احمد و ترمذی)

پھر آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

رحم الله علیا اللهم ادر الحق معه حیث دار

اللہ علیؑ پر رحم کرے۔ الٰہی علیؑ کے ساتھ حق کو گردش دے جدھر وہ گردش کریں۔(۲۱)

آنحضرتؐ نے اپنے بعد امت کے لیے جس مرکز کی نشاندھی فرمائی تھی۔ اس کے بارے میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ

انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی اهلبیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی عترت، جب تک تم ان دونوں کے دامن سے وابستہ رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں

(۱۹،۲۰) اردو ترجمہ و شرح مشکوۃ المصابیح ج ۸، ص ۴۱۷ ترجمہ مفتی احمد یار خان

(۲۱) ملاحظہ ہو ترجمہ و شرح مشکوۃ المصابیح ج ۸، ص ۴۴۹ ترجمہ مفتی احمد یار خان

ہو گے۔(۲۲)

اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے اپنے بعد والے مرکز کی اس طرح بھی نشاندھی فرمائی ہے کہ

اے لوگو!

آگاہ رہو تم میں میرے اہلبیت کی مثال جناب نوحؑ کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا' نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔(۲۳)

یہاں پر چونکہ زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں کہ اس قسم کی وہ بے شمار احادیث نقل کی جائیں جن سے بعد از وفات پیغمبرؐ حضرت علیؑ اور دیگر آل رسولؐ کی مرکزیت کا پتہ چلتا ہے۔(۲۴) اس لیے ہم اس طرف آتے ہیں کہ

جب علمائے اہلسنت نے وہ احادیث دیکھیں جو شیعوں کے فضائل میں ہیں اور جن میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ آخرت میں حضرت علیؑ اور ان کے شیعہ ہی کامیاب ہوں گے تو انہوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ شیعہ تو دراصل ہم ہیں۔ اس سلسلے میں چند علمائے اہلسنت کے بیانات ملاحظہ فرمائیں:

---

۲۲) واضح رہے کہ یہ حدیث تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم' جامع ترمذی' مسند احمد بن حنبل سمیت بے شمار کتب اہلسنت میں موجود ہے۔

۲۳) ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح ج ۸' ص ۴۹۳ ترجمہ مفتی احمد یار خان مرحوم

۲۴) سید عبدالحسین شرف الدین موسوی نے کتب اہلسنت سے ایسی چالیس احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ پیغمبر اکرمؐ نے ایک دفعہ حضرت علیؑ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: (باقی اگلے صفحہ پر)

شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی کا اقرار کہ جن شیعوں کے فضائل میں احادیث وارد ہوئی ہیں' وہ ہم ہیں

شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی تحفہ اثنا عشری میں لکھتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) یہ علیؑ نیکوکاروں کے امام اور فاجروں کو قتل کرنے والے ہیں۔ جس نے ان کی مدد کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان کی مدد سے منہ موڑا اس کی بھی مدد نہ کی جائے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک ج ۳' ص ۱۲۹ پر حضرت جابرؓ سے روایت کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ لیکن بخاری اور مسلم نے اسے درج نہیں کیا۔

۲۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں: ''علی میرے علم کا دروازہ ہیں اور میں جن چیزوں کو لے کر مبعوث ہوا' میرے بعد یہی ان چیزوں کو میری امت سے بیان کریں گے۔ ان کی محبت' ایمان اور ان کا بغض نفاق ہے۔'' دیلمی نے حضرت ابوذرؓ سے اس کی روایت کی ہے کہ جیسا کہ کنزالعمال ج ۶' ص ۱۵۶ پر ہے۔

۳۔ آنحضرتؐ حضرت علیؑ سے فرماتے ہیں کہ ''انت تبین لامتی ما اختلفوا فیہ من بعدی''، یعنی اے علیؑ! میرے بعد میری امت اختلافات میں مبتلا ہو گی تو تم ہی راہ حق واضح کرو گے۔ اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک ج ۳' ص ۱۲۲ پر درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کے بنائے ہوئے معیار پر صحیح ہے لیکن ان دونوں نے اس کا ذکر نہیں کیا نیز دیلمی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے جیسا کہ کنزالعمال ج ۷' ص ۱۵۶ پر مذکور ہے۔

جو شخص تفصیل معلوم کرنا چاہے وہ سید عبدالحسین شرف الدین موسوی کی کتاب المراجعات کی طرف رجوع کرے۔ اس کتاب کا ایک ترجمہ ''دین حق'' کے نام سے امامیہ مشن لاہور سے چھپا ہے۔ اس کے ص ۱۷۹ تا ۱۹۷ پر یہ احادیث درج ہیں اور کتب اہلسنت سے ان احادیث کا درست ہونا بھی ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کراچی سے یہی کتاب ''مذہب اہلبیت'' کے نام سے انتہائی معیاری کاغذ پر شائع ہوئی ہے۔

اھل سنت می گویند مائیم شیعه اولی و احادیث که در فضل شیعه وارداندان مائیم نه روافض

اہلسنت کہتے ہیں کہ شیعہ اولیٰ (پہلے زمانے کے شیعہ) ہم ہیں اور وہ حدیثیں جو فرقہ شیعہ کی فضیلت میں وارد ہیں' ان سے مراد ہم ہیں نہ کہ رافض۔ (۲۵)

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ کامیاب ہونے والے شیعہ ہم ہیں

اہل سنت کے بہت بڑے عالم ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ

شیعة اهلبیت هم اهل السنة و الجماعة لانهم الذین احبوهم کما امرهم

اہل سنت کے شیعہ وہ اہل سنت والجماعت ہیں کیونکہ وہی لوگ ہیں جو اہلبیت سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح خدا اور اس کے رسولؐ نے حکم دیا ہے۔ (۲۶)

ہم دوسری جگہ بھی لکھ چکے ہیں اور علامہ ابن حجر مکی کے جواب میں بھی بڑے ادب سے عرض کرتے ہیں کہ

جن کی بخاری شریف جیسی کتاب میں حضرت علیؑ سے صرف انیس حدیثیں اور مسلم شریف جیسی کتاب میں صرف بیس حدیثیں

۲۵) ملاحظہ ہو تحفہ اثناء عشریہ

۲۶) ملاحظہ ہو صواعق محرقہ

روایت کی گئی ہوں۔ کیا ایسے لوگ یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے شیعہ یا ان کے طریقہ والے ہم لوگ ہیں؟

علامہ وحید الزمان کا بیان کہ حضرت علیؑ کے شیعہ ہم ہیں

مولانا وحید الزمان خان اپنی مشہور زمانہ کتاب "لغات الحدیث" میں لکھتے ہیں کہ

ایک بار میں نے جناب امیر کہہ کر آپ کو (حضرت علیؑ کو) مراد لیا تو ایک سنی صاحب بگڑ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ شاید تم شیعہ ہو۔ میں نے کہا: در ایں چہ شک میں بے شک شیعہ علی ہوں۔ اللہ ہم کو دنیا میں اسی گروہ میں رکھے اور آخرت میں ہمارا اسی گروہ میں حشر کرے۔ (۲۷)

پھر حاشیہ بخاری پر لفظ شیعہ کی شرح میں یہ آرزو کرتے ہیں کہ

یا اللہ قیامت کے دن ہمارا حشر شیعہ علیؑ میں کر اور زندگی بھر ہم کو حضرت علیؑ اور سب اہلبیت کی محبت پر قائم رکھ۔ (۲۸)

نتیجہ بحث:

علمائے اہل سنت کے مذکورہ بالا بیانات پڑھ کر مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ شیعوں نے اپنے لیے جو نام پسند کیا ہے وہ ان کی ذاتی اختراع نہیں بلکہ یہ نام "شیعہ" خود پیغمبر کی زبان سے انہیں عطا ہوا ہے۔

۲۷) ملاحظہ ہو "لغات الحدیث" کتاب الف ج ۱ ص ۶۲ مطبوعہ کراچی

۲۸) تیسر الباری شرح بخاری ج ۶ ص ۱۹۳ مطبوعہ کراچی

۲۔ شیعوں کے فضائل میں جو احادیث کتب اہل سنت میں وارد ہوئی ہیں ان کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ خود علمائے اہلسنت نے اقرار کیا ہے کہ ہم شیعہ علیؑ ہیں۔

۳۔ پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بعد امت میں جس افسوسناک گروہ بندی کی نشاندھی فرمائی تھی' ان میں سے بروز قیامت وہ گروہ کامیاب ہوگا جس کے سربراہ حضرت علیؑ ہوں گے۔

شیعیت کی ابتداء

شیعیت کی ابتداء کیسے ہوئی۔ اموی اور عباسی حکومتوں کے وظیفہ خور بعض جاہل اور متعصب اہل قلم نے شروع ہی سے اس بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں غلط فہمیاں بھر رکھی ہیں اور حقائق سے بے خبر سادہ لوح عوام شیعیت کے بارے میں ہر دور میں مختلف غلط فہمیوں کا شکار ہوتے چلے آرہے ہیں لیکن اصل حقیقت کیا ہے؟ اسے سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں۔ شیعیت دراصل کوئی الگ مذہب نہیں بلکہ شیعیت تو آل رسولؐ اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی اس آواز اور اس تحریک کا نام ہے جس کے مطابق پیغمبر اکرمؐ نے اپنی زندگی میں ہی حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان فرما دیا تھا جب مکہ میں پہلی اعلانیہ دعوت اسلام دی گئی تھی تو بھرے مجمع میں جب آنحضرتؐ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے جو اس مشن میں میرا ہاتھ بٹائے گا؟ تمام لوگ خاموش رہے لیکن حضرت علیؑ نے اٹھ کر آپؐ کی حمایت کا اعلان کیا تو پیغمبر اکرمؐ نے تمام بنو ہاشم کے سامنے اعلان کیا کہ

ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا له و اطیعوا

یہ میرا بھائی میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ تم اس کی بات سنو اور جو کہے اس بجالاؤ۔ (۲۹)

اور اپنی وفات سے تقریباً اڑھائی ماہ قبل بمقام غدیر خم آخری حج سے واپسی پر بھی آنحضرتؐ نے صحابہ کرامؓ کے مجمع عام میں سورہ مائدہ کی آیت ۶۷

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

اے میرے رسولؐ!

جو حکم تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا ہے اسے (لوگوں کو) سنا دے۔

کے نازل ہونے پر حضرت علیؑ کو پالانوں کے منبر پر لے جا کر انکا ہاتھ بلند کر کے جو فرمایا تھا کہ

من کنت مولاہ فعلی مولاہ

یعنی جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کے علی مولاہ ہیں۔ (۳۰)

آنحضرتؐ کے ان فرامین کی روشنی میں تمام بنو ہاشم اور بہت سارے جلیل

---

(۲۹) تاریخ طبری ج ۱' ص ۸۹ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی (ہم نے تاریخ طبری کے اردو ترجمہ کے ساتھ اصل عربی عبارت بھی نقل کر دی ہے۔)

(۳۰) اردو ترجمہ وشرح مشکوۃ المصابیح ج ۸' ص ۴۱۷ ترجمہ مفتی احمد یار خان مرحوم

القدر صحابہ کرامؓ کی یہ رائے تھی کہ حضرت علیؑ ہی خلیفہ پیغمبرؐ ہیں۔

ہمارے اہل سنت بھائی اگر پورے خلوص سے اپنا خلافت کا نظریہ رکھتے ہیں تو ہم بھی پورے خلوص نیت سے وہ نظریہ رکھتے ہیں جو تمام بنو ہاشم اور بہت سارے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کا تھا۔ یہی نظریہ دراصل شیعیت کی ابتداء ہے۔ اب ہم چند علمائے اہلسنت کے بیانات نقل کرتے ہیں۔

علامہ ابن خلدون ابتداء دولت شیعہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ

> سمجھ لو کہ دولت شیعہ کی ابتداء یوں ہوئی ہے کہ بعد از وفات رسولؐ اہلبیت کا خیال یہ ہوا کہ ہم ہی حکومت و فرمانروائی کے مستحق ہیں اور خلافت ہمارے ہی نفوس کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہمارے سوا قبیلہ قریش میں کوئی شخص اس خصوصیت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ (۳۱)

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ صرف اہلبیت رسولؐ کا ہی خیال نہیں تھا بلکہ بہت سارے جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی یہی نظریہ رکھتے تھے جیسا کہ علامہ ابن خلدون آگے لکھتے ہیں:

> ایک گروہ صحابہؓ کا حضرت علیؑ کا ہوا خواہ تھا اور وہ لوگ انہی کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے لیکن جب خلافت دوسرے کے قبضے میں چلی گئی تو ان کو اس کا افسوس و ملال ہوا مثلاً زبیرؓ، عمار بن یاسرؓ اور

(۳۱) ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون ج ۳، ص ۲۳-۲۴ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

مقداد بن اسودؓ وغیرہ۔ (۳۲)

احمد امین مصری ''فجر الاسلام'' میں لفظ شیعہ کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

> شیعیت کا پہلا بیج تو اس جماعت نے بو دیا تھا جن کا رسول اللہؐ کی وفات کے بعد یہ خیال تھا کہ اہلبیت رسولؐ آپ کی جانشینی کے زیادہ حقدار ہیں اور اہل بیت میں مقدم ترین ہستیاں حضرت عباسؓ (رسول اللہ کے چچا) اور حضرت علیؑ (رسول اللہؐ کے چچیرے بھائی) کی ہیں اور ان دونوں میں بھی حضرت علیؑ زیادہ حقدار ہیں۔ حضرت عباسؓ نے خود بھی حضرت علیؑ سے خلافت کے استحقاق میں کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ (۳۳)

پروفیسر غلام رسول شیعیت کی ابتداء کے بارے میں لکھتے ہیں:

> شیعیت کا تخم صحابہ کی وہ جماعت ہے جو حضرت علیؓ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتی تھی۔ ان میں سے مشہور حضرت عباسؓ حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت مقداد بن اسودؓ حضرت عمارؓ بن یاسر اور سلیمان فارسیؓ تھے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ، ابی بن کعبؓ حذیفہ یمانیؓ اور دیگر بہت سے صحابہ تھے۔ (۳۴)

(۳۲) ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون ج ۳، ص ۲۳-۲۴ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

(۳۳) ملاحظہ ہو ''فجر الاسلام'' ص ۳۳۳ شائع کردہ دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار لاہور

(۳۴) ملاحظہ ہو ''مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ'' ص ۸۲۲ مطبوعہ لاہور

۱۹۔ حضرت جعفرؓ بن ابوسفیان بن الحرث بن عبدالمطلب (۳۷)

واضح رہے کہ ہم نے حضرت عبدالمطلب کی اولاد کا سرسری اور نامکمل تذکرہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سارے ہاشمیوں کے حالات گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں۔ بنو ہاشم کے علاوہ جو دیگر بہت سارے جلیل القدر صحابہ کرامؓ حضرت علیؑ کے ساتھ تھے ان میں سے چند نمایاں افراد درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابوذر غفاریؓ

۲۔ حضرت عمارؓ یاسر بدری صحابی

۳۔ حضرت ابوالہیثمؓ بدری صحابی

۴۔ حضرت مقدادؓ بن اسود بدری صحابی

۵۔ حضرت زبیرؓ بدری صحابی

۶۔ حضرت خالدؓ بن سعید انتہائی باعظمت صحابی جو تھے یا پانچویں مسلمان تھے۔

۷۔ حضرت سلیمانؓ فارسی

۸۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری

۹۔ حضرت ابیؓ بن کعب

۱۰۔ حضرت عبادۃؓ بن صامت

۱۱۔ حضرت حذیفہ یمانؓ

---

(۳۷) بنو ہاشم کے ان افراد کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو ''الدرجات الرفیعہ فی الطبقات الشیعہ'' ص ۱۴۱ تا ۱۹۵ شائع کردہ مکتبہ بصیرتی قم ۱۳۹۷ھ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۶۵ تا ۲۱۶ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

یہ چند نمایاں صحابہ کرامؓ کے نام ہیں جو ابن خلدون پروفیسر غلام رسول اور عبد الحمید جودۃ السحار مصری نے اپنی کتاب ''ابوذر غفاری'' میں لکھتے ہیں۔ (۳۸) اس سے ہمارا مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ حضرت علیؑ کو بعد از وفات پیغمبر اکرمؐ خلیفہ سمجھنا۔ شیعوں کا اختراعی عقیدہ نہیں بلکہ بہت سارے جلیل القدر صحابہ کرام کا بھی یہی نظریہ تھا۔

وفات پیغمبر اکرمؐ کے بعد قریش نے حضرت علیؑ کی بیعت کیوں نہ کی؟

تاریخ کے طالب علم کے ذہن میں اس سوال کا آنا قدرتی امر ہے۔ اس سوال کا قدرے مفصل جواب تو ہم امامت کی بحث میں دیں گے۔ یہاں پر اہلسنت محقق مولانا شبلی نعمانی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ وہ اپنی کتاب ''الفاروق'' میں لکھتے ہیں کہ

> حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ (۳۹)

ڈاکٹر طہٰ حسین مصر اس سوال کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ

> قریش کی اکثریت بنی ہاشم سے خلافت اس خوف سے نکالنا

---

(۳۸) عبدالحمید جودۃ السحار مصری کی کتاب کا ترجمہ جناب عبدالصمد صارم الازہری نے کیا ہے۔ تاریخ ابن خلدون اور پروفیسر غلام رسول کا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔

(۳۹) ''الفاروق'' ص ۷۸ مطبوعہ لاہور

چاہتی تھی کہ مبادا وہ ان کی وراثت ہو جائے اور پھر قیامت تک قریش کے کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو سکے۔ چنانچہ قریش کے اس خطرے کہ وہ بنی ہاشم کی رعایا نہ بن جائیں اور خلافت کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو جائے، بنی ہاشم کو قصداً اس سے دور رکھا۔ (۴۰)

مقام غور ہے کہ قریش نے یہ فیصلہ کب کیا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے بعد تو اتر وقت ہی نہیں تھا کہ قوم سوچ سمجھ کر ایسا فیصلہ کرتی۔ اگر یہ فیصلہ پیغمبر اکرمؐ کی زندگی میں ہی کر لیا گیا تھا تو کن لوگوں کے درمیان یہ بات طے ہوئی تھی اور کہاں ہوئی تھی اور کیا پیغمبر اکرمؐ کو بھی اس کی خبر دی گئی تھی یا نہیں؟

حضرت علیؑ نے تلوار کیوں نہ اٹھائی؟

اکثر برادران اہلسنت یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ حضرت علیؑ فاتح خیبر تھے۔ آپ اتنے بہادر تھے۔ آپ نے تلوار کیوں نہ اٹھائی؟ ایسے احباب کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت دنیائے اسلام کے حالات کا مطالعہ کریں۔ خود علمائے اہلسنت اس وقت کے حالات کا نقشہ کس طرح پیش کرتے ہیں۔ مورخ طبری نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کی علالت کی خبر ابھی مشہور ہی ہوئی تھی کہ اسود عنسی نے یمن میں، مسیلمہ نے یمامہ میں اور طلیحہ نے بنی اسد کے علاقے میں بغاوت کر دی۔ (۴۱)

---

۴۰) حضرت عثمانؓ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں ص ۱۶۱ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

۴۱) ملاحظہ ہو "تاریخ طبری" ج ۱، ص ۱۵۳ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

مکہ جسے قیامت تک کے لیے اسلام کا اہم ترین مرکز رہنا تھا، اس کی حالت کیا تھی۔ اہلسنت مورخ ابن ہشام اس بارے میں لکھتے ہیں۔

> بعد از وفات پیغمبر اکثر اہل مکہ نے مرتد ہونے اور اسلام سے پھر جانے کا قصد کیا یہاں تک کہ عقاب بن اسید جو نبی پاکؐ کی طرف سے مکہ کے حاکم تھے۔ ان لوگوں کے خوف سے پوشیدہ ہو گئے۔ (۴۲)

مدینہ منورہ کی اس وقت کیا حالت تھی؟ اہل سنت مصنف مولانا شبلی نعمانی کی زبانی سنئے۔ وہ لکھتے ہیں:

> آنحضرتؐ نے جس وقت وفات پائی، مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسولؐ اللہ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ (۴۳)

اس وقت دنیائے اسلام کی مجموعی صورت حال کیا تھی۔ اہل سنت کی نامور علمی شخصیت سید ابوالحسن علی ندوی نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ

> صرف دو تین مقامات ایسے بچے تھے جہاں نماز ہو رہی تھی۔ پورا جزیرۃ العرب خطرہ میں اور ارتداد کی زد پر تھا اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر یہ ارتداد کچھ اور پھیلا تو پورا جزیرۃ العرب اسلام کی

---

۴۲) "سیرت ابن ہشام" ج ۲، ص ۴۴۱

۴۳) "الفاروق" ص ۸۲ شائع کردہ مکتبہ رحمانیہ لاہور

دولت سے محروم ہو جائے گا۔(۴۴)

حضرت علیؑ بے شک بہادر تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں سوجھ بوجھ اور دور اندیشی کی دولت بھی عطا کر رکھی تھی۔ حضرت علیؑ کبھی بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ اسلام کی وحدت پارہ پارہ ہو۔ اس لیے انہوں نے انتہائی بردباری اور صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا اور اپنے سے پہلے خلفاء کے لیے کسی قسم کی مشکلات پیدا کرنے کی بجائے انہیں سکون سے حکومت کرنے کا موقع فراہم کیا۔

مسئلہ خلافت اور حضرت علیؑ کا موقف

جب مسئلہ خلافت پر اختلاف پیدا ہوا تو حضرت علیؑ نے خود بھی مختلف موقعوں پر اپنے استحقاق کا اظہار کیا اور آپ کو جذباتی قسم کے مشورے بھی دیئے گئے اور جب آپ نے تحمل و بردباری کا مظاہرہ کیا تو آپ کو اشتعال دلانے کی بھی کوشش کی گئی جس کے بارے میں حضرت علیؑ خود نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

فان اقل یقولوا حرص علی الملک و ان اسکت یقولوا جزع من الموت

اگر میں (اپنے حق کے لیے) بولتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیوی سلطنت پر مٹے ہوئے ہیں اور چپ رہتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ موت سے ڈر گئے۔(۴۵)

---

۴۴) ملاحظہ ہو ''خلفائے اربعہ کی ترتیب خلافت میں قدرت و حکمت الٰہی کی کارفرمائی'' ص ۱۹ شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی

۴۵) ''نہج البلاغہ'' خطبہ نمبر ۵' ص ۱۰۴

حضرت علیؑ کو اپنے استحقاق کا کس قدر یقین تھا۔ مصر محقق عباس محمود العقاد اس بارے میں لکھتے ہیں:

یہ معلوم اور مسلم ہے کہ حضرت علیؑ اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ جس دن خلیفہ بنائے گئے حضرت علیؑ اس دن بھی یہی نظریہ رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو جس روز خلیفہ نامزد کیا گیا اس روز بھی ان کی رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اور حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بنائے جانے کے وقت بھی وہ اپنی سابقہ رائے پر ہی قائم تھے۔(۴۶)

حضرت علیؑ نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟

مسئلہ خلافت پر اپنے استحقاق کے باوجود حضرت علیؑ نے کیا طرز عمل اختیار کیا۔ اہل سنت مصنف احمد حسن زیات مصری اس بارے میں لکھتے ہیں کہ

انہوں نے نہ تو خود غرضی سے کام لیا نہ فرقہ بندی کی کوشش کی' نہ موقع کی تلاش میں رہے' نہ جذبہ تعصب کو برانگیختہ کیا' نہ مال و دولت سے للچایا۔ وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ نیک نیتی سے پیش آئے اور حضرت عثمانؓ کو خیر خواہی سے مخلصانہ مشورے دیتے رہے۔(۴۷)

عباس محمود العقاد مصری کے الفاظ ملاحظہ ہوں وہ لکھتے ہیں کہ

---

۴۶) ''علیؑ شخصیت و کردار'' ص ۱۶۸'۱۶۹ ترجمہ منہاج الدین اصلاحی مطبوعہ لاہور

۴۷) ''تاریخ ادب عربی'' ص ۲۱۱ شائع کردہ غلام علی اینڈ سنز ترجمہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی

حضرت علیؑ کو اپنے استحقاق خلافت پر اس قدر یقین تھا مگر اس کے باوجود جب ہم ان کی سیرت کا جائزہ لیتے ہیں تو واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اپنی حق تلفی کا احساس اس قدر غالب نہیں آیا جو عام طور پر انسانوں کو مغلوب کر لیتا ہے۔ (۴۸)

جب سیرت شیخین پر چلنے کی شرط رکھ کر آپ کو خلافت پیش کی گئی تو حضرت علیؑ کا جواب

حضرت علیؑ کو اپنے استحقاق خلافت کا جتنا یقین تھا، وہ علمائے اہلسنت کی زبانی بیان ہو چکا لیکن اس کے باوجود آپ اصولوں پر کس طرح کاربند رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے بعد آپ کو خلافت اس شرط پر پیش کی گئی کہ آپ قرآن وسنت کے ساتھ سیرت شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے قائم کردہ طریقے بھی برقرار رکھیں تو آپ نے قرآن وسنت کے ساتھ کسی اور چیز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ڈاکٹر طہٰ حسین مصری اس بارے میں لکھتے ہیں کہ

> بیعت کے موقع پر عبدالرحمٰن بن عوف جب یہ شرط پیش کر رہے تھے کہ وہ کتاب وسنت پر چلیں گے اور شیخین (حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ) کی اتباع کریں گے اور اس سے سر مو تجاوز نہیں کریں گے تو حضرت علیؑ نے اس شرط کے ماننے سے انکار کر دیا۔ (۴۹)

---

(۴۸) ملاحظہ ہو "علیؑ شخصیت و کردار" ص ۷۰ مطبوعہ لاہور

(۴۹) "حضرت عثمانؓ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں" ص ۱۶۲ مطبوعہ کراچی

علامہ محمد رشید رضا مدیر المنار مصر لکھتے ہیں:

> حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت علیؑ کے سامنے سنت رسول کے ساتھ سنت ابوبکرؓ وعمرؓ کو بھی شرط قرار دیا تھا اور چونکہ حضرت علیؑ کا جواب یقینی نہ تھا۔ انہوں نے اپنے جواب میں حسب استطاعت کی قید لگا دی تھی۔ اس لیے حضرت عبدالرحمٰن نے انہیں خلافت کے لیے ترجیح نہ دی۔ (۵۰)

مولانا محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں:

> حضرت عثمانؓ نے چونکہ شیخین کی پیروی کی وضاحت کی اور علیؑ اس بات کا یقین نہ دلا سکے کہ سنت شیخین کو اپنے لیے حجت ٹھہرائیں گے اس لیے بالاتفاق عثمانؓ ہی کو مسند خلافت کا اہل ٹھہرایا گیا۔ (۵۱)

ہم شیعہ بھی بس یہی کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی پیروی کرتے ہوئے قرآن و سنت کو ہی حجت مانتے ہیں اور سیرت شیخین پر چلنے سے معذوری ظاہر کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں اختلاف کی ابتداء

وفات پیغمبر اکرمؐ کے بعد مسئلہ خلافت پر اختلاف کی وجہ سے حالات جو رخ

---

(۵۰) ملاحظہ ہو "الخلافت والامامت عظمیٰ" ص ۳۷ ترجمہ مولانا عبدالفتح عزیزی شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز وقرآن محل کراچی

(۵۱) ملاحظہ ہو "فکر ابن خلدون" ص ۱۴۴ از مولانا حنیف ندوی طبع لاہور

اختیار کر سکتے تھے۔ حضرت علیؑ کے صبر و تحمل کی وجہ سے اسلام میں فرقہ بندی نمایاں صورت اختیار نہ کر سکی اور حالات بگڑنے سے بچ گئے۔ تاریخ کے طالب جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے آخری سالوں میں لوگ ان کے بہت سارے گورنروں سے نالاں ہو چکے تھے۔ بنوامیہ کے نوخیز گورنروں کی وجہ سے روز بروز لوگوں میں بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ لوگ شکایات لے کر مدینہ آتے لیکن حضرت عثمانؓ کے سیکرٹری مروان کے نامناسب رویے کی وجہ سے لوگوں میں مزید نفرت پیدا ہوتی۔ حالات دن بدن بگڑتے چلے گئے۔ حضرت علیؑ اور دیگر صحابہ کرام نے اصلاح احوال کی پوری کوشش کی۔ حالات درست ہونے کے قریب ہی تھے کہ مروان پھر آڑے آیا اور بقول اہلسنت مورخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی مروان نے عین وقت پر اپنی دریدہ دھنی اور بدلگامی سے بنے بنائے کام کو بگاڑ دیا۔ (۵۲)

بلکہ مروان کی مفسدانہ ذہنیت دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی اہلیہ نے ان سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ

آپ اگر مروان کا کہنا مانیں گے تو وہ آپ کو مار ڈالے گا۔ (۵۳)

حضرت عثمان کی عمر اسی سال میں متجاوز ہو چکی تھی۔ مروان نے ان کے بڑھاپے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں صحیح حالات سے آگاہ ہی نہ کیا یا حضرت عثمانؓ اس پر اعتماد کر بیٹھے جس کا مروان نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ

---

(۵۲) ''تاریخ اسلام'' ج ۱، ص ۶۳ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

(۵۳) ''تاریخ طبری'' حصہ سوم ص ۴۳۷ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

حضرت عثمانؓ مارے گئے اور کئی روز تک لوگ نئے امیر کے لیے مارے مارے پھرتے رہے لیکن کوئی شخص یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔ حضرت علیؑ سے بھی صحابہ کرامؓ نے کئی مرتبہ درخواست کی۔

اسی دوران حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور ابن عمرؓ سے بھی کہا گیا لیکن یہ لوگ تیار نہ ہوئے۔ (۵۴)

حضرت علیؑ کے بارے میں مورخ طبری کے الفاظ ہیں کہ

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مہاجرین و انصار حضرت علیؑ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوتے رہے اور انہیں خلافت قبول کرنے پر آمادہ کرتے رہے حتیٰ کہ ان مہاجرین انصار نے ایک بار یہاں تک کہا کہ خلافت کے بغیر معاملات طے نہیں پاسکتے اور آپ کی ٹال مٹول سے معاملہ طول سے طویل تر ہوتا جارہا ہے۔ (۵۵)

اور جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو تاریخ طبری ہی کے الفاظ ہیں کہ

حضرت علیؑ نے فرمایا جب تم مجھے مجبور کر رہے ہو تو بہتر یہ ہے کہ بیعت مسجد میں ہونی چاہیے تا کہ لوگوں پر میری بیعت مخفی نہ رہے۔ (۵٦)

---

(۵۴) ''شخصیت و کردار'' ص ۷۷ مولفہ عباس محمود العقاد مصری طبع لاہور

(۵۵) ''تاریخ طبری'' حصہ سوم کا دوسرا حصہ ص ۲۴ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

(۵٦) ''تاریخ طبری'' حصہ سوم کا دوسرا حصہ ص ۲۴ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

حضرت علیؓ کی بیعت ہوگئی لیکن بعض بزرگوں کے ذہن میں یہی بات بیٹھی ہوئی تھی کہ بنو ہاشم میں سے ہونے کی وجہ سے اس دفعہ بھی حضرت علیؓ کی بیعت نہیں ہو سکے گی جیسا کہ اہلسنت مصنف عباس محمود العقاد نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ

> یہ سمجھتے تھے کہ قریش منصب خلافت پر کسی ہاشمی کو قابض نہ ہونے دیں گے اور حضرت علیؓ جس طرح حضرت عثمانؓ سے پہلے اس کے قریب نہ بھٹک سکے، اسی طرح ان کے بعد بھی انہیں خلافت کے قریب نہیں آنے دیا جائے گا۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی اس ات کی خواہش مند تھیں کہ خلافت انہیں دو افراد میں سے کسی کو ایک ملے۔ یا پھر ان کا رجحان حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی جانب رہا ہوگا۔ بہرحال المومنین جس کی تائید کر رہی ہوں گی، اسے اپنی کامیابی کی بہت بڑی امید رہی ہوگی۔ (۵۷)

لیکن اب حالات ایسی صورت اختیار کر چکے تھے کہ کوئی شخص تخت خلافت کے قریب آنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ام المومنین حج کے لئے مکہ گئی ہوئی تھیں۔ مکہ سے واپسی پر انہیں حضرت عثمانؓ کے مارے جانے اور حضرت علیؓ کے خلیفہ بننے کی اطلاع ملی، وہاں پر جو گفتگو ہوئی، ہم اس افسوسناک بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ابن خلدون نے اپنی تاریخ حصہ اول میں اسے نقل کیا ہے۔ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں گروہ بندی کب ہوئی؟ ام المومنین مدینہ آنے کی بجائے واپس مکہ

۵۷) "علی شخصیت و کردار" ص ۷۸ مولفہ عباس محمود العقاد مصری مطبوعہ لاہور

چلی گئیں۔ اتنے میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مکہ پہنچ گئے اور باہم فیصلہ یہ ہوا کہ بصرہ جا کر خون عثمانؓ کا مطالبہ کیا جائے۔ یہاں پر سیدھی اور خدا لگتی بات تو یہی ہے کہ ان بزرگوں کو مدینہ آ کر حضرت علیؓ کا ساتھ دینا چاہیے تھا تا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی نشاندھی ہوتی۔ ان کے خلاف شرعی طریقے سے شہادتیں مہیا کی جاتیں اور قاتل اپنے انجام کو پہنچتے۔ افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔

قافلے کی بصرہ کی جانب روانگی اور ملت اسلامیہ کی دو حصے ہونے کی ابتدا

ام المومنینؓ کی سربراہی میں یہ قافلہ جس میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی شامل تھے، بصرہ کی جانب روانہ ہوا۔ یہی وہ بدقسمت گھڑی تھی جب ملت اسلامیہ اعلانیہ طور پر دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ ان گروہوں کو کن کن ناموں سے پکارا گیا، یہ ہم ذرا بعد میں بیان کریں گے۔ پہلے یہ بات کہ اس قافلے کے مکہ سے بصرہ روانگی کے دوران دو واقعات خاص طور پر ایسے رونما ہوئے کہ اگر مروان بن حکم جیسے بنو امیہ کے شر پسند اور مفاد پرست آڑے نہ آجاتے تو ملت اسلامیہ تفرقہ سے بچ جاتی اور آج یہ فرقہ بندی شاید موجود نہ ہوتی۔

ملت اسلامیہ کے تفرقہ سے بچنے کے دو اہم مواقع ضائع ہوگئے

خون حضرت عثمانؓ کا مطالبہ کرنے والوں کا قافلہ مکہ سے بصرہ کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں جب یہ لوگ مر الظہران نامی جگہ میں اترے۔ وہاں پر سعید بن العاص جو حضرت عثمانؓ کے صرف رشتہ دار ہی نہیں تھے بلکہ ان کے محاصرے کے دنوں میں ان کی حویلی میں رہ کر حضرت عثمانؓ کا دفاع کرتے رہے تھے۔ انہوں نے

وہاں کھڑے ہو کر ایک ایسی حقیقت سے پردہ اٹھایا جو ہر انصاف پسند کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ یہ سعید بن العاص ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے جنہوں نے بڑھ چڑھ کر حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی تھی اور اب ان میں سے کافی لوگ بھاگ کر ام المومنینؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ سعید بن العاصؓ یہ بھی سمجھتے تھے کہ ایسے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خون کے مطالبہ سے کوئی غرض نہیں ہو سکتی بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا خلیفہ بن جانا ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ خاندان بنو امیہ کے افراد خصوصاً مروان بن حکم جیسے لوگ بھلا حضرت علیؓ کا خلیفہ بننا کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ چنانچہ یہ سعید بن العاص کھڑے ہو گئے اور لوگوں سے یوں مخاطب ہوئے۔

> اے لوگو! تمہارا دعویٰ ہے کہ تم لوگ حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کے لئے نکلے ہو۔ اگر تم لوگ یہی چاہتے ہو تو قاتلین عثمانؓ انہیں سواریوں کے آگے پیچھے ہیں۔ لہٰذا اپنی تلواروں سے ان پر ٹوٹ پڑو ورنہ اپنے اپنے گھر واپس جاؤ اور مخلوق کی رضامندی میں اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ لوگ قیامت میں تمہارے کچھ کام نہ آسکیں گے۔ (۵۸)

مغیرہ بن شعبہ بھی اصل صورتحال سے آگاہ تھے۔ انہوں نے بھی اٹھ کر سعید بن العاص کی باتوں کی تائید کی لیکن مروان نے کہا کہ ہم ان کو آپس میں لڑا کر ماریں گے۔ یہ سن کر مغیرہ بن شعبہ اس لشکر سے الگ ہو کر اپنے ساتھیوں سمیت طائف

---

۵۸) طبقات ابن سعد'' ج ۵' ص ۵۱ تا ۵۲ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

چلے گئے اور سعید بن العاص بھی ان لوگوں سے الگ ہو کر ساتھیوں سمیت مکہ آ گئے یہاں تک کہ جمل و صفین کا وقت گزر گیا۔ (۵۹)

دوسرا اہم واقعہ اس وقت پیش آیا جب یہ قافلہ بمقام حوأب پہنچا تو وہاں پر ایک چشمہ پر کتوں نے بھونکنا شروع کیا۔ ام المومنینؓ نے پوچھا کہ کونسی جگہ ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ چشمہ حوأب ہے تو ام المومنینؓ نے فوراً کہا کہ مجھے لوٹاؤ۔ لوٹاؤ۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ کیوں؟ ام المومنینؓ نے فرمایا۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ

> ''کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم میں سے کس کو دیکھ کر حوأب کے کتے بھونکیں گے'' یہ کہہ کر حضرت عائشہ نے اونٹ کی گردن پر ہاتھ مارا اور اس کو وہیں بٹھا دیا اور ایک دن اور ایک رات وہیں مقیم رہیں۔ (۶۰)

تاریخ طبری کے الفاظ ہیں کہ جب ام المومنینؓ کو معلوم ہوا کہ یہ چشمہ حوأب ہے تو

> یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے انا اللہ پڑھی۔۔۔ اس کے بعد حضرت عائشہ نے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا۔ (۶۱)

---

۶۹) طبقات ابن سعد ج ۵' ص ۵۲ مطبوعہ کراچی

۷۰) ''تاریخ اسلام'' ج ا' ص ۳۹۰ مولفہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

۷۱) ''تاریخ طبری'' حصہ سوم کا حصہ دوم ص ۹۵ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

کاش ام المومنینؓ کو واپس لوٹنے دیا جاتا لیکن ان کے سامنے جھوٹی شہادتیں دلوائی گئیں کہ یہ چشمہ حوأب نہیں بلکہ کوئی اور جگہ ہے۔ چنانچہ یہ قافلہ آگے چل کر بصرہ پہنچ گیا۔

جنگ سے بچنے کی حضرت علیؑ کی آخری کوشش

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے آخری دم تک کوشش کی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ جنگ شروع ہونے سے پہلے آپ نے اپنے لشکر میں اعلان کیا کہ تم میں سے کون ہے جو قرآن اٹھا کر فریقین کے درمیان کھڑا ہو جائے اور انہیں قرآن پر چلنے کی دعوت دے۔ یہ سن کر ایک جوان کھڑا ہوا اور اس کام کے لئے تیار ہو گیا۔ نامور مورخ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اس جوان سے فرمایا کہ

> یہ قرآن ان کے سامنے پیش کرو اور ان سے کہو کہ یہ قرآن اول سے آخر تک ہمارے اور تمہارے خونوں کا فیصلہ کرے گا۔ مخالفین کے لشکر نے اس نو جوان پر حملہ کر دیا۔ قرآن اس کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے تو اس نے قرآن دانتوں سے تھام لیا حتیٰ کہ یہ نوجوان شہید کر دیا گیا۔ (۶۲)

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے جنگ سے قبل حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی فرداً فرداً سمجھایا اور انہیں پیغمبر اکرمؐ کے بعض فرامین یاد دلائے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے جب حضرت زبیر کو آنحضرتؐ کا ایک فرمان یاد دلایا کہ

> کیا تم کو یاد ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سے فرمایا تھا کہ

> بے شک تم ایک ایسے شخص سے لڑو گے جس پر تم ہی ظلم کرنے والے ہو گے۔ جواب دیا۔ ہاں مجھے یاد ہے۔ اگر تم میری روانگی سے پیشتر مجھے اس بات کو یاد دلا دیتے تو میں ہرگز خروج نہ کرتا اور اب واللہ میں تم سے ہرگز نہ لڑوں گا۔ (۶۳)

اہلسنت مورخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> جنگ شروع ہوتے ہی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ میدان جنگ سے جدا ہو گئے۔ (۶۴)

لیکن یہاں پر پھر مروان نے ایک مذموم حرکت کی اور حضرت طلحہؓ جب میدان سے ہٹ رہے تھے تو بڑھ کر انہیں تیر مارا جو کارگر ثابت ہوا۔ مورخ ابن سعد نے بڑی تفصیل سے یہ سارا واقعہ لکھا ہے۔ (۶۵)

مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ مروان نے حضرت طلحہؓ پر تیر چلانے سے قبل یہ الفاظ کہے تھے کہ

> زبیر لوٹ گئے اب طلحہ بھی لوٹ رہے ہیں۔ ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ (۶۶)

---

۶۳) ''تاریخ ابن خلدون'' ج ۱ ص ۴۹۷ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

۶۴) ''تاریخ اسلام'' ج ۱ ص ۴۰۲ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

۶۵) ''طبقات ابن سعد'' ج ۳ ص ۲۸۷ ترجمہ علامہ عبدالہ عمادی کراچی

۶۶) ''مروج الذہب'' ج ۲ ص ۳۰۴ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

اور جب طلحہ گھوڑے سے گرے تو ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

اللہ کی مرضی پوری ہوئی۔ میں نادم ہوں کہ مجھ سے (ان باغیوں میں شامل ہوکر) غلطی ہوئی۔(۶۷)

باقی رہیں ام المومنین حضرت عائشہؓ تو ان کے بارے میں کتب تواریخ و احادیث میں ملتا ہے کہ جب وہ آیت

وقرن فی بیوتکن

اپنے گھروں میں بیٹھی رہو۔

کی تلاوت کرتیں تو اتنا روتیں کہ ان کا دوپٹہ بھیگ جاتا۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے اپنی شرح مسلم میں ان کے بہت سارے بیانات نقل کئے ہیں مثلاً علامہ ذھبی لکھتے ہیں۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہؓ اپنے بصرہ کے سفر اور جنگ جمل میں حاضری سے مکمل طور پر نادم ہوئیں۔''(۶۸)

جنگ جمل کے ملت اسلامیہ پر اثرات' امت مسلمہ دوگروہوں میں بٹ گئی

جنگ جمل کے ملت اسلامیہ پر بہت گہرے اور دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ سب سے افسوسناک اثر یہ ہوا کہ ملت اسلامیہ میں مستقل طور پر دوگروہ بن گئے۔ باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ کے مقابلے پر جو گروہ آیا اسکی دومرکزی شخصیات

---

۶۷) ''مروج الذھب'' ج۲'ص۳۰۴ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

۶۸) ''سیرت اعلام النبلا'' ج۲'ص۱۷۷ طبع بیروت تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو علامہ غلام رسول سعیدی کی شرح مسلم ج۵'ص۵۸۹تا۵۹۰ طبع لاہور

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو عین میدان جنگ میں احساس ہوگیا اور یہ دونوں بزرگ میدان جنگ سے واپس ہوگئے لیکن اب معاملہ اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ یہ لوگ دوسرے لوگوں کو جنگ نہ کرنے پر آمادہ نہ کرسکے۔ اس جنگ میں بقول مورخ ابن سعد تیرہ ہزار افراد دونوں طرف سے مارے گئے۔ اس طرح شجر اسلام سے وابستہ افراد ذہنی اور فکری طور پر ایک دوسرے سے دور ہوگئے۔ مسلمانوں کے اعلانیہ دوگروہ بن گئے اور دونوں الگ الگ ناموں سے پکارے جانے لگے اس وقت یہ دونوں گروہ جس جس نام سے مشہور ہوئے اب ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

مسلمانوں میں پہلے پہل بننے والے فرقے اور ان کے نام کونسے تھے؟

برادران اہلسنت کے ذہنوں میں پائی جانے والی ایک بہت بڑی غلط فہمی اور اس کی **حقیقت**: لفظ سنی یا اہلسنت والجماعت لفظ ''شیعہ'' کے مقابلے میں وجود میں نہیں آیا۔ بلکہ اہل سنت والجماعت کا لفظ معتزلہ کے مقابلے میں وجود میں آیا۔

اکثر لوگوں اور بالخصوص برادران اہلسنت کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ پہلے سب لوگ اہلسنت فرقہ سے تعلق رکھتے تھے بعد میں شیعوں نے اپنا الگ فرقہ بنالیا حالانکہ یہ انکی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام میں یہ گروہ بندی اس طرح نہیں ہوئی کہ ایک گروہ نے اپنے نام سنی یا اہلسنت رکھ لیا اور دوسرے نے شیعہ۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ لفظ ''شیعہ کے معنی چونکہ گروہ اور پیروکار کے بھی آئے ہیں اس لئے جو لوگ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں خون حضرت عثمان غنیؓ کا مطالبہ لیکر حضرت علیؓ کے مقابلہ پر آئے۔ گوکہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو جنگ سے قبل اور ام المومنینؓ کو جنگ کے بعد اپنے اقدام کا شدت سے احساس ہوگیا تھا لیکن جنگ جمل رونما ہوئی اور مسلمان

دوگروہوں میں بٹ گئے اور یہ گروہ کن ناموں سے پکارے گئے؟ چند علمائے اہلسنت کے بیانات ملاحظہ ہوں۔

علامہ ابن تیمیہ مسلمانوں کی گروہ بندی اور ان کے ناموں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

وکان الناس فی الفتنه صاروا شیعتین شیعةعثمانیة و شیعة علویة

لوگ فتنہ میں دوگروہ ہوگئے ایک شیعہ عثمانیہ اور دوسرے شیعہ علویہ (۶۹)

مولانا لال شاہ دیوبندی مسلمانوں کی گروہ بندی اور ان کے ناموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کتب سیر وتواریخ کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد خلافت (علیؑ) میں خانہ جنگیوں کے دوران امت دوحصوں میں منقسم ہوگئی۔ ایک گروہ شیعیان عثمان کہلاتا تھا۔ دوسرا گروہ شیعیان علی پھر رفتہ رفتہ پہلے گروہ کا نام عثمانیہ پڑگیا اور دوسرے گروہ کا نام شیعہ۔ (۷۰)

کچھ ہی عرصہ بعد ایک تیسرا گروہ وجود میں آیا۔ یہ لوگ خوارج کے نام سے

---

۶۹) ''منہاج السنہ'' ج ۲، ص ۱۴۲

۷۰) ''استخلاف یزید'' ص ۲۰ مولفہ سید لال شاہ دیوبندی خطیب مدنی مسجد واہ کینٹ

مشہور ہوئے اور امت میں تین گروہ بن گئے۔ جنگ جمل کے بعد حضرت علیؑ کے مقابلہ پر معاویہ بن سفیان اپنا گروہ لے کر آگئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت علیؑ شہید ہوگئے۔ ان کے بعد کیا صورت بنی؟

چند علمائے اہلسنت کے بیانات ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا معین الدین احمد ندوی امیر معاویہ کے حالات کے تحت اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں:

ان کے زمانے میں مسلمانوں میں تین سیاسی پارٹیاں تھیں۔

(۱) شیعان علیؑ (۲) شیعان بنوامیہ (۳) خارجی (۷۱)

اہلسنت مورخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں:

''حضرت امیر معاویہ تخت خلافت پر ممکن ہوئے تو عالم اسلام میں عقائد واعمال کے اعتبار سے تین قسم کے لوگ موجود تھے۔ پہلا گروہ شیعیان علیؑ کا تھا۔۔۔دوسرا گروہ شیعیان معاویہؓ یا شیعیان بنوامیہ کا تھا۔۔۔تیسرا گروہ خوارج کا تھا۔ (۷۲)

علامہ حافظ اسلم جیراجپوری اپنی ''تاریخ الامت'' میں لکھتے ہیں:

حافظ اسلم جیراجپوری کے بیان کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ امیر معاویہ کے زمانے میں مسلمانوں میں یہ تین گروہ تھے۔

---

۷۱) ملاحظہ ہو ''تاریخ اسلام'' حصہ اول ص ۳۵۲ شائع کردہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

۷۲) ملخص از ''تاریخ اسلام'' مولفہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی حصہ دوم ص ۴۸۲ تا ۴۸۷ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

۱۔شیعہ بنوامیہ ۲۔شیعہ علی ۳۔خوارج (۷۳)

یہی نہیں بلکہ تقریباً تمام مورخین متفق ہیں کہ شروع میں بننے والے فرقوں میں سے کسی نے اپنا نام ''اہلسنت والجماعت'' نہیں رکھا تھا۔

اس وقت کسی فرقے نے اپنا نام ''اہل سنت والجماعت'' کیوں نہیں رکھا تھا؟

اہل سنت مورخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی عہد بنوامیہ کا ذکر کرتے ہوئے اس سوال کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ

> عہد بنوامیہ میں اگرچہ خارجی اور بعض دوسرے گروہ پیدا ہو گئے تھا لیکن سب کا عمود مذہب اور مدارا استدلال قرآن وحدیث کے سوا کچھ نہ تھا۔ کتاب وسنت کے سوا کسی تیسری چیز کو قاضی نہ سمجھتے تھے۔(۷۴)

جب تمام فرقے قرآن وسنت پر چلنے کے دعویدار تھے تو پھر اس وقت کسی فرقے کا اپنا نام ''اہلسنت والجماعت'' رکھنا واقعی عجیب سی بات تھی۔(۷۵)

---

۷۳) ''تاریخ الامت'' ص ۲۲۱ شائع کردہ دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار لاہور

۷۴) ''تاریخ اسلام'' نجیب آبادی حصہ دوم ص ۳۰۶ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

۷۵) واضح رہے کہ وفات پیغمبر اکرمؐ کے بعد بعض فروع مسائل میں لوگ مختص الرائے بھی تھے مثلاً نماز جنازہ کی تکبیریں حضرت عمرؓ کے دور میں چار مقرر ہوئیں لیکن بعض صحابہؓ پانچ تکبیریں بھی پڑھتے تھے۔ نماز تراویح ۱۴ھ میں باجماعت شروع ہوئی لیکن بعض صحابہ گھر پر پڑھنے کو ثواب سمجھتے تھے۔ طلاق کا جو طریقہ حضرت عمرؓ نے شروع (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

اب ہم عہد بنوامیہ میں پیدا ہونے والے بعض دیگر فرقوں کے احوال بیان کرتے ہیں۔

عہد بنوامیہ میں بننے والے بعض دیگر فرقے:

قبل اس کے کہ ہم یہ بیان کریں کہ ''اہل سنت والجماعت'' کی اصطلاح کب وجود میں آئی اور اس اصطلاح کے وجود میں آنے کا سبب کیا بنا؟ اسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان فرقوں کا ذکر کیا جائے جو ''اہل سنت والجماعت'' کی اصطلاح وجود میں آنے سے قبل عہد بنوامیہ میں ظاہر ہوئے۔ چند نمایاں فرقوں کے عقائد کا مختصر احوال ملاحظہ ہو۔

مرجئہ فرقہ (یعنی غیر جانبدار گروہ):

علامہ احمد امین مصری اس فرقہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کا عقیدہ تھا کہ

> ایمان لے آنے کے بعد آدمی جس قسم کا جی چاہے عقیدہ رکھے اور اپنے عقیدے کے مطابق جس طرح چاہے عمل کرے۔ وہ ٹھیک راستے پر ہے۔ چاہے اس نے حضرت عثمانؓ کی مدد کی ہو یا ان کے خلاف بغاوت کی ہو۔ خواہ حضرت علیؑ کے ساتھ رہا ہو یا امیر معاویہؓ کے ساتھ۔ اس نظریے کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ خلفائے بنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) کروایا اس سے آج تک بعض اہلسنت اختلاف رکھتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سارے مسائل اختلافی تھے البتہ یہ بات درست ہے کہ اختلاف رکھنے والے بھی ان مسائل کو قرآن وسنت سے ثابت کرتے تھے۔ اس اختلاف کی بناء پر اس وقت تک فرقہ بندی نہیں ہوئی تھی۔

امیہ کتنا ہی کبائر کا ارتکاب کرتے رہیں، وہ مومن تھے۔ (۷۶)

بنوامیہ اور اموی حکمرانوں کے بارے میں ان کے خیالات کیسے تھے؟
یہی علامہ امین مصری لکھتے ہیں:

نہ مرجۂ ان کے دشمن تھے اور نہ ان کے خلاف بغاوت کرتے تھے اور نہ ہی ان پر نکتہ چینی کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ عملی طور پر اکثر ان کی تائید بھی کرتے تھے۔ (۷۷)

قدریہ فرقہ:

اس فرقے کے بارے میں علامہ احمد امین مصری لکھتے ہیں کہ

یہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ انسان اپنے ارادے میں آزاد ہے یعنی باالفاظ دیگر انسان کو اپنے اعمال پر پوری قدرت ہے۔ تاریخ میں قدریہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ (۷۸)

جبریہ فرقہ:

اسے جہمیہ فرقہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس فرقہ کی ابتداء جہم بن صفوان نامی شخص سے ہوئی۔ اس کے عقائد قدریہ فرقہ کے برعکس ہیں۔ علامہ احمد امین مصری لکھتے ہیں کہ

جہم بن صفوان کہتا ہے کہ انسان مجبور ہے اسے نہ اختیار حاصل

۷۶،۷۷،۷۸) ”فجر الاسلام“ ص ۳۶۷ ترجمہ مولانا عمر احمد عثمانی شائع کردہ دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار لاہور

ہے نہ قدرت۔ وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس کے خلاف کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔ خدا نے کچھ اعمال اس کے لئے مقدر کر دیئے ہیں جو لامحالہ اس سے صادر ہو کر رہیں گے۔ (۷۹)

معتزلہ فرقہ:

علامہ احمد امین مصری لکھتے ہیں۔

قدریہ اور جہمیہ (یعنی جبریہ فرقہ) دونوں مذاہب دیگر مذاہب میں گھل مل گئے۔ ان کا اپنا کوئی مستقل وجود باقی نہیں رہا۔ ان دونوں کے بعد معتزلہ پیدا ہوئے۔ اکثر معتزلہ کو قدریہ کہہ دیتے ہیں“ پھر تھوڑا آگے لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی مورخین معتزلہ کو جہمیہ (جبریہ فرقہ) بھی کہہ دیتے ہیں۔ (۸۰)

معتزلہ فرقے کا عروج ان کے عقائد۔ حکمرانوں اور عوام الناس میں اس فرقے کی مقبولیت:

اہلسنت دانشور سید قاسم محمود معتزلہ فرقہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

ان کے اعتقادات نے بڑے بڑے دانشوروں کو فلسفیانہ

---

۷۹) ”فجر الاسلام“ ص ۳۵۷ ترجمہ مولانا عمر احمد عثمانی شائع کردہ دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار لاہور

۸۰) ”فجر الاسلام“ ص ۳۶۱ ترجمہ مولانا عمر احمد عثمانی شائع کردہ دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار لاہور

دلائل و مباحث میں الجھایا۔ حکومت وقت کو متاثر کیا۔ آئمہ فقہاء حضرات امام ابوحنیفہؒ۔ امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ کے لئے نہ صرف مشکلات پیدا کیں بلکہ امام حنبلؒ کو مسئلہ خلق قرآن تسلیم نہ کرنے کے جرم میں المناک سزائیں دلوائیں۔(۸۱)

معتزلہ فرقہ کو کتنا عروج حاصل ہوا:

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

> خاندان بنی امیہ میں خلیفہ یزید بن ولید نے یہ مذہب اختیار کیا تھا(۸۲)

اور بقول احمد امین مصری:

> اموی خلیفہ یزید بن ولید اور مروان بن محمد نے مذہب اعتزال قبول کر لیا تھا اور عباسی خلفاء مامون اور معتصم کے دور میں حکومت معتزلہ کی تھی۔(۸۳)

معتزلہ فرقے کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ اللہ کی مخلوق ہے۔ کلام کرنے کے لئے جسم منہ اور زبان نہیں رکھتا۔

۲۔ جو شخص زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرے۔ اس کا ایمان بغیر عمل کئے مکمل ہے۔ ایمان کا تعلق عمل سے نہیں دل سے ہے۔

---

۸۱) ''شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' ص ۱۳۶۸ مطبوعہ کراچی

۸۲) ''علم الکلام اور کلام'' ص ۲۶ مطبوعہ کراچی

۸۳) ''فجر الاسلام'' ص ۳۶۹ تا ۳۷۳

۳۔ انسان اپنے اعمال وافعال کے لئے آخرت میں جواب دہ نہیں کیونکہ انسان اپنے افعال پر مختار مطلق نہیں جو فقط اس کی جوابدہی ہو سکتی ہے۔(۸۴)

خلافت کے بارے میں ان کا نظریہ کیا تھا۔ علامہ احمد امین مصری لکھتے ہیں کہ

> ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ایک صحیح اور شرعی بیعت تھی۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی نص موجود نہیں تھی۔ بلکہ یہ صحابہ نے اپنے اختیار سے کی۔(۸۵)

باقی فروعی مسائل میں ان کا نظریہ کیا تھا؟ مولانا شبلی نعمانی معتزلہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

معتزلہ اکثر حنفی المذہب ہوتے تھے۔(۸۶) لیکن دوسری فقہ کے لوگ بھی معتزلی عقائد رکھتے تھے جیسے ابوالحسن الاشعری مذہباً شافعی تھے لیکن معتزلی عقائد کے بہت بڑے مبلغ تھے۔(۸۷)

لوگ کس طرح دھڑا دھڑ معتزلی عقائد سے متاثر ہو کر انہیں قبول کر رہے تھے۔ اہلسنت کے بہت بڑے محقق سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> عوام الناس معتزلہ کے حسن تقریر، حاضر جوابی اور علمی موشگافی

---

۸۵) ''فجر الاسلام'' ص ۳۷۳

۸۶) ''علم الکلام اور کلام'' ص ۳۳ مطبوعہ کراچی

۸۷) ''شرح عقائد نسفی'' ترجمہ مولانا عبیدالحق فاضل دیوبند ص ۷ طبع کراچی

۸۴) ''شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' ص ۱۳۶۸ مطبوعہ کراچی

سے متاثر ہوتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ظاہر شریعت اور مسلک سلف کی علمی بے توقیری اور اس کی طرف سے بے اعتمادی پیدا ہو رہی تھی۔ خود محدثین اور ان کے تلامذہ کے گروہ میں سے بہت سے لوگ احساس کمتری کا شکار تھے۔(۸۸)

شیخ ابوالحسن الاشعری کا معتزلی مذہب ترک کرنا:

بڑے بڑے علماء معتزلیوں کے پرزور دلائل اور حکومتوں میں ان کے اثر ورسوخ کی وجہ سے ان سے مرعوب ہو چکے تھے۔ ایسے میں بقول علامہ ابوالحسن علی ندوی ایک ایسی شخصیت درکار تھی جس کی دماغی صلاحیتیں معتزلہ سے کہیں بلند ہوں۔(۸۹)

اس دوران ایک واقعہ رونما ہوا۔ امام ابوالحسن الاشعری جو کہ ۲۶۰ھ یا ۲۷۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے چالیس برس تک معتزلیوں کے لیے بڑا کام اور معتزلہ فرقہ کے امام شمار کیے جاتے تھے' ان کا اپنے استاد ابوعلی جبائی سے کسی مسئلہ پر اختلاف ہوگیا۔ استاد انہیں مطمئن نہ کرسکا۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ معتزلی مذہب چھوڑ دیا بلکہ بھرپور انداز میں معتزلیوں کی تردید شروع کردی۔

لفظ ''اہل سنت والجماعت'' کی ابتداء:

معتزلی اپنے عقائد ونظریات عقل سے ثابت کرتے تھے۔ امام ابوالحسن

۸۸) ''تاریخ دعوت وعزیمت'' ج ا ص ۱۰۴ شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی

۸۹) ''تاریخ دعوت وعزیمت'' ج ا ص ۱۰۴ مطبوعہ کراچی

الاشعری نے معتزلہ کا رد سنت رسول پاک سے کرنا شروع کیا اور معتزلہ فرقہ کے مقابلے میں اپنا نام ''اہل سنت والجماعت'' رکھ لیا۔

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

و ترک الاشعری مذهبه و اشتغل هو و من تبعه بابطال رأى معتزله و اثبات ماورد به السنة و مضى عليه الجماعه فسموا اهل سنت و الجماعت

ابوالحسن الاشعری نے اس کا (یعنی اپنے استاد ابوعلی جبائی) کا مذہب چھوڑ دیا اور وہ خود اور ان کے پیروکار معتزلہ عقائد کے ابطال وتردید اور اس کے مقابلے میں جو عقائد سنت سے ثابت ہیں' کے اثبات وتائید کے لیے کمربستہ ہوگئے تو انہوں نے اپنی جماعت کا نام ''اهلسنۃ والجماعت'' رکھ لیا۔(۹۰)

''شرح عقائد نسفی'' کی عبارت مولانا عبدالحق فاضل دیوبند کے ترجمہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ

امام اشعری (جو پہلے معتزلی تھے) اور ان کے متبعین نے علی الاعلان مخالفین خاص کر معتزلہ کا رد سنت رسول ﷺ اور جماعت حقہ کے طریق کا اثبات شروع کیا اور ''اہل السنۃ والجماعت'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔(۹۱)

۹۰) شرح فقہ اکبر ص ۸۸ شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز مولوی مسافر خانہ کراچی

۹۱) شرح عقائد نسفی ص ۱۷ ترجمہ مولانا عبیدالحق دیوبند شائع کردہ قدیمی کتب خانہ کراچی

ابوالحسن الاشعری کی تحریک اشعریہ کے ماننے والوں نے خود کو ''اہلسنت و الجماعت'' قرار دیا اس کے بعد یہ اصطلاح عام ہوگئی۔(۹۲)

مولانا محمد ادریس میرٹھی استاد مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی لکھتے ہیں:

تیسری صدی کے اواخر میں امام ابوالحسن اشعری نے معتزلہ سے علیحدگی اختیار کرکے ان کی سرکوبی کا بیڑا اٹھایا تو انہوں نے اپنی جماعت کا نام اہلسنت والجماعت رکھا اور اس وقت سے اس نام نے اہل حق اور سواداعظم کے لیے ایک شائع ذائع اور مقبول اصطلاح کی شکل اختیار کرلی۔

(ملاحظہ ہو'سنت کا تشریعی مقام ص۴۶ مطبوعہ کراچی)

انہی حقائق کی بناء پر علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ

اہل سنت کا نام جب بولا جائے تو اس سے مراد ابوالحسن اشعری اورابوالمنصو رماتریدی کے پیروکار مراد ہوں گے۔

(ملاحظہ ہو تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان ص۱۷ مطبوعہ لاہور)

نتیجہ بحث:

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ لفظ سنی یا اہل سنت والجماعت کسی زمانے میں بھی لفظ شیعہ کے مقابلے میں وجود میں نہیں آیا بلکہ

---

۹۲) شاہکار اسلامی انسائکلو پیڈیا ص۲۶۵ شائع کردہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی

چوتھی صدی ہجری کے شروع میں پہلے پہل یہ لفظ معتزلہ فرقہ کے مقابلے میں استعمال ہوا۔ معتزلہ فرقہ آہستہ آہستہ ختم ہوگیا جس کے بعد حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی سب نے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہنا شروع کر دیا۔ یہ چاروں فقہ جدا جدا ہیں اب ان میں سے صحیح اہل سنت کہلانے کا مستحق کون ہے؟ یہ سوال بھی تاریخ کے طالب علموں کے لیے غور طلب ہے۔

دوتاریخی غلط فہمیوں کا ازالہ

عبداللہ ابن سبا کی فرضی شخصیت اور شیعوں کے خلاف بے بنیاد پراپیگنڈا

بات آگے بڑھانے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دوانتہائی اہم باتوں کی وضاحت بھی کردی جائے تاکہ بہت سارے برادران اہلسنت کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے جو لوگ دانستہ یا نادانستہ اس غلط اور بے بنیاد پراپیگنڈا کا نہ صرف خود شکار ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی شیعوں کے بارے میں بدظن کرتے رہتے ہیں کہ مذہب شیعہ کسی عبداللہ ابن سبا نامی شخص کی پیداوار ہے۔ ایسے احباب کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ حقائق کا ادراک کریں اور اپنے بزرگ علماء کے بیانات پر غور کریں مثلاً

علامہ ابن خلدون شیعیت کی ابتداء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

سمجھ لو کہ دولت شیعہ کی ابتداء یوں ہوئی ہے کہ بعد از وفات

رسول ﷺ اہلبیت کا خیال یہ ہوا کہ ہم ہی حکومت وفرمانروائی کے مستحق ہیں اور خلافت ہمارے نفوس کے ساتھ مخصوص ہے۔(۱)

پھر لکھتے ہیں:

ایک گروہ صحابہ کا بھی حضرت علیؑ کا ہواخواہ تھا۔ وہ لوگ انہی کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے۔(۲)

پھر احمد امین مصری "فجر الاسلام" میں لکھتے ہیں کہ

شیعیت کا پہلا بیج تو اس جماعت نے بودیا تھا جن کا رسول ﷺ کی وفات کے بعد یہ خیال تھا کہ اہلبیت رسول آپ کی جانشینی کے زیادہ حقدار ہیں۔(۳)

اب یہ عبداللہ ابن سبا والا افسانہ کیسے تراشا گیا جس کی شخصیت کو کئی محققین اہلسنت نے بھی فرضی اور من گھڑت قرار دیا ہے۔

نامور سنی عالم ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری اس بارے میں لکھتے ہیں کہ

اموی اور عباسی دور میں شیعوں کے مخالفین نے عبداللہ بن سبا کے معاملے میں بڑے مبالغہ سے کام لیا تاکہ ایک طرف بعض ان واقعات کو مشکوک قرار دیا جائے جو حضرت عثمانؓ اور ان کے حاکموں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور دوسری طرف حضرت علیؑ اور شیعوں کی برائی کی جائے اور ان کے بعض خیالات کی بنیاد ایک ایسے نومسلم یہودی کی قرار دیا جائے جو مسلمانوں کو فریب دینے کے لیے

(۱،۲) اردو ترجمہ تاریخ "ابن خلدون"، ج ۳، ص ۲۳، ۲۴ مطبوعہ کراچی

(۳) اردو ترجمہ "فجر الاسلام"، ص ۳۳۳ مطبوعہ لاہور

مسلمان بنا تھا۔(۴)

طہٰ حسین مصری کا سادہ لوح مسلمانوں کو پیغام:

ڈاکٹر طہٰ حسین مزید لکھتے ہیں کہ

صدر اسلام کے مسلمانوں کا درجہ ہماری نگاہوں میں اس سے اونچا ہونا چاہیے کہ صنعا سے آنے والا ایک آدمی جس کا باپ یہودی اور ماں حبشن تھی جو خود بھی یہودی تھا پھر خوف یا اخلاص کی بنا پر انہیں بلکہ دھوکہ دہی نے اور مکر پھیلنے کی غرض سے اسلام لایا۔ اس کی یہ مجال ہو کہ وہ ان کے دین ان کی سیاست ان کی عقل اور ان کی حکومت کے ساتھ مذاق کرے۔

آخر میں ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

اس قسم کی باتیں نہ معقول ہیں نہ تنقید کے معیار پر پورا اتر سکتی ہیں اور نہ ایسی باتوں پر تاریخ کی بنیاد ہونی چاہیے۔(۵)

اہلسنت اسکالر ابوزہرہ مصری ایسے ہی حقائق کی وجہ سے عبداللہ ابن سبا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

آج کل اعتدال پسند شیعہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ عبداللہ ابن سبا شیعہ تھا' وہ اسے شیعہ تو کیا مسلمان بھی نہیں مانتے؟

ہم اس بات میں شیعہ کے ہمنوا ہیں اور ان کے اس دعویٰ کی تائید کرتے

۵،۴) ''حضرت عثمانؓ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں'' ص ۱۴۴ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

ہیں۔(۶)

دوسرا الزام: کیا شیعیت ایران کی پیداوار ہے؟

علامہ ابن خلدون اور علامہ احمد امین مصری وغیرہ کے بیانات سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی ہے کہ عبداللہ ابن سبا جیسی خیالی شخصیت کا مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی مذہب شیعہ ایران کی پیداوار ہے بلکہ شیعہ عقیدہ رکھنے والے جلیل القدر صحابہ رسولؐ تھے اور ایران میں شیعیت بہت بعد میں خود عربوں کے ذریعے پہنچی۔ شیعیت ایران میں کیسے پہنچی؟ ایک جید اہلسنت عالم کی زبانی سنئے۔ علامہ ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں۔

فارس اور خراسان اور ان دونوں سے ماوراء دوسرے بلاد اسلام میں ان (شیعہ) علماء اسلام کی ایک بڑی تعداد ہجرت کر کے جو اپنے عقیدے کے مطابق پہلے امویوں کے اور ان کے بعد عباسیوں کے مخالف تھے۔ یہ لوگ ان بلاد کے اندر بہ تعداد کثیر آ آ کر آباد ہوئے ان کا عقیدہ انہیں اس فرار پر مجبور کر رہا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بلاد میں ان کی تعداد یوماً فیوماً بڑھتی رہی۔ سقوط دولت امویہ سے قبل ہی یہاں وہ بہ تعداد کثیر اقامت گزیں ہو چکے تھے۔(۷)

---

۶) ''اسلامی مذاہب'' ص ۷۰ ترجمہ غلام احمد حریری مطبوعہ فیصل آباد

۷) حضرت امام جعفر صادق از ابوزہرہ مصری۔ ص ۵۵۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء

مستشرقین کے بیانات:

مولانا محمد حسین جعفری ممتاز الافاضل لکھنو نے اپنی کتاب ''تاریخ الشیعہ'' کے ص ۳۷۶ پر چند مستشرقین کے درج ذیل بیانات نقل کیے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ مسٹر فلہوزن اپنی کتاب ''الخوارج والشیعہ'' ص ۲۴۱ مطبوعہ ۱۹۵۸ء مستشرق دوزی کی تردید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> تاریخی روایات تو یہ بتاتی ہیں کہ ایران جانے سے قبل شیعیت ملک عرب کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکی تھی اور عہدہ معاویہ میں اہل کوفہ خصوصاً شیعہ تھے اور صرف افراد نہیں بلکہ قبائل اور ان کے سردار شیعی مسلک اختیار کر چکے تھے۔

۲۔ مشہور مستشرق آدم متز اپنی کتاب ''الحضارۃ الاسلامیہ'' ص ۱۰۲ مطبوعہ ۱۹۵۷ء میں تحریر کرتے ہیں:

> جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ مذہب شیعہ ایرانیوں کے اسلام کے خلاف ردعمل کا نتیجہ ہے یہ غلط ہے ایسا نہیں اور ہرگز نہیں کیونکہ ایرانی ابھی شیعیت سے ناآشنا تھے جبکہ جزیرہ عرب پر شیعیت چھا چکی تھی۔ سوا چند بڑے شہروں کہ مکہ، تہامہ، صفا کے تمام جزیرہ عرب شیعہ ہو گیا تھا اور بعض شہروں جیسے عمان، ہجر، صعدہ پر شیعوں کا غلبہ تھا اور ایران ماسوا قم کے سارے کا سارا سنی بلکہ اصفہان والے معاویہ بن سفیان کے شدید محبّ اور غالی عقیدت مند تھے۔

۳۔ متشرق ''جولڈ تسہیر'' اپنی کتاب ''العقیدۃ والشریۃ'' ص ۲۰۴ مطبوعہ ۱۹۴۶ء میں بیان کرتے ہیں:

> یہ کہنا غلط ہے کہ ایرانیوں نے مفتوح و مغلوب ہونے کے بعد جب اسلام قبول کیا تو بطور انتقام اسلام کو کمزور و خراب کرنے کے لیے اپنے خیالات و افکار اسلام میں پیدا کر کے شیعیت تشکیل دی اور اس کی نشوونما ایرانی افکار و احداث کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک وہم ہے جو حوادث تاریخیہ سے بے خبری پر مبنی ہے۔ علوی تحریک یعنی شیعیت زمین عرب میں پیدا ہوئی۔

حضرت عمرؓ کی نظر میں اہل ایران کا مقام:

ایران کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ کی نظر میں اہل ایران کا مقام کتنا بلند تھا؟ مولانا شبلی نعمانی حضرت عمرؓ کی سوانح عمری ''الفاروق'' میں حضرت عمرؓ کا جزیہ کا قانون نافذ کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے گئے جو نوشیرواں نے اپنی حکومت میں قائم کر رکھے تھے۔

پھر علامہ ابن سکویہ کے حوالے سے حضرت عمرؓ کے انتظامات ملکی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حضرت عمرؓ فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے۔ یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ خصوصاً شاہان عجم اور ان میں بھی خاص کر نوشیرواں کے اس لیے کہ ان کو نوشیرواں کا آئین بہت پسند تھا اور وہ ان کی بہت پیروی کرتے تھے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

> علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمرؓ نے اس کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔(۸)

پھر آگے مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

> حضرت عمرؓ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہنے پائے۔انہوں نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔جس کی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا تھا۔(۹)

اگر ایرانیوں میں اسلام دشمنی کی عادت موجود ہوتی تو کیا حضرت عمرؓ انہیں اپنے دربار میں اتنی قریبی جگہ دے سکتے تھے۔حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا دور بھی گزرنے کے بعد امیر معاویہ حکمران بنتے ہیں۔اب ان کے ایرانیوں پر اعتماد کا ایک واقعہ سنئے اور غور کیجئے۔مشہور مستشرق فلپ۔کے۔ہتی۔تاریخ شام میں لکھتے ہیں:

> معاویہؓ نے ۶۴۹ میں عراق میں مزید آبادیوں کو ساحلی میدانی علاقے اور انطاکیہ میں منتقل کیا۔بظاہر مقصد یہی تھا کہ جراجمہ کا مقابلہ کیا جائے اس سے قبل (۶۴۲ء یا ۶۴۳ء میں) ایران سے

(۹٬۸) ''الفاروق'' ص ۳۱۰ شائع کردہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

> بہت سے خاندانوں کو اٹھا کر ان یونانیوں کی جگہ آباد کیا تھا جو اسلامی فتوحات کے باعث ملک چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ایک مقصد یہ بھی تھا کہ بیرنطینیوں کے بحری حملوں کا مقابلہ کیا جائے چنانچہ ایرانی صیدا' بیروت' جلیل' طرابلس' عرقہ' بلبک اور دوسرے شہروں میں آباد ہو گئے۔(۱۰)

ایرانیوں پر حضرت عمرؓ کو جتنا اعتماد تھا وہ بھی مولانا شبلی نعمانی کی زبانی اوپر نقل ہو چکا۔امیر معاویہ انہیں کتنا قابل اعتماد سمجھتے تھے مستشرق فلپ۔کے۔ہتی کے زبانی معلوم ہو چکا کہ امیر معاویہ نے یونانیوں کی جگہ انہیں آباد کیا اور دوسرے مستشرق آدم متز کا بیان ابھی اوپر لکھا گیا ہے کہ اصفہان والے تو معاویہ کے شدید محب اور عالی عقیدت مند تھے۔رہ گئی شیعیت تو وہ ایران میں بہت بعد میں آئی اور خود عرب سے آئی۔

---

(۱۰) ''تاریخ شام'' از فلپ۔کے۔ہتی ترجمہ مولانا غلام رسول مہر ص ۳۶۲ شائع کردہ غلام علی اینڈ سنز مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء اینڈ شو۔

- اصول دین
- توحید
- توحید نہج البلاغہ کی روشنی میں
- عدل
- نبوت
- امامت
- قیامت

اصول دین

توحید

توحید کے بارے میں شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمشیہ رہے گا' بے مثل و بے مثال ہے خالق' مالک' رازق اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ شیخ صدوقؒ متوفی ۳۸۱ھ نے شیعہ عقائد پر مبنی انتہائی جامع رسالہ تحریر فرمایا ہے جو ''اعتقادیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔اس میں تحریر فرماتے ہیں:

> جاننا چاہیے کہ معرفت توحید کے بارے میں ہم شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ واحد و یگانہ ہے کوئی چیز اس کی مثل و مانند نہیں۔ وہ ہمیشہ سے اسی طرح رہا ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا بغیر کانوں کے سنتا ہے اور بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے وہ ایسا حکیم

ہے کہ اس کا کوئی کام عبث نہیں۔ زندہ قائم و دائم عالم وقادر ہے اور ایسا غنی ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔
پھر لکھتے ہیں:

> وہ یک وتنہا اور بے نیاز ہے اس سے کوئی پیدا نہیں ہوا کہ اس کا وارث بن سکے اور نہ وہ خود کسی سے پیدا ہوا ہے تا کہ اس کی ذات و صفات میں شریک ہو سکے نہ اس کا کوئی ہمسر و نظیر ہے۔ نہ اس کی کوئی ضد ہے اور نہ شبیہ نہ تو اس کی کوئی زوجہ ہے نہ کوئی اس کا شریک نہ نظیر و مثیل غرضیکہ وہ ہر حیثیت سے بے مثل اور بے مثال ہے۔۔۔
> اس کی ذات ایسی بلند و بالا ہے کہ انسانی وہم وخیال کی بلند پروازیں بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ وہ اپنے بندوں کے دل و دماغ کے تصورات سے ہر وقت پوری طرح باخبر رہتا ہے اس کو نیند نہیں بلکہ اونگھ بھی نہیں آتی۔ ہر چیز اس کی پیدا کی ہوئی ہے اس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پیدا کرنا اور حکمرانی کرنا اسی کا حق ہے۔ تبارک اللہ رب العالمین جو شخص خداوند عالم کو (اس کی مخلوق سے) تشبیہ دے وہ مشرک ہے اور جو شخص توحید سے متعلق ان عقائد کے علاوہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے کچھ اور غلط عقائد شیعوں کی طرف منسوب کرے۔ وہ جھوٹا اور الزام تراش ہے۔ (۱)

---

۱) ملاحظہ ہو "رسالہ اعتقادیہ" مولفہ شیخ صدوقؒ متوفی ۳۸۱ھ ترجمہ سید منظور حسین بخاری مطبوعہ لاہور

واضح رہے کہ یہ رسالہ اعتقادیہ آج سے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ ہوا لکھا گیا تھا۔ اب چودھویں صدی کے ایک عالم دین کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔
آیت اللہ شیخ محمد رضا المظفر کا رسالہ عقائد امامیہ عراق وایران کے دینی مدارس میں درسی کتاب کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں وہ عقیدہ توحید کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ہمارا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک اکیلا ہے۔ کوئی شے اس کی مثل نہیں وہ قدیم ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہ اول ہے' وہ آخر ہے۔ علیم (جاننے والا) حکیم (حکمت والا) عادل حی سمیع وبصیر (دیکھنے والا) ہے۔ اسے ان صفات کے ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا کہ جن کے ساتھ اس کی مخلوق متصف ہے۔ (۲)

پھر فرماتے ہیں:

> علم وقدرت میں اس کا کوئی نظیر اور خلق ورزق میں اس کا کوئی شریک نہیں اور تمام کمالات میں اس کا کوئی مد مقابل نہیں اور اس طرح تیسری منزل میں واجب ہے کہ عبادت میں اسے واحد مانا جائے۔ لہٰذا اس کے غیر کی عبادت کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ (۳)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید کے بارے میں امام المتقین حضرت علیؑ کے چند جملے بھی نقل کیے جائیں۔ جو آپ نے مختلف مواقع پر ارشاد فرمائے ہیں۔

۲'۳) ملاحظہ ہو "رسالہ عقائد امامیہ" مولفہ شیخ محمد رضا المظفر مطبوعہ لاہور

توحید نہج البلاغہ کی روشنی میں:

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

میں گواہی دیتا ہوں کہ اس اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو یکتا و لاشریک ہے۔ وہ اول ہے اس طرح کہ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں وہ آخر ہے یوں کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ (۴)

دوسرے خطبہ میں فرماتے ہیں:

وہ ہر اول سے پہلے اول ہے اور ہر آخر کے بعد آخر ہے اس کی اولیت کے سبب سے واجب ہے کہ اس سے پہلے کوئی نہ ہو اور اس کے آخر ہونے کی وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بعد کوئی نہ ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (۵)

پھر فرماتے ہیں:

جو کہے اس کی بھی سنتا ہے جو چپ رہے اس کے بھید سے بھی وہ آگاہ ہے جو زندہ ہے اس کا رزق اس کے ذمہ ہے اور جو مر جائے اس کا پلٹنا اسی طرف ہے۔ (۶)

دوسرے خطبہ میں فرماتے ہیں:

وہ بھید چھپانے والوں کی نیتوں' کھسر پھسر کرنے والوں کی

---

۴) ملاحظہ ہو خطبہ نمبر ۸۳ ص ۲۱۰ ترجمہ مفتی جعفر مرحوم حسین مرحوم

۵) خطبہ نمبر ۹۹' ص ۲۵۳

۶) خطبہ نمبر ۱۰۷' ص ۲۶۵

سرگوشیوں مظنون اور بے بنیاد خیالوں' دل میں جمے ہوئے یقینی ارادوں' پلکوں (کے نیچے) کنکھیوں کے اشاروں' دل کی تہوں اور غیب کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی چیز کو جانتا ہے اور ان آوازوں کا سننے والا ہے جن کو کان لگا کر سننے کے لیے کانوں کے سوراخوں کو جھکنا پڑتا ہے۔ (۷)

پھر فرماتے ہیں:

وہ ایسا فرض ہے جسے سوالوں کا پورا کرنا مفلس نہیں بنا سکتا اور گڑ گڑا کر سوال کرنے والوں کا حد سے بڑھا ہوا اصرار بخل پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ (۸)

دوسرے خطبہ میں فرماتے ہیں:

وہ اتنا بلند و برتر ہے کہ کوئی چیز اس سے بلند تر نہیں ہو سکتی اور اتنا قریب سے قریب تر ہے کہ کوئی شے اس سے قریب تر نہیں ہے اور نہ اس کی بلندی نے اسے مخلوق سے دور کر دیا ہے اور نہ اس کے قرب نے اسے دوسروں کی سطح پر لا کر ان کے برابر کر دیا ہے۔ (۹)

توحید کے بارے میں حضرت علیؑ کا کلام بہت زیادہ ہے جو شخص مزید جاننا چاہتا ہے وہ نہج البلاغہ کا مطالعہ کرے۔

۷،۸) خطبہ نمبر ۸۹' ص ۲۳۳' ص ۲۲۲ ترجمہ مفتی جعفر حسینؒ مرحوم

۹) خطبہ نمبر ۴۹' ص ۱۷۱

عدل:

شیعہ امامیہ ''عدل'' کو اصول دین میں شامل سمجھتے ہیں یعنی خداوند عالم کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی اس سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا ہے جسے عقل سلیم برا سمجھے' اسی اعتقاد کا نام ''عدل'' ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کے لیے عقل عطا کی ہے۔ پھر انسان کی ہدایت کے لیے انبیاء بھیجے اپنی کتابیں بھیجیں۔ انسان کو بتایا کہ یہ نیکی کا رستہ ہے اور یہ بدی کا۔ خدا نے بندوں کو کام کرنے اور نہ کرنے میں فاعل مختار بنایا ہے انسان اپنے ارادے سے سب کچھ (نیکی یا بدی) کرسکتا ہے اور اپنی مرضی سے اپنے اعمال بجالاتا ہے یہ ملکہ اختیار بھی اس کی دین اور عطاء ہے۔ خالق کائنات نے بندوں کو پیدا کیا اور انہیں اختیارات دے دیئے۔ البتہ اختیار عام یا کلی اختیار خدا ہی کو حاصل ہے لیکن جزئیات میں ہم بالکل آزاد ہیں۔ پروردگار عالم نہ کسی انسان کو کسی کام کے واسطے مجبور کرتا ہے اور نہ ترک کے لیے بلکہ لوگ نیکی اور بدی کرنے میں اپنی مرضی کرتے ہیں۔ اچھے کام کرنے اور برے کام چھوڑنے کی انسان قدرت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسا کام کرنے کا حکم نہیں دیتا جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے اور جتنے عذاب کے وہ مستحق ہیں وہ انہیں اس سے زیادہ سزا نہیں دے گا۔ (۱۰)

علامہ محمد حسین آل کاشف الغطاء فرماتے ہیں:

---

(۱۰) ملاحظہ ہو ''رسالہ اعتقادیہ'' شیخ صدوقؒ متوفی ۳۸۱ھ اصل الشیعہ و اصولها مولفہ علامہ شیخ محمد حسین کاشف الغطاء عقائد امامیہ مولفہ شیخ محمد رضا المظفر

عدل کا معنی ہے ہر شے کو اپنے موزوں مقام پر رکھنا اور حق دار کو حق پہنچانا عدل مخلوق کے درمیان اللہ کا میزان ہے۔ عدل ہی سے آسمان قائم ہے اور زمین ثابت ہے کیونکہ عادل حکیم نے میزان عدل سے ہی ان کی ایجاد فرمائی ہے۔

پھر لکھتے ہیں:

عدل سلامتی کی سیڑھی اور کرامت کا معراج ہے۔ بخلاف اس کے ظلم قیامت کی تاریکی ہے عدل ملک کی آبادی اور خلق کی امن کا کفیل ہے۔ عدل کمزور حکومتوں کی قوت' ضعیف قوموں کی طاقت' گمنام ممالک کی شہرت' متفرق جماعتوں کی باہمی الفت' خوفزدہ فرقوں کی ہیبت' پس ماندہ قوموں کی علمی خلعت اور وحشی اقوام کی تمدن سے مانوسیت کا واحد ذریعہ ہے اور اس کے مقابلہ میں ظلم خدا اس کو غارت کرے۔ اسلام کی عزت کے بعد ذلت اور عظمت وشہرت کے بعد اس کی خفت کا صرف یہی موجب بنا۔ حضرت داؤد کو زمین کی خلافت عطاء ہوئی تو حکم ہوا کہ لوگوں کے درمیان عدل کے فیصلے کرنا یعنی بادشاہوں پر تمام فرائض سے اہم فریضہ عدل ہے۔

اللہ نے عدل و احسان کا حکم دیا ہے اور فرمایا عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ بلکہ عدل عین تقویٰ اور عین جان ایمان ہے۔ عدل کے ذریعے بارش ایمانی برکتیں لے کر اترتی ہے اور زمین خیرات کے خزانے ظاہر کرتی ہے اسی عدل کی بدولت حیوانات پلتے ہیں' کھیتیاں بڑھتی ہیں' نشوونما میں اضافہ اور اموال میں

زیادتی ہوتی ہے۔(۱۱)

نبوت:

نبوت کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے خدا نے مختلف قوم قبیلوں میں اپنے انبیاء بھیجے۔ ان کا وظیفہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو ان کاموں کا حکم دیں جن میں دنیا اور آخرت میں ان کے لیے بھلائی ہے اور برے اموں سے ان کو روکیں۔ دنیا میں پہلے نبی حضرت آدمؑ اور آخری نبی حضرت محمدﷺ ہیں جو خاتم الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ آپؐ کے بعد جو کوئی نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔

شیخ صدوقؒ فرماتے ہیں:

> تمام انبیاء حق کے ساتھ خداء برحق کی جانب سے تشریف لائے اور ان کا قول خدا کا قول ان کا حکم خدا کا حکم ہے' ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ ان تمام انبیاء نے سوائے خدا کی وحی اور اس کے حکم کے کبھی کوئی حکم اپنی طرف سے نہیں دیا۔ اس تمام گروہ انبیاء میں سے پانچ ایسے نبی ہیں جو سب انبیاء کے سردار ہیں جن پر وحی کا دارومدار ہے۔ وہ اولوالعزم پیغمبر اور صاحب شریعت رسول ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور

۱۱) ملاحظہ ہو "الدین والاسلام" ص ۱۶۸، ۱۶۷ مطبوعہ لاہور

> ختمی مرتبت حضرت محمدﷺ پھر ان تمام میں سے آنحضرتؐ افضل و اشرف اور ان سب کے سردار ہیں۔ آپؐ حق کے ساتھ تشریف لائے اور گذشتہ انبیاء کی تصدیق و تائید فرمائی۔ جن لوگوں نے آنجنابﷺ کی تکذیب کی' وہ دردناک عذاب کا مزہ چکھیں گے اور جو لوگ آنجنابؐ پر ایمان لائے اور ان کا احترام اور ان کی نصرت کی اور ساتھ ساتھ اس نور مقدس کی اتباع بھی کی جو آنحضرتؐ کے ساتھ نازل ہوا تھا تو بس یہی انسان کامیاب ہونے والے اور دستگاری پانے والے ہیں۔(۱۲)

امامت:

شیعہ عقیدہ کی رو سے پیغمبرؐ اسلام کے جانشین بارہ ہیں۔ امامت مفہوم کیا ہے اور یہ کیوں ضروری ہے؟ قرآن وحدیث اس سلسلے میں کیا کہتا ہیں؟ یہ ہم تفصیل سے ذرا بعد میں بیان کرتے ہیں۔

قیامت:

شیعہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ خداوند عالم بروز قیامت تمام لوگوں کو محشور فرمائے گا اور ان کی روحوں کو انکے اصلی بدنوں میں داخل فرمائے گا۔ اس حقیقت کا انکار کرنا یا اس کی کوئی ایسی تاویل کرنا جس سے اس کے ظاہری مفہوم کا انکار ہوتا ہے جیسا کہ بعض ملحدین کہتے ہیں۔ بالاتفاق کفر و الحاد ہے۔ قرآن

۱۲) ملاحظہ ہو رسالہ اعتقادیہ شیخ صدوقؒ متوفی ۳۸۱ھ

- اعلان غدیر خم کے بعد تکمیل دین والی آیت کا نزول
- وفات پیغمبر اکرمؐ کے بعد حضرت علیؑ کی بیعت کیوں نہ کی گئی؟
- کیا سابقہ امتوں میں بھی امام ہوتے تھے اور کیا لوگ انہیں امام بناتے تھے یا وہ خدا کے حکم سے امام بنتے تھے؟
- اہلسنت عالم شاہ اسماعیل شہید کا بیان کہ غیر انبیاء کا تقرر بھی خدا کی طرف سے ہوتا ہے
- کیا سابقہ امتوں میں امامت کا کوئی معیار بھی ہوتا تھا؟
- کیا سابقہ امتوں میں اماموں کے پاس حکومت بھی ہوتی تھی؟
- اللہ تعالیٰ کے نزدیک امامت کا مستحق کون ہے؟
- ''ظالم امام نہیں بن سکتا'' قرآن کا دوٹوک اعلان
- امامت کا مقام اہلسنت کی نظر میں
- قرآن میں امام کی اطاعت کا کس طرح حکم دیا گیا ہے؟
- اولی الامر کے تعین میں شیعہ سنی نقطہ نظر
- کیا حاکم وقت اولی الامر کا مصداق ہوسکتا ہے؟
- کیا اہلسنت نے کسی زمانے میں کسی عالم دین کو اولی الامر تسلیم کیا ہے؟
- شیعوں کو باقی اسلامی فرقوں سے ممتاز کرنے والی چیز اولی الامر کا تعین ہے۔
- آئمہ اہلبیت کا اپنے بعد امت کی راہنمائی کا بندوبست کرنا
- شیعہ فقہاء و مجتہدین کی قدر و منزلت کی وجوہات

امامت

امامت کے بارے میں شیعہ عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ صدوقؒ اپنے رسالہ اعتقادیہ میں فرماتے ہیں:

> جناب رسالتمآبؐ کے بعد تمام مخلوق پر حجت خداوندی بارہ امام ہیں جن میں سے پہلے امام امیر المومنین حضرت علیؑ دوسرے امام حسنؑ تیسرے امام حسینؑ چوتھے امام زین العابدینؑ پانچویں امام محمد باقرؑ چھٹے امام جعفر صادقؑ ساتویں امام موسیٰ کاظمؑ آٹھویں امام علی رضاؑ نویں امام محمد تقیؑ دسویں امام علی نقیؑ گیارہویں امام حسن

رسالہ اعتقادیہ مولفہ شیخ صدوقؒ متوفی ۳۸۱ھ

عسکریؑ اور بارہویں امام مہدیؑ صاحب العصر و الزمان اور خلیفہ رحمٰن ہیں۔(۲)

شیعہ بارہ آئمہ کا عقیدہ کیوں رکھتے ہیں؟

تاریخ کا ہر طالب علم یہ جاننے کا حق رکھتا ہے کہ بارہ اماموں کا نظریہ کیا صرف شیعوں کے ہاں رائج ہے؟

کیا پیغمبر اسلام نے اس سلسلے میں اپنی امت کو کچھ بتایا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ یہ بات شیعہ اپنے پاس سے نہیں کہتے بلکہ پیغمبر اکرمؐ نے اپنی زندگی میں بڑی وضاحت سے فرما دیا تھا کہ میرے بعد میرے جانشین برحق بارہ ہوں گے۔ دین اس وقت تک مستحکم رہے گا جب تک میرے بارہ خلیفہ اور نائب رہیں گے اور اس بات میں شیعہ ہی منفرد نہیں بلکہ برادران اہلسنت کی تمام بڑی بڑی کتب احادیث میں یہ حدیث نہ صرف درج ہے بلکہ علمائے اہل سنت نے اس حدیث کو درست بھی تسلیم کیا ہے۔ صحیح بخاری میں بارہ آئمہ والی حدیث کو امام بخاری نے ان الفاظ میں لکھا ہے:

عن جابر بن سمرہ قال سمعت النبیؐ یقول یکون اثنا عر امیر فقال کلمة لم اسمعها فقال ابی انه قال کلهم من قریش

جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پیغمبرؐ خدا کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد بارہ حاکم ہوں گے اس کے بعد

۲) رسالہ اعتقادیہ مولفہ شیخ صدوقؒ باب ۳۵

آپ نے کوئی فقرہ کہا جس کو میں نہ سن سکا (میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا تو) میرے باپ نے کہا کہ پیغمبرؐ نے یہ فرمایا کہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔(2a)

امام ابوداؤد نے بھی یہ حدیث لکھی ہے سنن ابی داؤد کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

رسول اللہ یقول لا یزال هذا الدین قائما حتی یکون علیکم اثناء عشر خلیفة

رسول پاکؐ فرماتے تھے کہ جب تک تم لوگوں کے اوپر بارہ خلیفہ (امامت کرتے) رہیں گے اس وقت تک یہ دین قائم رہے گا۔(۳)

امام ترمذی نے جو حدیث لکھی ہے اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

قال رسول الله یکون من بعدی اثناء عشر امیراً کلهم من قریش

رسول خدا نے فرمایا: میرے بعد بارہ سردار ہوں اور پیشوا ہوں گے وہ سب قریش ہی سے ہوں گے۔(۴)

اہل سنت کے بہت بڑے مفسر مولانا شبیر احمد عثمانی سورہ المائدہ کی آیت 12 و **بعثنا منهم اثنی عشر نقیبا** (اور مقرر کیے ہم نے ان میں یعنی بنی اسرائیل میں) بارہ سردار کی تفسیر میں بارہ خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

2a) تیسر الباری شرح بخاری ج ۹، ص ۲۶۶ شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

۳) سنن ابی داؤد ج ۳، ص ۳۴۷

۴) جامع ترمذی ج ۱، ص ۸۱۳ ترجمہ مولانا بدیع الزمان مطبوعہ لاہور

جابر بن سمرہ کی ایک حدیث میں نبی کریمؐ نے اس امت کے متعلق بارہ خلفاء کی پیشین گوئی فرمائی۔ ان کا عدد بھی نقبائے بنی اسرائیل کے عدد کے موافق ہے اور مفسرین نے تورات سے نقل کیا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ سے حق تعالیٰ نے فرمایا: میں تیری ذریت سے بارہ سردار پیدا کروں گا۔ غالباً یہ وہی بارہ ہیں جن کا ذکر جابر بن سمرہ کی حدیث میں ہے۔(۵)

شیعوں کو اثناء عشری (یعنی بارہ آئمہ کے پیروکار) یا امامیہ کیوں کہتے ہیں؟

صرف شیعہ کتب سے ہی نہیں بلکہ اہلسنت کی کتب احادیث سے بھی آنحضرتؐ کی یہ پیشین گوئی ان الفاظ سے ثابت ہے کہ جب تک تم لوگوں پر بارہ خلیفہ امامت کرتے رہیں گے اس وقت تک یہ دین قائم رہے گا اس لیے شیعوں نے نبی کریمؐ کی اس حدیث کو اپنے دین اور ایمان کا جزو بنا لیا ہے اور بارہ آئمہ کو ماننے کی وجہ سے شیعوں کو اثناءعشری یعنی بارہ آئمہ کے پیروکار یا امامیہ کہتے ہیں جبکہ باقی اسلامی فرقے اس حدیث کو ماننے کے باوجود آج تک اس بات کا تعین نہیں کر سکے کہ وہ بارہ خلفاء یا نائبین پیغمبر کون ہیں؟

حالانکہ مفسرین اہلسنت تسلیم کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے بارہ خلفاء کا ذکر تورات میں بھی موجود ہے۔

---

۵) تفسیر عثمانی ترجمہ مولانا محمود الحسن ص ۱۴۰ اشائع کردہ مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور
تفسیر ابن کثیر ج ،ص شائع کردہ

بارہ خلفاء کے تعین میں علمائے اہلسنت کی پریشانی:

مسئلہ خلافت پر مسلمانوں میں دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ آج شیعہ کے نام سے مشہور ہے اور دوسرا اہلسنت کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ اہلسنت کہلانے والے شیعوں کے نظریہ امامت پر مختلف قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔ ایک بہت بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ شیعہ جنہیں امام مانتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کے پاس حکومت نہیں رہی اس اعتراض کا جواب تو ہم آگے چل کر دیں گے کہ کیا امامت کے لیے حکومت کا ہونا ضروری ہے اور قرآن سے اس بات کا ثبوت دیں گے کہ سابقہ امتوں میں بھی امام ہوا کرتے تھے۔ ان کے پاس حکومت بھی نہیں ہوتی تھی لیکن پہلے یہ کہ اہلسنت علماء کے لیے آج تک یہ بات معمہ بنی ہوئی ہے کہ آنحضرتؐ نے اس امت کے لیے جن بارہ خلفاء کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ وہ کون کون لوگ ہیں؟ علمائے اہلسنت آج تک متفقہ طور پر وہ بارہ خلفاء پیش نہیں کر سکے۔ ہم چند ذمہ دار علماء کے بیانات نقل کرتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ تاریخ میں پہلے چاروں خلفاء کے بعد امام حسنؑ کو پانچواں خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں:

معاویہ چھٹے خلیفہ ہیں اور ساتویں عمر بن عبدالعزیز ہیں۔
پانچ خلفاء اہلبیت میں سے اولاد علیؑ میں سے ہوں گے۔(۶)

مفسر قرآن مولانا محمد شفیع سابقہ مفتی دارالعلوم دیوبند کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

---

۶) مقدمہ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۷۸ ترجمہ مولانا راغب رحمانی شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

چاروں خلفاء صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم مسلسل ہوئے اور درمیان کی کچھ مدت کے بعد پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز باجماع امت پانچویں خلفیہ برحق مانے گئے۔(۷)

واضح رہے کہ مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۴ھ نے عمر ابن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ لکھا ہے جو کہ بقول ان کے خلافت راشدہ کے تقریباً نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ بعد خلیفہ برحق تسلیم کیے گئے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد تقریباً تیرہ صدیاں گزر گئیں اور بقول ان کے سات خلفاء باقی ہیں۔ وہ کون ہیں اور پیغمبر اسلام کی پیشین گوئی کیسے پوری ہوگی؟ بہتر تھا مفتی صاحب مرحوم جیسی مستند علمی شخصیت اس سوال کا جواب دیتی لیکن وہ مزید کسی خلیفہ کا نام نہیں لکھ سکے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں کافی بحث کے بعد اپنا نظریہ یوں لکھا ہے کہ

> رسول اللہؐ نے جن بارہ خلفاء کی بابت اشارہ فرمایا ہے ان کے نام درج ذیل ہیں: چاروں خلفاء راشدین، امام حسنؑ، حضرت معاویہ، بن زبیر، عمر بن عبدالعزیز یہ آٹھ ہوئے۔ انہیں خلفاء میں المہدی کو بھی شامل کرنا چاہیے کیونکہ عہد عباسی میں یہ ویسے ہی انصاف شعار و عادل ہوئے جیسے بنو امیہ میں عمر بن عبدالعزیز گزرے ہیں۔ دسواں خلفیہ الظاہر کو شمار کیا جائے اس لیے کہ یہ بھی

۷) تفسیر معارف القرآن ج ۳، ص ۸۷ طبع جدید مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی

> عدل و انصاف کا پیکر تھا۔ ان دس کے بعد دو خلفائے منتظر باقی رہے جن میں ایک امام مہدی ہوں گے جو اہل بیت میں سے ہوں گے۔(۸)

واضح رہے کہ یہاں پر تمام علمائے اہل سنت کے بیانات نقل کرنا چونکہ ناممکن ہے اس لیے اب ہم برصغیر کے بزرگ عالم دین مولانا وحید الزمان خان حیدر آبادی نے اس حدیث کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے نقل کرتے ہیں۔ مولانا کا علمی مرتبہ کتنا بلند ہے۔ یہ مفسر قرآن بھی ہیں۔ ان کی بخاری شریف کی مفصل شرح نو ضخیم جلدوں میں کراچی سے چھپ چکی ہے۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم ابی داؤد، ابن ماجہ، نسائی شریف اور موطاء امام مالک کے شارح ہیں۔ ان کی لغات الحدیث نامی حدیث شریف کی مفصل لغت کئی ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے اس کے علاوہ کئی کتب کے مصنف ہیں۔

انہوں نے آئمہ اثنا عشر والی حدیث کی شرح کرتے وقت کئی دفعہ اپنا بیان تبدیل کیا ہے۔ ہر بیان بڑا دلچسپ اور دوسرے سے مختلف ہے۔ مولانا کا پہلا بیان حاشیہ بخاری سے ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں:

> یہ بارہ خلفاء آنحضرتؐ کی امت میں گزر چکے ہیں اور حضرت صدیق سے لے کر اور عمر بن عبدالعزیز تک چودہ حاکم گزرے ہیں۔ ان میں سے دو کا زمانہ انتہائی قلیل رہا ہے۔ ایک معاویہ بن یزید اور دوسرا مروان ان کو نکال ڈالو تو وہی بارہ خلیفہ

۸) تاریخ الخلفاء ص ۲۸ ترجمہ اقبال الدین احمد شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

ہوتے ہیں۔(۹)

سنن ابی داؤد میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اپنے پہلے بیان سے دستبردار ہو جاتے ہیں اور لکھتے ہیں:

بظاہر یہ حدیث مشکل ہوگئی ہے۔ علماء پر کیونکہ چار ہی خلیفے ایسے گزرے ہیں جن سے دین قائم ہوا اور کل یا اکثر امت نے اس پر اتفاق کیا۔ باقی خلفائے عباسیہ اور بنو امیہ تو ظالم اور جابر رہے اگرچہ اکادکا ان میں بھی عادل اور متبع شرع تھے۔(۱۰)

لغات الحدیث میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تیسرا بیان یوں دیتے ہیں کہ

ان خلیفوں کے تعین میں بڑا اختلاف ہے۔ امامیہ نے بارہ آئمہ کو مراد لیا ہے اور اہلسنت کے علماء کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ۔ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ بارہ خلیفہ کون کون تھے؟ بہرحال پانچ خلیفہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور حسنؓ بن علیؓ تو ان بارہ میں تھے۔ اب سات باقی رہے ممکن ہے وہ فاصلہ ساتھ پیدا ہوں اور ان میں سے کچھ گزر گئے ہوں۔ کچھ باقی ہوں۔ امام مھدیؑ سے بارہ کی تعداد پوری ہو جائے گی۔(۱۱)

---

۹) تیسر الباری شرح بخاری ج ۹، ص ۲۶۷ شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

۱۰) سنن ابی داؤد ج ۳، ص ۳۴۷ شائع کردہ

۱۱) لغات الحدیث ج ا، کتاب خ ص ۱۰۸ شائع کردہ میر محمدی کتب خانہ کراچی

لغات الحدیث ہی سے مولانا وحید الزمان کا چوتھا بیان ملاحظہ فرمائیں۔ یہ بارہ خلفاء کون کون سے ہیں؟ لکھتے ہیں:

اہلسنت کے علماء ان میں سے تراش خراش کرتے ہیں اور خلفائے راشدین کے بعد کچھ لوگوں کو بنو امیہ میں سے لیتے ہیں۔ کچھ عباسیہ میں سے جو ذرا اچھے اور عادل گزرے ہیں۔ ہم نے ھدیۃ المھدی میں لکھا ہے کہ ان بارہ امیروں سے آئمہ اثناعشر (بارہ امام) مراد ہیں اور امارت سے دینی پیشوائی اور سرداری مراد ہے نہ کہ حکومت ظاہری۔ واللہ عالم۔(۱۲)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "ھدیۃ المھدی" کی وہ عبارت بھی نقل کی جائے جو مولانا وحید الزمان نے آئمہ اثناعشر کے بارے میں لکھی ہے۔ واضح رہے کہ مولانا کی کتاب "ھدیۃ المھدی" میور پریس دھلی سے ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوئی تھی۔ مولانا وحید الزمان نے اس میں حضرت علیؑ سے لے کر حضرت امام مہدیؑ تک بارہ آئمہ کے نام لکھے ہیں اور بیان کیا ہے کہ اگر ہم ان کے زمانے میں ہوتے تو ان کے ساتھ ہوتے۔ آئمہ اثناعشر کا ذکر کرنے کے بعد مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

ھولاء الائمة الاثناء عشر هم الامراء فی الحقیقه انهتت الیهم خلافة سید المرسلین و ریاسة الدین المتین فهم شموس سماء الایمان و الیقین

یہی بارہ امام ہمارے امام ہیں یہی لوگ امراء ہیں۔ حقیقت

---

۱۲) لغات الحدیث ج ا، کتاب الف ص ۶۱ مطبوعہ کراچی

میں منتہی ہوئی ان کی طرف خلافت رسولؐ خدا کی اور ریاست دین متین کی۔ یہی لوگ آفتاب آسمان یقین ہیں۔ (۱۳)

آخر میں مولانا وحید الزمان خدا کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں کہ

اللھم احشرنا مع ھولاء الائمة الاثناء عشر و ثبتنا علی جھم الی یوم النشر

خداوندا ہمارا حشر نشر کرنا آئمہ اثنا عشر کے ساتھ اور ثابت قدم رکھ ہم کو روز قیامت تک ان کی محبت پر۔ (ھدیۃ المھدی ص ۱۰۲) (۱۴)

گذشتہ صفحات میں ہم نے اہلسنت کی کتب احادیث کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بات یقینی ہوگئی کہ خود پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ میرے برحق نائب بارہ ہیں۔ اب ایک طرف علمائے اہلسنت ہیں جو آج تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکے کہ پیغمبر اکرمؐ کے وہ بارہ نائب کونسے ہیں۔ دوسری طرف شیعہ اس حدیث کی روشنی میں جن بارہ آئمہ کو ہادی و راہنما مانتے ہیں۔ ان کی علمیت' ان کی عظمت وجلالت اور ان کے اتقاء و پرہیزگاری کو دنیا تسلیم کرتی ہے۔ ہم انتہائی اختصار کے ساتھ ان بارہ آئمہ کا تعارف علمائے اہل سنت کی زبانی کرواتے ہیں۔

آئمہ اثناء عشر کا مختصر تعارف

شیعوں نے بعد از وفات پیغمبر اکرمؐ جن بارہ اماموں کو یکے بعد دیگرے اپنا

۱۳، ۱۴) ھدیۃ المھدی ص ۱۰۲ مولفہ مولانا وحید الزمان بحوالہ عقل وتہذیب اہل حدیث ص ۱۲۲ شائع کردہ امامیہ کتب لاہور

ہادی و پیشوا مانا' وہ کوئی ایسی ہستیاں نہیں تھیں جو دنیا میں تشریف لائیں اور گمنامی میں زندگی گزار کر چلی گئیں اور دنیا والوں کو پتہ ہی نہ چل سکا' ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ تو ایسے امام تھے کہ بڑے بڑے عالم اہلسنت نے ان کی علمیت اور ان کی عظمت و بزرگی کا اعتراف کیا ہے۔ یہ ہستیاں اتقاء و پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھیں۔ مشکل سے مشکل دینی مسائل میں لوگ ان سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ باوجود اس کہ واقعہ کربلا کے بعد آئمہ اہل بیت نے صرف دین کی نشر و اشاعت کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی بڑے بڑے جابر حکمران ان سے خوفزدہ رہتے تھے اور اپنے اقتدار کو ان سے خطرہ محسوس ہوتا رہتا تھا۔ شیعوں کے بارہ ائمہ کا مختصر تعارف علمائے اہلسنت کی زبانی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت علی علیہ السّلام:

آپ کو زندگی بھر نبی کریمؐ کی کتنی قربت نصیب رہی؟ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

> حضرت علیؑ بچپن سے رسولؐ اللہ کی آغوش تربیت میں پلے تھے اور جس قدر ان کو آنحضرتؐ کے اقوال وافعال سے مطلع ہونے کا موقع ملتا تھا کسی کو نہیں ملا تھا۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایۃ کیوں ہیں؟ فرمایا کہ میں آنحضرتؐ سے کچھ دریافت کرتا تھا تو آپؐ بتاتے تھے اور جب چپ رہتا تھا تو خود ابتداء کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ذہانت قوت استنباط ملکہ استخراج ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ اعتراف کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا عام قول تھا کہ خدا نہ کرے کوئی مشکل مسئلہ آن

پڑے اور علیؑ موجود نہ ہوں عبد اللہ بن عباسؓ خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہم کو علیؑ کا فتویٰ مل جائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔(۱۵)

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں لوگوں کی نظروں میں حضرت علیؑ کا علمی مرتبہ کتنا بلند تھا؟ علامہ عباس محمود العقاد مصری لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں خود ان حضرات اور دوسرے صحابہ کے لیے ان کے فتاویٰ نظائر کی حیثیت رکھتے تھے۔ شریعت کا شاید ہی کوئی مسئلہ ہو جس میں حضرت علیؑ کی کوئی واضح رائے نہ ہو۔(۱۶)

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آ جاتا تو حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے مشورہ کرتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا تھا: **لو لا علی لھلک عمر**، اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔(۱۷)

مصر عالم و محقق عبد الستار آدم حضرت علیؑ کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ

---

(۱۵) سیرت النعمان ص ۲۱۳ شائع کردہ اسلامی اکادمی لاہور

(۱۶) علیؑ شخصیت و کردار ص ۴۳ مولفہ عباس محمود العقاد مصری ترجمہ منہاج الدین اصلاحی شائع کردہ بستان لاہور

(۱۷) خلفائے راشدین ص ۳۲۸ مولفہ شاہ معین الدین احمد ندوی

حضرت علی کرم اللہ وجھہ کی وہ خوبی جس سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ وہ یہ کہ آپ صاحب فضل و کمال عالم رحمدل اور انصاف پرور قاضی عظیم و رفیع الشان مفتی و فقیہہ تھے۔ دین و فقہ میں آپ کی رائے تمام لوگوں کی آراء پر بھاری ہوتی تھی اسی طرح تمام مشکلات میں آپ مرجع انام تھے کبھی کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ آپ کا ایک لفظ ایسا پیش کرے جو واضح حق کے خلاف ہو۔(۱۸)

یہی مصری محقق و عالم مزید لکھتے ہیں کہ مورخ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات ابن سعد میں حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے ایک روایت بیان کی ہے، جس میں آپ فرماتے ہیں:

اللہ کی قسم قرآن میں کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں اس کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ آیت کس کی شان میں کب اور کہاں اتری ہے۔ بے شک میرے رب نے مجھے سوچنے سمجھنے والا دل اور فصیح البیان زبان عطا فرمائی ہے۔

ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا بتائیے کہ آپ کے ابن عم (علیؑ) کے علم کے مقابلے میں آپ کے علم کی کیا حیثیت ہے؟ جواب دیا وہی حیثیت ہے جو سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ آب کو ہوتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجھہ فقہ تفسیر فتویٰ اور قضا کے سلسلہ میں حجۃ

---

(۱۸) ملاحظہ ہو علی بن ابی طالب المفتی والقاضی ص ۳۶ ترجمہ محمد ناصر قاسمی مطبوعہ لاہور

المسلمین ہیں یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب اپنے علم وشان کے باوجود جب کبھی مشکل دینی مسئلہ میں الجھ جاتے تھے تو حضرت علیؑ سے رجوع کرتے اور مسئلہ حل کراتے تھے۔(۱۹)

دعوت فکر:

ہم نے اپنے محترم قارئین سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ علمائے اہلسنت کی مندرجہ بالا عبارتیں بار بار غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ حضرت علیؑ باقی صحابہؓ سے زیادہ حدیثیں بیان کرنے والے (بقول حضرت عمرؓ) سب سے بڑے قاضی مفتی اور قرآن کے سب سے بڑے عالم۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی بیان کردہ وہ اتنی زیادہ حدیثیں کہاں غائب ہوگئیں اور علمائے اہلسنت نے انہیں اپنی حدیث کی کتابوں میں کیوں جگہ نہیں دی؟ کیا یہ حیرانگی اور افسوس کی بات نہیں کہ بخاری شریف اور مسلم شریف جو اہلسنت کی سب سے بڑی کتب احادیث ہیں ان کی ندرہ ہزار کے لگ بھگ احادیث میں حضرت علیؑ سے کل ۱۳۹ احادیث ہیں (۲۰) اور تیسری صدی ہجری اور اس کے بعد جب اہلسنت حضرت علیؑ کی روایت کردہ صرف ۵۸۶ حدیثیں اکٹھی کر سکے۔ حضرت علیؑ کی روایت کردہ حدیثوں سے یہ سلوک کیا گیا؟ اس کا بہتر جواب تو علمائے اہلسنت ہی دے سکتے ہیں البتہ شیعوں کی کتب احادیث حضرت علیؑ کی زبان سے نکلے ہوئے علم وحکمت کے موتیوں سے لبریز نظر آتی ہیں۔

---

(۱۹) ملاحظہ ہو علی بن ابی طالب المفتی والقاضی ص ۳۶ ترجمہ محمد ناصر قاسمی طبع لاہور

(۲۰) خلفائے راشدین ص ۳۰۶ مولفہ شاہ معین الدین احمد ندوی مطبوعہ کراچی

۲۔ امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام

ان بزرگوں کی ابتدائی تربیت آنحضرتؐ کی آغوش مبارک ہوئی پیغمبر اکرمؐ کی نسل انہی دو شہزادوں سے چلی۔ انہی کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان کا خون میرا خون، ان کا گوشت میرا گوشت، ان سے صلح میرے ساتھ صلح، ان سے جنگ میرے ساتھ جنگ، امام حسنؑ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے بیس حج پیادہ کیے۔

۳۔ امام حسین علیہ السلام

امام حسینؑ کے بارے میں آنحضرتؐ کا فرمان ہے کہ **الحسین منی و انا من الحسین** حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں۔ قصہ مختصر یہ دونوں بزرگوار کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ فرمان پیغمبرؐ کی روشنی میں یہ دونوں شہزادے جوانان جنت کے سردار ہیں۔ انہی کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

الحسنؑ و الحسینؑ امامان قاما او قعدا

حسنؑ و حسینؑ دونوں امام ہیں خواہ جہاد کے لیے کھڑے ہوں یا صلح کر کے بیٹھیں۔

۴۔ امام زین العابدینؑ

امام حسینؑ کے فرزند ہیں اور شیعوں کے چوتھے امام ہیں۔ یہ اپنے زمانے میں کتنی عظمت کے مالک تھے؟ نامور مصری محققین ابوزہرہ مصری اور علامہ شیخ محمد خضری بک آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

زہری نے فرمایا ہے:

میں نے علیؑ بن حسینؑ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا (۲۱) اوران کے یعنی زہری کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ میں نے کسی ہاشمی کو ان سے افضل نہ پایا اور حضرت ابن مسیبؒ کا بیان ہے کہ میں نے ان سے پرہیزگار کسی کو نہ پایا۔ (۲۲)

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

علیؑ بن حسینؑ ثقہ و مامون و کثیر الحدیث اور عالی مرتبہ و بلند پایہ پرہیزگار تھے۔ (۲۳)

حکیم نیاز احمد فاضل دیوبند لکھتے ہیں:

حضرت سجاد اپنے کردار اور اپنی عبادت و ریاضت کی وجہ سے مرجع انام اور مرکز خلائق تھے تلامیذ اور مستفیدین کے لیے مطاع اور منقاد ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے سرمایہ افتخار تھے۔ (۲۴)

بنو مروان باوجود حکومت و اقتدار کے آپ سے کس قدر خائف تھے؟ یہی حکیم نیاز احمد فاضل دیوبند لکھتے ہیں:

آپ پر مدینہ منورہ میں بنو مروان کی کڑی نگرانی تھی وہ ان کو

---

(۲۱) حضرت امام جعفر صادق فقہ واجتہاد ص ۲۲۰ مولفہ ابو زہرہ مصری مطبوعہ لاہور

(۲۲ [illegible] ص ۲۱۴ مطبوعہ کراچی

اپنی سلطنت کے لیے بہت بڑا خطرہ تصور کرتے تھے۔ ان کے متعلق ہمیشہ بے جا خدشات میں گرفتار رہتے تھے۔ (۲۵)

عوام کے دلوں میں آپ کا کتنا مقام تھا؟ اہلسنت محقق سید ابوالحسن علی ندوی عہد اموی کی دینی شخصیتوں کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ان دینی شخصیتوں میں سب سے بااثر اور محبوب شخصیت حضرت علی بن الحسین (زین العابدین علیہ وعلیٰ آباءٍ السّلام) کی تھی جو عبادت و تقویٰ اور زہد و ورع میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ مسلمانوں کو ان کے ساتھ جو تعلق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں طواف کے لیے آیا۔ شدت ہجوم کی وجہ سے وہ حجر اسود تک نہیں پہنچ سکا اور اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ مجمع کچھ کم ہو تو وہ استلام کرے (یعنی حجر اسود کو بوسہ دے) اس درمیان میں حضرت علی بن الحسین آئے ان کا آنا تھا کہ مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا اور انہوں نے بآسانی طواف و استلام کیا۔ وہ جدھر سے گزرتے لوگ احتراماً راستہ چھوڑ دیتے تھے۔ ہشام نے انجان بن کر پوچھا یہ کون ہیں؟ عہد اموی کے مشہور شاعر فرارزق نے برجستہ اشعار میں اس کے تجاہل عارفانہ کا جواب دیا اور ان کا شایان شان تعارف

---

(۲۵) ملاحظہ ہو کتاب امام زہری و امام طبری میں حکیم نیاز احمد فاضل دیوبند کا مضمون ص ۲۰۵، ۲۰۶ شائع کردہ الرحمٰن پبلشنگ کمپنی کراچی

کروایا۔(۲۶)

امام سجادؑ کی عظمت و بزرگی کا اعتراف کرنے کے باوجود اہلسنت محدثین نے شاید گنتی کے چند احادیث ان سے لی ہوں البتہ شیعوں کی کتب امام سجادؑ کی روایتوں سے بھری پڑی ہیں۔ آپ کی دعاؤں کا بے نظیر مجموعہ جو ''صحیفہ سجادیہ'' کے نام سے مشہور ہے جب ایک ہندوستانی طالب علم سید مجتبیٰ حسن کاموںپوری کے ذریعے ماضی قریب میں الازھر کے اساتذہ کے پاس مصر پہنچا تو وہ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے اور علامہ طنطاوی جوہری استاد محمد حسین کامل اور استاد جمعہ ابیوتی نے اس کتاب کی عظمت پر ''ہدیٰ الاسلام'' نامی رسالے میں با قاعدہ مضمون لکھے۔(۲۷)

۵۔ امام محمد باقر علیہ السّلام

شیعہ انہیں اپنا پانچواں امام مانتے ہیں۔ ان کا اپنے زمانے میں کیا مقام و مرتبہ تھا؟

معروف مصری سکالر شیخ محمد خضری بک لکھتے ہیں:

حضرت ابوجعفر محمد بن علی بن حسین جو باقر کے نام سے مشہور تھے اور شیعہ امامیہ کے پانچویں امام تھے۔۔۔اپنے زمانہ میں بنو

(۲۶) تاریخ دعوت وعزیمت حصہ اول ص۳۲ تا ۳۳ مولفہ علامہ سید ابوالحسن علی ندوی شائع کردہ مجلس نشریات السام کراچی استاد احمد حسن زیات مصری نے اپنی کتاب ادب عربی میں ص۲۶۲ تا ۲۶۹ پر یہ قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ قصیدہ کہنے پر شام نے فرارزق کو قید کردیا تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ ادب عربی ص۲۶۱ شائع کردہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

(۲۷) صحیفہ سجادیہ مترجمہ مفتی جعفر حسینؒ میں مصری علماء کے مضامین دیکھے جاسکتے ہیں۔

ہاشم کے سردار تھے۔(۲۸)

علامہ محمد ابن سعد امام محمد باقرؑ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وہ ثقہ اور کثیر العلم والحدیث تھے۔(۲۹)

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔(۳۰)

مصری سکالر محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں:

امام جعفر صادق اور ان کے والد بزرگوار امام محمد باقر ان تمام لوگوں کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہے جنہوں نے اسلام کے خلاف غارت گری کے منصوبے تیار کیے تھے اور مسلمانوں میں الحاد و زندقہ پھیلانے کی سعی کی تھی۔(۳۱)

گویا یہ حضرات صرف دین کی نشر و اشاعت ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے خلاف ہونے والی ہر سازش کا مقابلہ کرکے اسے ناکام کرتے تھے اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ دین الٰہی کا دفاع کرنا ہر امام کی ذمہ داری میں شامل ہے۔

(۲۸) تاریخ فقہ اسلامی ترجمہ مولانا حبیب احمد ہاشمی ص۲۱۶ مطبوعہ کراچی

(۲۹) طبقات ابن سعد ج۵ ص۳۰۲ مطبوعہ کراچی

(۳۰) سیرت نعمان ص۵۳ مطبوعہ لاہور

(۳۱) امام جعفر صادق فقہ و اجتہاد ص۱۹۷ مطبوعہ لاہور

٦۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام

شیعہ انہیں اپنا چھٹا امام مانتے ہیں۔ یہ اپنے زمانے میں کتنے بلند علمی مقام پر فائز تھے اس سلسلے میں اہلسنت محقق استاد ابوزہری مصری علامہ شہرستانی کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ

علم دین میں وہ مرتبہ عالی پر فائز تھے ادب میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ حکمت میں یکتا تھے دنیا سے نفور حب دنیا اور شہوات سے بے تعلق تھے۔ زہد اور ورع ان کی خصوصیت تھی۔ ایک عرصہ دراز تک مدینہ منورہ میں انہوں نے بود و باش رکھی یہاں طالبان علم کشاں کشاں آتے تھے اور فیض یاب ہو کر واپس جاتے تھے۔ وابستگان دامن پر اسرار علوم منکشف کرتے تھے۔ (۳۲)

دوسری جگہ استاد ابوزہری مصری لکھتے ہیں:

ان کی مجلس مدینہ میں اہل علم طالبان حدیث اور طلاب فقہ کا مرکز وحید تھی۔ یہ لوگ تشنہ کام آتے تھے اور ان کے در سے سیراب ہو کر واپس جاتے تھے۔ جس شخص کو ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی وہ ان کے علم اور ان کی شخصیت کا کلمہ پڑھنے لگا۔ ان کے خلق و حکمت اور علم و فضل کی خوشہ چینی پر مجبور ہوگیا۔ (۳۳)

اہلسنت دانشور جناب قاسم محمود اپنے انسائیکلوپیڈیا میں امام جعفر صادقؑ کی

---

(۳۲) امام جعفر صادق فقہ واجتہاد عہد و آراء ص ۸۵ مطبوعہ لاہور اشاعت دوم ۱۹۶۸ء

(۳۳) امام جعفر صادق فقہ واجتہاد عہد و آراء ص ۸۱ مطبوعہ لاہور

شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

آپ کا علم و عمل نوع انسانی کی ہدایت کا باعث تھا۔ آپ صبر و شکر تسلیم و رضا، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کا نمونہ تھے۔ ہر زمانے کے علماء نے آپ کی شخصیت اور پاکیزہ کردار کے بارے میں اپنی اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔

بقول امام نووی لوگ آپ کی امامت وجلالت اور عظمت وسیادت تسلیم کرتے ہیں۔ ابن حجر مکی کے بقول تمام بلاد اسلامیہ میں آپ کے علم و حکمت کا شہرہ تھا۔ (۳۴)

امام ابوحنیفہ نے بھی امام جعفر صادقؑ سے علمی استفادہ کیا لیکن علامہ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا۔ علامہ شبلی نعمانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے و صاحب البیت ادری بما فیھا۔ (۳۵)

ہم اپنے محترم قارئین کو ایک مرتبہ پھر باور کراتے چلیں کہ شیعوں نے انہیں کسی ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر امام نہیں مانا بلکہ پیغمبر اکرمؐ کی بارہ خلفاء والی حدیث ذہن میں رکھ کر فیصلہ کریں کہ انہیں امام تسلیم کرنے کا شیعوں کا فیصلہ کتنا مبنی بر

---

(۳۴) اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۶۲۶ مطبوعہ کراچی

(۳۵) سیرت النعمان ص ۵۳ شائع کردہ اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور

حقیقت ہے۔

۷۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام

شیعوں کے ساتویں امام ہیں۔ اہلسنت عالم علامہ ابن حجر آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم عابد اور سخی تھے۔(۳۶)

علامہ ابن طلحہ شافعی آپ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ

> آپ جلیل القدر امام اور عظیم الشان اور جید مجتہد تھے اور اپنی عبادت کی وجہ سے مشہور تھے۔(۳۷)

قاضی فضل اللہ بن روز بہان جو کہ نامور سنی عالم گزرے ہیں' انہوں نے آپ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

> امام موسیٰ کاظمؑ علائم کرامات اور حسبی نسبی بلندیوں کے حامل ہیں۔ آپ سنت نبوی اور طریقہ مصطفوی کو زندہ کرنے والے اور دین وملت کی علامتوں کو واضح کرنے والے ہیں۔ عرب وعجم پر آپ کی محبت فرض کی گئی ہے۔(۳۸)

آپ کا کام بھی اپنے آباؤ واجداد کی طرح عبادت خداوندی اور تبلیغ دین تھا

---

(۳۶) صواعق محرقہ ص ۲۰۱

(۳۷) مطالب السئول ص ۶۱

(۳۸) وسیلۃ الخادم الی المخدوم در شرح صلوات چہاردہ معصومینؑ ص ۲۳۰ تا ۲۳۴ مطبوعہ ایران

لیکن ہارون جو اس وقت کا حکم تھا' اکثر آپ سے خوفزدہ رہتا تھا۔ علامہ اسلم جیراجپوری اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> وہ جس امیر یا وزیر کی نسبت سنتا تھا کہ آل علیؑ میں کسی کی طرف میلان رکھتا ہے' اس کو سزا دیتا تھا۔ امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق کو مدینہ سے بغداد لا کر خاص اپنی نگرانی میں رکھا تھا۔(۳۹)

ہارون نے امام موسیٰ کاظم کو اپنی نگرانی میں نہیں بلکہ بغداد میں قید رکھا اور اسی قید کے دوران زہر سے آپ کی شہادت ہوئی۔ کافی لوگوں نے آپ سے علمی استفادہ کیا۔ ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں آپ کے کچھ شاگردوں کے نام اور ان کی کتب کی فہرست درج کی ہے اور آپ کے صرف ایک صحابی اور شاگرد حسن بن محبوب سراد کی ۴۲ کتب کے نام ابن ندیم نے گنوائے ہیں۔(۴۰)

۸۔ امام علی رضا علیہ السّلام

اہلسنت عالم مولانا شبلی نعمانی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> حضرت علی رضاؑ ائمہ اثنا عشر میں ہیں اور حضرت موسیٰ کاظمؑ کے خلف الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۴۸ھ میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے نہایت بڑے عالم اور اتقائے روزگار میں سے تھے۔(۴۱)

دوسری جگہ یہی مولانا نعمانی لکھتے ہیں:

---

(۳۹) تاریخ الامت مولفہ حافظ علامہ اسلم جیراجپوری ص ۵۰۰ مطبوعہ لاہور

(۴۰) ملاحظہ ہو فہرست ابن ندیم ص ۵۲۲ شائع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

(۴۱) المامون حصہ اول ص ۸۷ شائع کردہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

اس زمانے میں حضرت علی رضا امام ہشتم موجود تھے۔ جن سے مامون دلی ارادت رکھتا تھا اور چونکہ زہد وتقدس کے علاوہ ان کا فضل وکمال بھی خلافت کے شایان شان تھا۔ مامون نے ان کو ولی عہد سلطنت کرنا چاہا چنانچہ تمام اعیان سلطنت و اراکین دربار کے سامنے اعلان کیا کہ آج دنیا میں جس قدر آل عباس ہیں۔ میں ان کی لیاقت کا صحیح اندازہ کر چکا ہوں۔ نہ ان میں نہ آل نبی میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو استحقاق خلافت میں حضرت علی رضا کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ اس نے تمام حاضرین سے حضرت علی رضا کے لیے بیعت لی۔ (۴۲)

اہلسنت مورخین مفتی زین العابدین میرٹھی و مفتی انتظام اللہ شہابی ولی عہدی کے واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت امام زہد وتقدس کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ ان کا فضل وتقدس بھی خلافت کے شایان شان تھا۔ (۴۳)

امام علی رضاؑ کو ولی عہد مقرر کرنا دراصل مامون کی ایک چال تھی کیونکہ علوی اس وقت کافی طاقتور ہو چکے تھے۔ اہلسنت مورخ علامہ حافظ اسلم جیراجپوری اس بارے میں لکھتے ہیں:

مامون خلیفہ ہوا تو اس نے دیکھا کہ دولت عباسیہ ہر طرف سے

---

۴۲) المامون ص ۷۷ تا ۷۸ شائع کردہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۴۳) ملاحظہ ہو تاریخ ملت ج ۲ ص ۲۲۷ شائع کردہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

علویہ کے خطرات سے بھری ہوئی ہے۔ خود عباسی امراء اور موالی کے دل ان کی طرف مائل ہیں۔ اس وجہ سے اس کو مدارت کرنا پڑی اور اس نے اپنے وزیر فضل بن سہل کے مشورہ سے شیعہ کے امام ہشتم علی رضا کی ولی عہدی کا فرمان لکھا لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ ایک طرف امامیہ خوش ہوئے تو دوسری طرف بنی عباس مخالف ہو گئے اور انہوں نے بغداد میں اس کے خلع کا اعلان کر کے اس کے چچا ابراہیم کو خلیفہ بنا لیا۔ اس ورطہ سے نکلنے کے لیے آخرکار مامون نے حیلہ سے وزیر ابن سہل کو قتل کرایا اور اس کے بعد ہی امام رضا وفات پا گئے جس کا الزام بھی مورخ مامون پر رکھتے ہیں لیکن بجز قرائن کے کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔ (۴۴)

لیکن ہم کہتے ہیں کہ خود مولانا اسلم جیراجپوری کے بیان سے مامون کی نیت ظاہر ہو رہی ہے۔ پہلے علویوں سے حکومت کو خطرہ محسوس کیا تو ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے امام علی رضاؑ کو ولی عہد مقرر کر دیا لیکن جب دوسری طرف سے مخالفت ہوئی تو پہلے ولی عہدی کا مشورہ دینے والے وزیر کو قتل کرایا اور اس کے بعد امام علی رضاؑ کو رستے سے ہٹوا دیا۔ علامہ جلال دین سیوطی نے بڑے معنی خیز انداز میں لکھا ہے کہ

لوگوں نے مامون کے خلاف خروج کیا۔۔۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ مامون عراق کی جانب ضروری کام سے گیا اور علی رضا نے

---

۴۴) تاریخ الامت ص ۵۰۰ شائع کردہ دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار لاہور

۲۰۳ھ میں انتقال کیا۔ مامون نے اہل بغداد کو لکھا علی رضا کا انتقال ہو چکا ہے اب فتنہ وفساد کیوں جاری ہے۔(۴۵)

مولانا شبلی کا بیان بھی قابل غور ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> چونکہ ذوالریاستین (وزیر) اور حضرت علی رضاؑ کی وفات نے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا۔ مامون نے بغداد کے لوگوں کو ایک خط لکھا کہ اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کرسکتےہو۔(۴۶)

خیر ہمارا مقصد تو صرف یہ بتانا تھا کہ یہ امام ہشتم حضرت علی رضاؑ اپنے زمانے میں کس طرح لوگوں کی عقیدت کا مرکز تھے۔ شیعوں نے کسی تعصب یا ضد کی بنا پر انہیں امام نہیں مانا بلکہ خود علمائے اہلسنت ان کے زہد وتقویٰ اور فضل وکمال کو تسلیم کرتے ہیں۔ حکمرانوں کے دل میں ان کا کتنا رعب تھا۔ مامون کو بھرے دربار میں تسلیم کرنا پڑا کہ آج کوئی شخص ایسا موجود نہیں جو استحقاق خلافت میں امام علی رضاؑ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔

۹۔ امام محمد تقی علیہ السلام

شیعوں کے نویں امام ہیں۔ آپ کی شان ومنزلت کے بارے میں اہلسنت عالم ابن طلحہ لکھتے ہیں کہ

> آپ اگرچہ باعتبار سن وسال صغیر تھے مگر قدر ومنزلت کے لحاظ

۴۵) تاریخ الخلفاء ص۲۹۹ ترجمہ اقبال الدین شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

۴۶) سیرت المامون ص۸۷ مطبوعہ کراچی

> سے کبیر تھے اور اپنے والد ماجد کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے۔(۴۷)

مامون نے ایک مرتبہ آپ کا امتحان لینے کے لیے سوال کیا۔ آپ کا برجستہ جواب سن کر وہ بول اٹھا کہ

> انت ابن الرضا حق یعنی آپ واقعی امام رضاؑ کے فرزند ہیں۔(۴۸)

واضح رہے کہ جس وقت مامون نے امام محمد تقی علیہ السلام سے مختلف علوم سے متعلق بہت سارے مشکل سوالات پوچھے تھے اور امام نے تمام سوالات کے شافی جوابات دیئے تھے۔ اس وقت امام ابھی کم سن ہی تھے یحیٰی بن اکثم اپنے وقت کے مشہور عالم اور قاضی تھے۔ ان سے آپ کا ایک مناظرہ مشہور ہے۔ جس میں آپ کی مدلل گفتگو سن کر قاضی مذکورہ کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ آپ عین عالم شباب میں معتصم کے عہد میں زہر سے شہید کیے گئے۔

۱۰۔ امام علی نقی علیہ السلام

اہلسنت مورخ شاہ معین الدین احمد ندوی آپ کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ

> آپ کا پورا نام ابوالحسن علی بن محمد ہے بڑے عابد وزاہد اور متقی بزرگ تھے شیعوں کے دسویں امام ہیں۔(۴۹)

۴۷) مطالب السؤال از ابن طلحہ شافعی

۴۸) صواعق محرقہ ص۲۰۴

۴۹) ملاحظہ ہو حاشیہ تاریخ اسلام ندوی ج۳، ص۲۳۶ شائع کردہ مکتب رحمانیہ لاہور

علامہ حافظ اسلم جیراجپوری "تاریخ الامت" میں لکھتے ہیں:

اس عہد میں فرقہ اثناء عشریہ کے امام علی ہادی بن محمد جواد تھے۔ متوکل نے ان کو سامرا میں خاص اپنی نگرانی میں رکھا تھا۔ وہیں بیس سال رہ کر انہوں نے انتقال کیا۔(۵۰)

آپ کے دور کا مشہور واقعہ اکثر مورخین نے نقل کیا ہے کہ

متوکل کو اطلاع ملی کہ امام علی نقی علیہ السّلام کے گھر شیعیان علیؑ پوشیدہ ہیں اور انہوں نے گھر میں اسلحہ جمع کر رکھا ہے۔ اس نے رات کے وقت آپ کے گھر میں سپاہی بھیجے اور ساتھ ہی امام کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس وقت امام گھر میں تنہا سنگ ریزوں کے فرش پر بیٹھے تھے۔ آنجناب نے بالوں کا کرتہ اور صوف کی چادر اوڑھی ہوئی تھی اور تلاوت قرآن اور دعا میں مشغول تھے۔ سپاہی اسی حالت میں آپ کو دربار میں لے گئے اور تمام واقعہ بیان کیا۔ متوکل عباسی اس وقت شراب نوشی میں مشغول تھا۔ وہ باوجود اتنا جابر و ظالم ہونے کے امام کو دیکھ کر گھبرا گیا اور کھڑا ہوگیا پھر خاموشی توڑنے کے لیے بوکھلاہٹ میں شراب کا جام امام علی نقی علیہ السّلام کی طرف بڑھایا۔ آپ نے فرمایا میرا گوشت اور خون کبھی شراب کی آلائش سے آلودہ نہیں ہوئے۔ مجھے اس سے معاف رکھو۔ متوکل نے کہا اگر شراب نہیں پیتے تو مجھے کچھ شعر سنایئے۔ متوکل

---

۵۰) تاریخ الامت ص۳۹۳ مطبوعہ لاہور

کے اصرار پر امام نے چند عبرت انگیز اشعار سنائے۔ متوکل ان اشعار کو سن کر بہت رویا اور اس کے درباری بھی گریہ و بکا کرنے لگے۔ امام علیہ السّلام اس کے بعد واپس تشریف لے گئے۔(۵۱)

۱۱۔ امام حسن عسکری علیہ السّلام

آپ امام علی نقی علیہ السّلام کے لخت جگر ہیں اور شیعوں کے گیارھویں امام ہیں۔ علامہ ابن صباغ مالکی سنی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

آپ کا اخلاق شریں سیرت نیک اور عادات وخصائل فاضالہ تھے۔(۵۲)

آپ کا عرصہ امامت تقریباً چھ سال ہے اس دوران حکومت کا آپ سے رویہ کیسا رہا اور حکام کس طرح آپ سے خوفزدہ تھے؟ اہلسنت دانشور جناب قاسم محمود اپنے انسائیکلوپیڈیا میں لکھتے ہیں:

آپ اپنی امامت کے تقریباً چھ برسوں کے دوران میں مسلسل حکومت کی نگرانی میں رہے۔ المعتمد نے آپ کو کچھ عرصہ جیل میں ڈالا تھا۔(۵۳)

حکومت وقت نے آپ کو زہر دے کر شہید کروایا اور صواعق محرقہ کے الفاظ ہیں "قیل انه سم" یعنی کہا جاتا ہے کہ آپ کو زہر سے شہید کیا گیا۔(۵۴)

---

۵۱) یہ واقعہ تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ مروج الذھب حصہ چہارم ص۶۰۲ تا ص۶۰۳ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی تاریخ الاسلام شاہ معین الدین احمد ندوی ج ۳، ص ۲۳۶ تا ۲۳۷ تاریخ الامت از علامہ اسلم جیراجپوری ص۳۹۳ پر موجود ہے۔

۵۲) فصول المھمہ ص ۲۶۵

۵۳) اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص۷۹۳ مطبوعہ کراچی

۵۴) ملاحظہ ہو صواعق محرقہ

اہلسنت عالم علامہ ابن صباغ مالکی آپ کے انتقال کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب امام کے انتقال کی خبر مشہور ہوئی تو تمام سامرہ ہل گیا اور غوغہ برپا ہوگیا' بازار سنسان ہوگئے اور دکانیں بند ہوگئیں تمام بنو ہاشم اور ہر شعبہ ہائے زندگی کے لوگ عامہ خلائق ان کے جنازے کو دوڑے۔ سر من رائے اس دن قیامت کا نمونہ تھا۔(۵۵)

۱۲۔ امام مہدی علیہ السّلام

شیعہ انہیں پیغمبر اسلام کا آخری یعنی بارھواں خلیفہ اور امام مانتے ہیں۔ یہ بات شروع ہی سے شیعہ سنی مسلمانوں کے درمیان مسلم چلی آرہی ہے کہ آخر زمانے میں امام مہدی علیہ السّلام کا ظہور ہوگا اور اہلسنت علماء بھی ان کی آمد کے قائل ہیں۔ امام مہدی علیہ السّلام کے بارے میں اہلسنت عالم شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے الفاظ مختصراً ملاحظہ ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

حضرت امام مہدی سید اور اولاد فاطمہؑ زہرا میں سے ہیں۔۔۔ آپ کا چہرہ پیغمبرؐ خدا کے چہرے کے مشابہ ہوگا نیز آپ کے اخلاق پیغمبرؐ خدا سے پوری طرح مشابہت رکھتے ہونگے۔۔۔ آپ کا علم لدنی (خداداد) ہوگا۔(۵۶)

---

(۵۵) فصول المہمہ

(۵۶) شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کا یہ بیان زبدۃ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنی فاضل دیوبند نے کتاب الامام مہدیؑ ص ۶ شائع کردہ مکتب سید احمد شہید اردو بازار لاہور پر نقل کیا ہے

علامہ ابن خلدون امام مہدیؑ کے بارے میں عام مسلمانوں کے عقیدہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تمام مسلمانوں میں ہر زمانے میں پرانے زمانے سے یہ بات مسلم و مشہور چلی آرہی ہے کہ آخری زمانے میں خاندان اہلبیت میں سے ایک شخص کا ظہور ہوگا جو دین کو تقویت پہنچائے گا اور انصاف پھیلائے گا مسلمان اس کے تابع ہونگے اور وہ تمام اسلامی ممالک پر غالب آجائے گا مسلمان اسے ''مہدی'' کہتے ہیں مہدی کے بعد دجّال کا اور قیامت کی دیگر ان شرطوں کا ظہور ہوگا جن کا ثبوت صحیح حدیثوں سے ملتا ہے اور مہدی کے بعد عیسیٰؑ آسمان سے اتریں گے اور نماز میں آپ مہدی کی اقتداء کریں گے اور دجّال کو قتل کریں گے مسلمانوں کا امام مہدی کے بارے میں حدیثوں سے استدلال ہے جن کو ائمہ اپنی اپنی کتابوں میں لائے ہیں۔(۵۷)

شیعہ اپنے اماموں کو معصوم کیوں مانتے ہیں؟

برادران اہلسنت کی طرف سے شیعوں پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ شیعہ اپنے ائمہ کو معصوم مانتے ہیں حالانکہ معصوم صرف انبیاء کرام ہی ہوسکتے ہیں غیر انبیاء معصوم نہیں ہوسکتے یہاں پر بھی ہمارے اہلسنت بھائی اگر تھوڑا سا غور کریں تو انہیں صاف نظر آئے گا کہ شیعوں نے یہ عقیدہ بھی قرآن وحدیث سے لیا ہے اور خود بزرگ علمائے اہل سنت نے تسلیم کیا ہے۔ شاہ اسماعیل شہید دھلوی نے تو اپنی مشہور زمانہ کتاب ''منصب امامت'' میں ''عصمت اولیاء'' کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس کے

ذیل میں لکھتے ہیں:

مقامات ولایت میں سے ایک مقام عظیم عصمت ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عصمت کی حقیقت حفاظت غیبی ہے جو معصوم کے تمام اقوال' افعال' اخلاق' احوال' اعتقادات اور مقامات کو راہ حق کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور حق سے روگردانی کرنے سے مانع ہوتی ہے یہی حفاظت جب انبیاء سے متعلق ہو تو اسے عصمت کہتے ہیں اور جب کسی دوسرے کامل سے متعلق ہو تو اسے حفظ کہتے ہیں پس عصمت اور حفظ حقیقت میں ایک ہی چیز ہیں لیکن ادب کے لحاظ سے عصمت کا اطلاق اولیاء اللہ پر نہیں کرتے۔ حاصل کلام یہ کہ اس مقام میں مقصود یہ ہے کہ یہ حفاظت غیبی جیسا کہ انبیاء کرام کے متعلق ہے ایسا ہی ان کے بعض متبعین کے متعلق ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ان عبادی لیس لک علیہم سلطان و کفی بربک وکیلاً

میرے بندوں پر تو غلبہ نہ پا سکے گا ان کے لیے تیرا پروردگار کافی ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل) (۵۸)

ہم شیعہ کہتے ہیں کہ یہ بات جب خدا نے شیطان سے کہہ دی کہ تو میرے

۵۷) مقدمہ ابن الخلدون حصہ دوم ص ۱۵۷ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

۵۸) منصب امامت ص ۷۷ تا ۷۸ مطبوعہ لاہور

خالص بندوں پر غلبہ نہیں پا سکے گا۔ غیر انبیاء میں سے جن کے بارے میں خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا اس کے اولین مصداق ہمارے ائمہ ہیں۔ ان کی ساری زندگی خدائے رحمٰن کے حکم کے مطابق گزری ہے۔ شیطان ان کی زندگی میں کسی بھی لمحے ان پر غلبہ نہیں پا سکا۔ یہی ان کے معصوم ہونے کا مفہوم و مطلب ہے۔

عصمت ائمہ کے مزید شواہد:

شیعہ حضرت علیؑ اور باقی ائمہ اہل بیت کی عصمت و طہارت کے بارے میں جو احادیث پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ شاہ اسماعیل شہید نے اپنی کتاب "منصب امامت" میں درج کی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا ہے کہ

القرآن مع علی و علی مع القرآن

قرآن علی کے ساتھ اور علی قرآن کے ساتھ ہے۔ (۵۹)

اور فرمایا آنحضرتؐ نے:

انی تاریک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اهل بیتی و لن یفترقا حتی یردا علی الحوض

میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں' ایک تو کتاب اللہ ہے اور دوسرے میرے اہل بیت (عترت) اور یہ دونوں جدا نہیں ہونگے حتیٰ کہ حوض کوثر پر آئیں گے۔ (۶۰)

ہم ہر پڑھے لکھے فرد کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ پیغمبر اسلامؐ کے ان فرامین کو غور

۵۹'۶۰) منصب امامت ص ۷۹ مطبوعہ لاہور

سے پڑھے کہ جب صادق اور امین رسولؐ نے فرمادیا کہ علیؑ اور قرآن جدا نہیں ہونگے یا یہ کہ قیامت تک قرآن اور عترت رسولؐ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے تو پھر اس فرمان پیغمبرؐ کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان کی ساری زندگی قرآن کے مطابق ہے اور جب ان کی ساری زندگی قرآن کے مطابق ہے تو پھر غلطی کا امکان کہاں سے آئے گا۔ یہی مفہوم ہے ان کے معصوم ہونے کا ائمہ اہل بیت نے کس طرح پاکیزہ زندگی بسر کی۔ وہ گذشتہ صفحات میں علمائے اہلسنت کی زبانی ہم لکھ آئے ہیں اور انہیں حقائق کے پیش نظر بعض علمائے اہلسنت نے ائمہ اہل بیت کی معصومیت کو تسلیم کیا ہے۔ اہلسنت کے نامور مولانا وحید الزمان خان حیدر آبادی لکھتے ہیں کہ

> علمائے اہلسنت میں سے صاحب دراسات اللبیب نے ائمہ اثناعشر کی معصومیت کو تسلیم کیا ہے۔(۶۱)

یہ بات فرامین پیغمبر کی روشنی میں پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ آنحضرتؐ کے برحق نائب بارہ ہی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی عصمت کا بیان بھی علمائے اہلسنت کے کلام کی روشنی میں بیان ہو چکا۔ اب ہم امامت کی بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہیں۔

اپنا خلیفہ بنانے میں سابقہ انبیاء کی سنت کیا تھی؟

چونکہ شیعہ سنی کے درمیان بنیادی اختلاف مسئلہ امامت وخلافت پر ہے اس لیے شیعہ علماء نے ہر پہلو سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے پیغمبر اکرمؐ پہلے یا درمیان میں تشریف لانے والے نبی نہیں تھے بلکہ سب سے آخری نبی تھے۔ آپؐ سے پہلے

---

(۶۱) ملاحظہ ہو لغات الحدیث کتاب ب ص ۱۲۵' ج ا' مطبوعہ کراچی

ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء دنیا میں تشریف لا چکے تھے کیا سابقہ انبیاء دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے کسی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا کر جاتے تھے یا یہ فریضہ اپنی اپنی امت کے سپرد کر جاتے تھے کہ بعد میں وہ جسے چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں اس سلسلے میں قرآن مقدس میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی مثال موجود ہے کہ جب انہوں نے حضرت ہارونؑ کو اپنا نائب بنانا چاہا تو بارگاہ احدیت میں جو التجا کی وہ قرآن میں اس طرح آئی ہے کہ

قال رب اشرح لی صدری و یسرلی امری و احلل عقدة من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیراً من اھلی ھٰرون اخی اشدد بہ ازری و اشرکہ فی امری

(طٰہٰ آیت نمبر ۲۵ تا ۳۲)

> (حضرت موسیٰ عرض کرتے ہیں) کہا: میرے پروردگار! (اس کام کے لیے) میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں اور میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر (یعنی مددگار) مقرر فرما یعنی: ''میرے بھائی ہارون کو اس سے میری قوت کو مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک کر''

(ترجمہ مولانا فتح محمد خان جالندھری)

علامہ محمد شفیع سابقہ مفتی دارالعلوم دیوبند نے اپنی تفسیر میں ''جماعتی انتظام کے لیے خلفیہ اور نائب بنانا'' کے زیر عنوان حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ذکر میں بڑی پتے کی بات لکھی ہے وہ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جب ایک مہینے کے لیے اپنی قوم سے الگ ہوکر کوہ طور پر عبادت میں مشغول ہونا چاہا تو ہارون علیہ السّلام کو اپنا خلفیہ اور نائب بنا کر سب کو ہدایت کی کہ میرے پیچھے سب ان کی اطاعت کرنا تا کہ آپس میں اختلاف ونزاع نہ پھوٹ پڑے اس سے معلوم ہوا کہ کسی جماعت یا خاندان کا بڑا اگر کہیں سفر پر جائے تو سنت انبیاء یہ ہے کہ کسی کو اپنا قائم مقام خلیفہ بنا کر جائے جو ان کے نظم وضبط کو قائم رکھے۔(۶۲)

شیعہ بھی یہی بات کہتے ہیں کہ جب آخری نبی دنیا سے اپنا آخری سفر اختیار کریں اور کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کیے بغیر دنیا سے تشریف لے جائیں یہ کسی طرح بھی نہیں ہوسکتا شیعہ عالم سید علی الحائری نے اپنی کتاب ''موعظہ غدیر'' مطبوعہ لاہور کے ص ۴ تا ۱۳ پر حضرت آدم علیہ السّلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تک بہت سارے انبیاء اور اوصیاء کے بارے میں کتب اہلسنت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ وہ دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل اپنا خلیفہ اور وصی خود بنا کر گئے ہیں وہ لکھتے ہیں:

۱۔ حضرت آدمؑ نے اپنے فرزند حضرت شیث ہبۃ اللہ کو اپنا خلیفہ اور وصی مقرر کیا۔

۲۔ حضرت شیث نے اپنے فرزند حضرت انوش کو اپنا خلیفہ اور وصی مقرر کیا۔

۳۔ حضرت انوش نے اپنے بیٹے حضرت قینان کو خلافت ووصایت دی۔

۶۲) ملاحظہ ہو تفسیر معارف القرآن ج ۶، ص ۹ مطبوعہ لاہور

۴۔ حضرت قینان کی بہت ساری اولاد تھی لیکن وصیت جناب مہلائیل کو طرف تھی۔

۵۔ حضرت مہلائیل نے اپنے بیٹے یرد کو اپنا وصی مقرر کیا۔

۶۔ حضرت یرد نے اپنے فرزند حضرت ادریسؑ کو اپنا وصی بنایا جو کہ مشہور پیغمبر ہیں۔

۷۔ حضرت ادریسؑ کے بہت سارے فرزند تھے لیکن آپ نے اپنے بیٹے متوشلح کو اپنی اولاد کے امور میں اور خدا کے امور میں خلیفہ مقرر کیا۔

۸۔ حضرت متوشلح نے اپنے بیٹے حضرت لمک کو اپنا وصی مقرر کیا یہ جناب لمک حضرت نوحؑ کے والد ہیں۔

۹۔ حضرت نوحؑ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت سام کو اپنا وصی مقرر کیا۔

۱۰۔ حضرت ابراہیمؑ نے شام میں حضرت اسحاقؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا حضرت اسماعیلؑ کو عرب میں۔

۱۱۔ حضرت اسماعیلؑ نے اپنے فرزند حضرت قیدار کو اپنا وصی مقرر کیا۔

۱۲۔ حضرت اسحاقؑ نے اپنے فرزند حضرت یعقوبؑ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

۱۳۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنے فرزند حضرت یوسفؑ کو اپنا خلیفہ اور وصی مقرر کیا۔

۱۴۔ حضرت ایوبؑ نے اپنے فرزند حضرت حومل کو اپنا وصی مقرر کیا۔

۱۵۔ حضرت موسیٰؑ نے پہلے حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا لیکن ان کے انتقال کے بعد اپنی وفات سے قبل حضرت یوشعؑ بن نون کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔

۱۶۔ حضرت کالبؑ نے اپنے فرزند حضرت لوساموس کو خود اپنا خلیفہ اور ولی

عہد مقرر کیا۔

۱۷۔ حضرت الیاسؑ نے حضرت الیسعؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔

۱۸۔ حضرت الیسعؑ نے حضرت ذوالکفل کو اپنا خلیفہ اور وصی مقرر کیا۔

۱۹۔ حضرت داؤدؑ نے خود اپنے فرزند حضرت سلیمانؑ کو اپنا خلیفہ اور ولی عہد مقرر کیا۔

۲۰۔ حضرت عیسیٰؑ نے حضرت شمعون کو اپنا خلیفہ اور ولی عہد مقرر کیا۔(۶۳)

یہ تو تھی چند مشہور انبیاء اور اوصیاء کی سنت و طریقہ جن کے بارے میں تاریخ اسلام ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ یہ بزرگوار دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل اپنا اپنا خلیفہ و جانشین خود بنا کر گئے ہیں قبل اس کے کہ ہم پیغمبر اسلام ﷺ کا طرز عمل بیان کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا طریقہ بھی کتب اہلسنت سے تحریر کر دیں کہ یہ تینوں بزرگوار اپنی اپنی زندگی میں ہی اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے بارے میں کس قدر فکر مند تھے اور اپنی زندگی میں ہی یہ لوگ بھی اس بات کا انتظام کر کے گئے کہ ان کے بعد اس امت کا سربراہ کون ہوگا علمائے اہلسنت نے ان بزرگوں کا جو طرز عمل لکھا ہے وہ درج ذیل ہے۔

---

۶۳) نوٹ نمبر ۱ تا ۲۰ کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ کامل ابن اثیر ج ۱ ص ۱۷ تا ۷۴ مطبوعہ ذات التحریر المصر روضۃ الصفا ج ۱ ص ۱۲ تا ۲۶ نولکشور لکھنو۔ واضح رہے کہ علامہ سید علی الحائری مرحوم نے موعظہ غدیر کے ص ۴ تا ۱۳ پر ان کتب کی اصل عبارتیں مع صفحہ نمبر نقل کی ہے۔ ہم نے بخوف طوالت اختصار سے کام لیا ہے۔ جن افراد کی رسائی اصل کتب تک نہ ہوسکتی ہو وہ موعظہ غدیر مطبوعہ لاہور کا مطالعہ کریں ہم نے یہ تفصیل وہیں سے نقل کی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کا اپنی نگرانی میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لیے وصیت تحریر کروانا:

اہلسنت مورخ شاہ معین الدین احمد ندوی حضرت ابوبکرؓ کے آخری وقت کے حالات میں لکھتے ہیں:

> سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی رحلت فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کی وصیت اور عام مسلمانوں کی پسندیدگی سے فاروق اعظم مسند آرائے خلیفہ ہوئے حضرت عمرؓ کے استخلاف کا وصیت نامہ حضرت عثمانؓ ہی کے ہاتھ سے لکھا گیا تھا اس سلسلے میں یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ وصیت نامہ کے دوران کتابت میں کسی خلیفہ کا نام لکھانے سے قبل حضرت ابوبکرؓ پر غشی طاری ہوگئی حضرت عثمانؓ نے اپنی عقل وفراست سے سمجھ کر اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا حضرت ابوبکرؓ کو ہوش آیا تو پوچھا پڑھو کیا لکھا انہوں نے سنانا شروع کیا اور جب حضرت عمرؓ کا نام لیا تو حضرت ابوبکرؓ بے اختیار اللہ اکبر پکار اٹھے اور حضرت عثمانؓ کی فہم وفراست کی بہت تعریف کی۔(۶۴)

غرضیکہ حضرت ابوبکرؓ اپنی زندگی میں ہی اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کا تقرر کر گئے۔

حضرت عمرؓ کی اپنے بعد خلافت کے بارے میں فکر مندی:

حضرت عمرؓ اپنے بعد خلافت اور خلیفہ کے بارے میں اپنی زندگی میں کتنے فکر

---

۶۴) خلفائے راشدین ص ۱۷۹ شائع کردہ ایم۔ ایچ۔ سعید اینڈ کمپنی

مندر ہتے تھے۔

مولانا شبلی نعمانی حضرت عمرؓ کی شہادت کی زیر عنوان لکھتے ہیں:

> حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا اور اکثر سوچا کرتے تھے بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے سوچ رہے ہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں وپیچاں ہیں۔(۶۵)

پھر اپنے آخری وقت میں عبدالرحمٰن بن عوف کی سربراہی میں ایک چھ رکنی کمیٹی بنا کر گئے جس نے خلافت کا فیصلہ کرنا تھا۔

حضرت عثمانؓ کا اپنے بعد خلفیہ کا بندوبست کرنا:

حضرت عثمانؓ بھی اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کے خیال سے غافل نہیں تھے مولانا وحیدالزمان خان شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

> حضرت عثمانؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف کے لیے خلافت لکھ کر اپنے منشی کو دے دی تھی لیکن وہ (یعنی عبدالرحمٰن بن عوف) ۳۲ھ میں گزر گئے۔(۶۶)

برادران اہلسنت کے پہلے تین خلفاء کے علاوہ تقریباً تمام اموی اور عباسی حکمرانوں کا بھی یہی طریقہ رہا کہ وہ اپنی زندگی میں خود اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو بطور ولی عہد نامزد کر دیتے تھے۔

---

۶۵) الفاروق ص ۱۷۸ شائع کردہ مکتب رحمانیہ اردو بازار لاہور

۶۶) تیسر الباری شرح بخاری ج ۵ ص ۶۵ شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

امام کی ذمہ داری ابن خلدون کی نظر میں:

سابقہ انبیاء کی سنت وطریقہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ وہ دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل اپنا خلیفہ نامزد کر کے جاتے تھے۔

ان کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کرنے کی کتنی فکر تھی وہ بھی آپ نے ملاحظہ کیا۔ اس کے علاوہ اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق جو امام یعنی حاکم ہوتا ہے اسے اپنے بعد لوگوں کو انتشار سے بچانے کی کتنی فکر ہوتی ہے ابن خلدون اپنے مشہور زمانہ ''مقدمہ تاریخ'' میں لکھتے ہیں:

> امام قوم کا بہی خواہ مخلص ہمدرد اور محافظ ہوتا ہے جو زندگی کی حالت میں قوم کے مصالح پیش نظر رکھتا ہے اور سوچ سمجھ کر آنے والے حالات کا ایسا انتظام کر جاتا ہے جو اس کی وفات کے بعد ملک وقوم میں انتشار وابتری نہ پیدا ہونے دے چنانچہ وہ اپنی زندگی ہی میں کسی ایسے شخص کو ولی عہد نامزد کر جاتا ہے جو اس کا صحیح جانشین ہونے کی اہلیت رکھتا ہو اور وہی فرائض انجام دے سکتا ہو جو آج تک امام دیتا چلا آیا ہے اور قوم کو بھی اس پر اسی طرح اعتماد ہو جس طرح موجودہ امام پر تھا۔(۶۷)

دعوت فکر، کیا پیغمبر اسلامؐ اپنے بعد امت کو بغیر کسی راہبر کے چھوڑ گئے؟

ہم اپنے محترم قارئین کو یہی دعوت فکر دینا چاہتے ہیں کہ یہ سب اگلے پچھلے

---

۶۷) ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون حصہ دوم ص ۲۱ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

بزرگ تو اپنے بعد لوگوں کے انتشار کے بارے میں اتنے فکر مند ہوں کے بغیر اپنے اپنے خلیفہ کا انتظام کیے دنیا سے نہ جائیں اور جب ان تمام انبیاء کے ہی نہیں بلکہ پوری کائنات کے سردار آخری پیغمبرؐ دنیا سے تشریف لے جائیں تو اپنی امت کو بغیر کسی امام اور راہبر کے یونہی چھوڑ جائیں اس سلسلے میں شیعہ موقف بڑا ٹھوس واضح اور دوٹوک ہے کہ ہمارے پیغمبر بھی سابقہ انبیاء کی طرح اپنی جانشینی کا اعلان اپنی زندگی میں ہی کر گئے تھے جس کی تفصیل ہم ذرا بعد میں بیان کریں گے۔ پہلے ہم برادران اہلسنت کا موقف بیان کرتے ہیں جن کا نظریہ کہ پیغمبر اکرمؐ نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد امت کا راہبر کون ہوگا؟ اس کا تقرر کون کرے گا؟ کیسے کرے گا؟ اس کی اہلیت کیا ہونی چاہیے؟ اہلسنت سکالر مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ انڈیا اس بارے میں لکھتے ہیں:

> قرآن اور حدیث میں اسلامی حکومت کی نوعیت متعین نہیں کی گئی ہمارے رسول اکرم ﷺ نے بھی کوئی واضح ہدایت نہیں دی کہ حکومت کی نوعیت کیا ہو اور اس کے سربراہ کا انتخاب کیسے ہو؟۔(۶۸) پھر مزید لکھتے ہیں:

رسولؐ اللہ نے اپنے بعد جانشین کے انتخاب کی بھی کوئی خاص ہدایت نہیں دی۔(۶۹)

۶۸،۶۹) ملاحظہ ہو مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب ص ۱۲۷ شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی

مورخ ابن خلدون کا بیان ہے کہ

> آنحضرتؐ نے تو اس کو اتنا ضروری بھی نہیں سمجھا کہ اس کے لیے اپنے بعد کسی کا تقرر فرما دیتے۔(۷۰)

اس نظریے کا نتیجہ:

پیغمبر اکرمؐ کی خلافت و جانشینی کے بارے میں مذکورہ بالا نظریے کی وجہ سے جو صورتحال پیدا ہوئی خود علمائے اہلسنت اسے ہی مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب قرار دیتے ہیں مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب میں ''طرز حکومت سے متعلق مسلمانوں کا ذہنی انتشار'' کا عنوان باندھا ہے اس کے تحت لکھتے ہیں:

> مسلمانوں کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ان کے سامنے اسلامی ممالک کا اب تک کوئی واضح تصور نہیں۔(۷۱)

پیغمبر اکرمؐ کے صرف تیس ہی سال بعد جسے برادران اہلسنت خلافت راشدہ کا دورہ کہتے ہیں جو صورت بنی اس کے متعلق مولانا محمد شفیع سابقہ مفتی دارالعلوم دیوبند اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> خلافت راشدہ کے بعد کچھ طوائف الملوکی کا آغاز ہوا مختلف خطوں میں مختلف امیر بنائے گئے ان میں سے کوئی بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جا سکتا ہے۔(۷۲)

۷۰) افکار ابن خلدون ص ۶۲ مولفہ مولانا محمد حنیف ندوی شائع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

۷۱) مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب ص ۱۲۵ مطبوعہ کراچی

۷۲) تفسیر معارف القرآن ج ۱، ص ۱۸۶ مطبوعہ کراچی

اور مولانا وحید الزمان خان مرحوم یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ

> ہمارے زمانے میں مسلمانوں کی وہی بات ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کا کوئی امام نہیں ہے۔ جس کی بالاتفاق وہ اطاعت کریں۔ اس کی بات مانیں ہر فرقہ نے مولوی مرشدوں کو امام بنا رکھا ہے کوئی کسی کی نہیں سنتا۔ (۷۳)

دوسری جگہ یہی مولانا لکھتے ہیں:

> یہ ہمارا وقت ہے کہ مسلمانوں کا کوئی شرعی امام نہیں اور ہر ایک شتر بے مہار کی طرح اپنے ہوائے نفس پر چلتا ہے۔ مولویوں کا یہ حال ہے کہ ایک دوسرے کی تکفیر اور تذلیل کے سوا ان کا کوئی شغل نہیں ہے۔ بجائے اس کے کہ مسلمانوں میں اتفاق کرائیں ان میں پھوٹ ڈالتے ہیں۔ اس وقت گوشہ نشینی اور عزلت گزینی اور سب فرقوں سے الگ رہنا بہتر ہے۔ (۷۴)

تصویر کا دوسرا رخ، پیغمبر اکرمؐ کی خلافت و جانشینی کے بارے میں شیعہ نقطہ نظر

پیغمبر اسلامؐ نے اپنے خلیفہ اور وصی کا اعلان پہلی دعوت اسلام میں ہی کر دیا تھا

آنحضرتؐ کی خلافت و جانشینی کے متعلق سنی نقطہ نظر معلوم ہو گیا کہ اس بارے میں پیغمبر اسلامؐ نے کوئی واضح ہدایات نہیں دیں کہ حکومت کی نوعیت کیا ہو اور سربراہ حکومت کا انتخاب کیسے ہو اس کے مقابلے میں شیعہ نقطہ نظر یہ ہے کہ جس طرح

۷۳) ملاحظہ ہو تیسیر الباری شرح بخاری ج ۹، ص ۱۴۹ مطبوعہ کراچی

۷۴) لغات الحدیث ج ۱، کتاب ج ص ۹۶ مطبوعہ کراچی

سابقہ انبیاء دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل خود اپنے جانشین اور اپنے وصی و خلیفہ کا اعلان کر کے جاتے تھے اسی طرح آنحضرتؐ نے بھی اپنی زندگی میں ہی حضرت علیؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا تھا اور شیعہ محض قیاس آرائیوں سے حضرت علیؑ کی امامت و خلافت ثابت نہیں کرتے بلکہ تاریخ و حدیث سے بالکل واضح طور پر حضرت علیؑ کا خلیفہ اور وصی رسولؐ ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس پر مستزاد اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ حکم آیہ تبلیغ کی صورت میں سورہ مائدہ میں موجود ہے۔ جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے لیکن ابتداء ہم آنحضرتؐ کی سب سے پہلی اعلانیہ دعوت اسلام سے کرتے ہیں جسے ''دعوت ذوالعشیرہ'' کا نام دیا جاتا ہے اس میں آنحضرتؐ نے تمام حاضرین کے سامنے ارشاد فرمایا کہ

> **و قد امرنی اللہ تعالیٰ ان ادعوا کم الیہ فایکم یوا ذرنی علیٰ ھذا الامر علی ان یکون اخی و وصی و خلیفتی**
>
> خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس بھلائی کی دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس سلسلے میں میرا بوجھ بٹانے کے لیے آمادہ ہوتا ہے تا کہ وہ میرا بھائی بنے میرا وصی اور تم میں میرا جانشین ہو۔ (۷۵)

یہ سن کر سب لوگ خاموش رہے صرف حضرت علیؑ جو عمر میں سب سے چھوٹے تھے کھڑے ہو گئے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ میں اس کام کے لیے حاضر ہوں آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

> **ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوا**

۷۵) ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۱، ص ۸۹ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

یہ میرا بھائی میرا وصی ہے اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ تم اس کی بات سنو اور جو کہے اسے بجالاؤ۔ (۷۶)

یہ تو تھی پہلی دعوت اسلام جو عام مجمع میں دی گئی اب پیغمبر اکرمؐ کی زندگی کی آخری ایام کا اعلان بھی سن لیں جسے اہلسنت کے بہت سارے محدثین اور مفسرین نے اپنی کتب احادیث و تفاسیر میں نقل کیا ہے۔ ۱۰ھ میں آنحضرتؐ نے اپنی زندگی کا آخری حج ادا فرمایا حج سے واپسی پر آپ غدیر خم نامی جگہ پر پہنچے یہاں سے حاجیوں کے راستے جدا جدا ہوتے ہیں اور مختلف ممالک کو راستے جاتے ہیں۔ اس مقام پر حضرت جبرائیل پیغام الٰہی لے کر حاضر ہوئے اس وقت جو حکم نازل ہوا اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته و الله یعصمک من الناس

(المائدہ آیت نمبر ۶۷)

اے پیغمبرؐ! تیرے پروردگار کی طرف سے جو تجھ پر اترا وہ لوگوں کو (بے کھٹکے) پہنچا دو (سنا دے) اگر تو ایسا نہ کرے تو گویا تو نے اللہ کا پیغام (بالکل) نہیں پہنچایا اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بچالے گا۔

(ترجمہ مولانا وحید الزمان)

انتہائی قابل غور امر یہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے نماز روزہ

---

(۷۶) ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج۱ ص۸۹ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی
(نوٹ: ہم نے اردو ترجمہ کے ساتھ تاریخ طبری کی اصل عبارت بھی نقل کر دی ہے۔)

حج زکوٰۃ وغیرہ فرض ہو چکے تھے۔ اب وہ کونسا اہم کام باقی تھا کہ جس کے لیے خداوند متعال کی طرف سے اتنا تاکیدی حکم نازل ہوا اور عوام الناس کو اس حکم کی اہمیت جتلانے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ سے یہ فرما رہے ہیں کہ "**وان لم تفعل فما بلغت رسالته**" یعنی اگر تم نے (اے رسولؐ) یہ بات لوگوں تک نہ پہنچائی تو تم نے رسالت کا کوئی کام بھی سرانجام نہیں دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ "**والله یعصمک من الناس**" یعنی خدا تمہیں لوگوں (کی مخالفت) سے محفوظ رکھے گا۔ گویا یہ ایسا حکم تھا جس کے سنانے سے لوگوں کی مخالفت کا بھی اندیشہ تھا۔

اہلسنت عالم مولانا عبید اللہ امرتسری لکھتے ہیں: سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۶۷ "**یا ایھا الرسول بلغ ما انزل**" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت کہ "اے رسول پہنچا دے اس چیز کو جو نازل ہوئی ہے تیری طرف تیرے رب سے" غدیر خم کے روز نازل ہوئی ہے امام ابوالحسن واحدی نے کتاب اسباب نزول میں اس کو روایت کیا ہے اور ابوعبداللہ محمد بن یوسف الکنجی الشافعی اپنی کتاب مسمی کفایۃ الطالب میں لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین النووی علیہ الرحمۃ نے بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے اور ابوبکر بن مردویہ کہتے ہیں کہ یہ آیت جناب امیر علیہ السلام کے ولایت کے بیان میں نازل ہوئی ہے۔

(اخرجہ بن ابی حاتم وابونعیم فی کتاب مانزل من القرآن فی علی)

پھر عبداللہ بن مسعود کی راویت لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ ابن

مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم عہد رسالت میں اس آیت کو حضرت علیؑ کی ولایت کی بابت ہی پڑھا کرتے تھے۔

اخرجه الواحدی فی تفسیره و الرازی فی التفسیره الکبیره و نظاما لرعرج فی تفسیر النبا بوری و الحافظ ابن کثیر و ابو نعیم فی الحلیة و ابن مردویة و عینی فی شرح البخاری و السیوطی فی الدار المنشور

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت یاایھا الرسول بلغ غدیر خم کے روز نازل ہوئی۔

اجرجه الواحدی فی اسباب النزول و الثعلبی فی تفسیره

واضح رہے کہ مولانا عبید اللہ امرتسری نے اصل عربی عبارتیں مع ان کے ماخذ نقل کی ہیں جو شخص اصل عبارتیں دیکھنا چاہے وہ ان کی تصنیف ''ارجح المطالب'' سوانح حیات علیؑ بن ابی طالب کی طرف رجوع کرے۔(۷۸)

سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۶۷ نازل ہونے پر پیغمبر اکرمؐ نے صحابہ کو جمع کرکے کون سا حکم سنایا؟

علمائے اہل سنت کے کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آیت ''یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک'' غدیر خم کے روز حضرت علیؑ کے

۷۸) ملاحظہ ہو ارجح المطالب ص ۹۷ شائع کردہ مکتبہ رضویہ شاہ عالمی لاہور، مطبوعہ اعجاز پبلشنگ پریس لاہور

بارے میں نازل ہوئی۔ اب رہی یہ بات کہ وہ کیا حکم تھا جس کے سنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اتنی تاکید فرمائی؟ اس سلسلے میں اہلسنت مورخین مفسرین اور محدثین لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر اونٹوں کے پالانوں کو جوڑ کر ایک اونچا سا منبر بنوایا۔ اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ حضرت علیؑ کو لے کر اس منبر پر تشریف لے گئے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور حاضرین سے پوچھا کہ ''الست اولیٰ بالمومنین من انفسھم'' یعنی کیا میں تم سے زیادہ تمہاری جانوں پر اختیار نہیں رکھتا۔ سب نے عرض کیا: ہاں پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کرکے فرمایا: **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** یعنی جس جس کا میں حاکم وسردار ہوں اور پھر ساتھ ہی یہ دعائیہ کلمات بھی فرمائے کہ **اللھم و ال من و الاہ و عاد من عاداہ** یا اللہ تو بھی اس سے محبت رکھ جو علیؑ سے محبت رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔ علمائے اہلسنت اس حدیث کی صحت سے تو انکار نہیں کرسکے البتہ بعض علماء اس حدیث کو انتہائی سرسری انداز میں بیان کرکے گزرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی ''سیرت النبیؐ'' میں خطبہ غدیر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> نسائی مسند امام احمد ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علیؓ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے ''**من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم و ال من والاہ و عاد من عاداہ**''۔(۷۹)

۷۹) سیرت النبیؐ ج ۲، ص ۲۰۸ مطبوعہ لاہور

شیعہ اس حدیث میں لفظ مولا سے مراد حاکم و سردار لیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اتنی تاکید سے یہ حکم نازل فرما کر آنحضرتؐ سے یہ فرمانا کہ اگر آپؐ نے یہ حکم نہ سنایا تو گویا آپؐ نے رسالت کا کوئی کام بھی سرانجام نہیں دیا۔ پھر آنحضرتؐ کا تمام صحابہ کو اکٹھے کر کے پالانوں کا منبر بنا کر حضرت علیؑ کو اونچی جگہ پر لے جا کر ان کا بازو بلند فرما کر اعلان کرنا۔ یہ نہ کوئی معمولی سا حکم تھا اور نہ کوئی سرسری سی بات البتہ ہم اپنے اہلسنت کہتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ ''مولاہ'' سے مراد دوست ہے جیسا کہ مولانا وحید الزمان اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ تھاما اور غدیر خم پر صاف صاف فرما دیا کہ میں اس کا دوست ہوں۔ علی بن ابی طالب جس کا دوست ہے۔(۸۰)

سنن ابی ماجہ میں بھی تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ حدیث غدیر موجود ہے۔ اس کی شرح میں مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

> یہ حدیث آپؐ نے غدیر خم میں فرمائی ہے جب حجۃ الوداع سے لوٹے۔ یہ ایک مقام کا نام ہے۔ مکہ اور مدینہ کے بیچ جحفہ میں قولہ پکڑا۔ ہاتھ حضرت علیؑ کا یعنی جب سب صحابہ جمع ہو گئے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ﷺ نے ایک منبر اونٹ کے پالانوں کا بنایا اور اس پر چڑھ کر یہ حدیث فرمائی قولہ ''کیا نہیں میں مومن کا دوست الخ'' یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف ''السلـــــت

---

(۸۰) تیسر الباری شرح بخاری ج ۶، ص ۱۱۰ مطبوعہ کراچی

اولی بالمومنین من انفسھم'' یعنی مومنوں کو اپنا جان سے زیادہ نبی عزیز ہے اور یہ بڑی دلیل ہے۔ شیعوں کی ثبوت خلافت بلافصل کی حضرت علیؑ کے لیے وہ کہتے ہیں حضرت علیؑ ولی بنے۔ جس کا میں مولاہ ہوں اس سے اولی بالخلافت مردا ہے اس لیے حضرت نے سب اصحاب کو جمع کر کے یہ امر فرما دیا۔ پھر لکھتے ہیں:

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ بے شک روایت کیا ہے اس کو ترمذی نسائی اور احمد نے اور طریق اس کے بہت ہیں اور یہ روایت کی ہے سولہ صحابیوں نے۔(۸۱) پھر آخر میں لکھتے ہیں:

---

(۸۱) واضح رہے کہ یہ حدیث صرف سولہ صحابیوں سے ہی مروی نہیں بلکہ اہل سنت عالم عبید اللہ امرتسری ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس قدر طرق کثیرہ سے روایت ہوئی ہے کہ بعض محدثین نے ان کو جمع کرنے میں بڑی بڑی ضخیم جلدیں تحریر کی ہیں۔ پھر تھوڑا آگے مزید لکھتے ہیں کہ حافظ ابو العباس احمد بن محمد المعروف با بن عقیدہ نے اس حدیث کے متعلق ایک مبسوط رسالہ لکھا ہے اور اس کا نام حدیث الموالاۃ رکھا ہے اور ۱۲۸ طریقوں سے اس کو روایت کیا۔ علامہ ابو القاسم عبید اللہ بن عبد اللہ الحسکانی متوفی ۴۷۰ھ نے اس حدیث کے اسناد کو ایک بارہ جزو کے رسالہ میں جمع کر کے اس کا نام ''دعاۃ الہداۃ'' رکھا ہے۔ علامہ ابو سعید مسعود بن ناصر السنجری السجستانی متوفی ۴۷۷ھ نے اس حدیث کو ۱۲۰ صحابہ سے روایت کر کے سترہ جزو کا رسالہ لکھا اور اس کا نام درایۃ الحدیث الولایۃ رکھا۔ حافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۸۴۸ھ نے ایک رسالہ میں اس حدیث کے طریقوں کو جمع کیا ہے۔ ان کے ماسواء آئمہ حدیث نے ان سے بڑھ کر اس حدیث کے طریقوں کے جمع کرنے میں اہتمام کیا ہے۔ اس کے بعد مولانا عبید اللہ امرتسری نے (باقی حاشیہ صفحہ بعد پر ملاحظہ فرمائیں)

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ولی یا مولا یہاں حاکم اور والی کے معنوں میں ہے اور احتمال ہے کہ بمعنی محبوب و ناصر ہو۔ (۸۲)

اعلان غدیر کے بعد تکمیل دین والی آیت کا نزول:

جب رسولؐ خدا نے وہ پیغام سنا دیا اور مجمع عام میں حضرت علیؑ کی امامت و جانشینی کا اعلان کر دیا۔ اس سے قبل باقی تمام احکام تو نازل ہو چکے تھے اور لوگوں تک پہنچ چکے تھے۔ اب آنحضرتؐ کے بعد امت کی راہبری کا اعلان بھی ہو گیا۔ گویا دین اسلام تکمیل کو پہنچ گیا اسی موقع پر حضرت جبرائیلؑ امین تکمیل دین والی آیت لے کر حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام آنحضرتؐ تک پہنچایا کہ

اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي

یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ (سورہ مائدہ آیت نمبر ۳)

اہلسنت مصنف علامہ عبید اللہ امرتسری اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

عن ابی سعید لحذریؓ ان رسول الله ﷺ دعی الناس فی غدیر خم و امر بما تحت الشجره من شوک فقم کان ذلک یوم الخیس و دعا علیا فاخذ

(حاشیہ صفحہ ماقبل) ۱۰۱ اصحابہ کرام کے نام لکھے ہیں۔ جن سے یہ حدیث روایت ہوئی ہے۔ پھر تقریباً پانچ صفحات پر ان علماء و محدثین کے ناموں کی فہرست لکھی ہے جنہوں نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ اس تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ارجح المطالب ص ۶۸۴ تا ۶۹۱

۸۲۔ سنن ابی ماجہ ج ۱ ص ۹۲ شائع کردہ مہتاب کمپنی اردو بازار لاہور

بضبعيه فرفعهما حتىٰ نظر الناس ببياض ابطى رسول الله ﷺ فقال من كنت مولاه فعلى مولاه ثم لم يتفرقوا حتى نزلت هذا آيه "اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي" فقال رسول الله ﷺ اكبر على اكمال الدين و اتمام النعمة و رضا الرب برسالتي و بالولاية لعلي بن ابى طالب

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ بہ تحقیق غدیر خم کے روز جناب رسالت مآب ﷺ نے لوگوں کو بلا کر درخت کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ وہاں سے کانٹوں کو جھاڑو سے دور کیا گیا۔ پھر آپؐ نے علیؑ کو بلوا کر ان کے دونوں بازو پکڑ کر اٹھائے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے حضرتؐ کی بغل کی سفیدی کو ملاحظہ کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں پس اس کا علیؑ مولا ہے۔ پھر ابھی لوگ متفرق نہیں ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ "آج کے روز میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کیا ہے اور میں نے اپنی نعمت کو تم پر پورا کیا ہے۔ پس رسالت مآبؐ نے فرمایا: اللہ اکبر دین کے کامل ہو جانے اور نعمت کے پورا ہونے اور میری رسالت اور علیؑ کی ولایت پر خدا کے راضی ہونے پر۔ (۸۳)

۸۳) ارجح المطالب ص ۸۰ شائع کردہ مکتبہ رضویہ شاہ عالمی لاہور مطبوعہ اعجاز پرنٹنگ پریس لاہور

(اخرجه ابو نعیم و ابوبکر مردویه عنه و عن ابی هریره و السیوطی فی الدر المنثور و الایلمی و ابو نعیم فیما نزل من القرآن فی علی)

وفات پیغمبر اکرمؐ کے بعد حضرت علیؑ کی بیعت کیوں نہ کی گئی؟

تاریخ اسلام کے ہر طالب علم کے ذہن میں اس سوال کا آنا قدرتی امر ہے کہ اتنے اہتمام اور پیغمبر اکرمؐ کے اتنے اہم اعلان کے باوجود وفات پیغمبر اکرمؐ کے بعد حضرت علیؑ کی بیعت کیوں نہ ہوسکی۔ کیا یہ سب کچھ اچانک اور غیر ارادی طور پر ہوگیا۔ اس سلسلے میں مولانا شبلی نعمانی کی ''الفاروق'' سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔
>
> علامہ طبری نے اس معاملے کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات مکالمے کی صورت میں نقل کیے ہیں۔ ہم ان کو اس موقع پر اس لیے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا۔ مکالمہ حضرت عبداللہ بن عباس سے ہوا جو حضرت علیؑ کے ہم قبیلہ اور طرف دار تھے۔

حضرت عمرؓ: تمہارے باپ رسولؐ اللہ کے چچا اور تم رسولؐ اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرف دار کیوں نہیں ہوئی۔

عبداللہؓ بن عباس: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ: لیکن میں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہؓ بن عباس: کیوں؟

حضرت عمرؓ: وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکرؓ نے تم کو خلافت سے محروم کردیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہوسکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ مفید نہ ہوتا۔ (۸۴)

اہلسنت مورخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی بنوہاشم کے بارے میں حضرت عمرؓ کا ایک بیان یوں نقل کرتے ہیں کہ

> فاروق اعظم نے ایک موقع پر صاف صاف فرمادیا تھا کہ اگر شرف نبوت کے ساتھ ان لوگوں کو حکومت بھی مل گئی تو وہ لوگوں کو اپنا حد سے زیادہ محکوم و مغلوب پاکر قومی غرور میں مبتلا ہوجائیں گے اور اس طرح اسلام کے حقیقی روح کو ضائع کرکے خود بھی ضائع ہوجائیں گے۔ (۸۵)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری بنوہاشم کے بارے میں قریش کے خیالات اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

> قریش کی اکثریت بنی ہاشم سے خلافت اس خوف سے نکالنا

---

۸۴) ملاحظہ ہو حاشیہ الفاروق ص ۱۷۸ تا ۱۷۹ شائع کردہ مکتبہ رحمانیہ لاہور

۸۵) تاریخ اسلام حصہ دوم ص ۴۸۱ تا ۴۸۲ شائع کردہ نفیس اکیڈمی

چاہتی تھی کہ مبادا وہ ان کی وراثت ہو جائے اور پھر قیامت تک قریش کے کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو سکے۔ چنانچہ قریش کے اس خطرے نے کہ وہ بنی ہاشم کی رعایا نہ بن جائیں اور خلافت کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ جائے۔ بنی ہاشم کو قصداً اس سے دور رکھا۔(۸٦)

زمانہ رسالتؐ میں آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ کا پیغمبر اکرمؐ سے قریش کے رویے کی شکایت کرنا

پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں بھی بعض واقعات ایسے ملتے جن سے قریش کی بنو ہاشم کے بارے میں دلی کیفیت کا پتہ چلتا ہے مثلاً حضرت عبد المطلبؓ بن ربیعہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میری موجودگی میں پیغمبر اکرمؐ کے چچا حضرت عباس بڑی افسردگی کی حالت میں آنحضرتؐ کے پاس آئے۔ پیغمبر اکرمؐ نے پوچھا: چچا جان کس چیز نے آپ کو غم ناک کیا ہے تو انہوں نے جواب میں قریش کے بارے میں کہا کہ

مالنا و لقریش اذا تلاقوا بینهم تلاقوا بوجوه مبشرة و اذا لقونا لقونا بغیر ذلک فغضب رسولؐ حتی احمر وجهه ثم قال والذی نفسی بیده لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم الله و

(۸٦ حضرت عثمانؓ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں ۱٦۱ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

لرسوله.(۸۷)

(یا رسول اللہؐ) ہمارا اور قریش کا کیا معاملہ ہے کہ جب یہ آپس میں ملتے ہیں تو خندہ پیشانی سے اور جب ہم سے یعنی بنی ہاشم سے ملتے ہیں تو خندہ پیشانی نہیں ہوتی حضورؐ کا چہرے غصے سے سرخ ہو گیا پھر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جو شخص تم سے (یعنی بنو ہاشم سے) خدا اور رسولؐ کے لیے محبت نہیں کرتا۔ اس کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا۔

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار خان مرحوم لکھتے ہیں:

غیر ہاشمی جو قریش ہیں وہ ہم ہاشمیوں اور غیر ہاشمیوں میں فرق کرتے ہیں۔ ہم بنو ہاشم کو اپنا غیر سمجھتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح ملتے ہیں اور بنی ہاشم سے منہ بنا کر ملتے ہیں۔(۸۸)

اس قسم کے کئی واقعات بنو ہاشم خصوصاً حضرت علیؑ کے بارے میں علمائے اہلسنت نے نقل کیے ہیں مثلاً علی متقی نے کنز العمال میں اور علامہ محب الدین طبری نے ریاض النضرہ میں پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں ایک دفعہ میں پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ جا رہا تھا جب ہم مدینہ کی

۸۷) مشکوٰۃ شریف باب مناقب اہلبیت ج ۲، ص ٦۴۲ مطبوعہ اشرف پریس لاہور ۱۹٦۴ء حقائق و استفسار مشتمل بر فضائل اہل بیت اطہار و شان صحابہ کبار مولفہ سید طالب حسین رضوی حنفی ص ۸۱

۸۸) مشکوٰۃ شریف مترجم حکیم الامت مفتی احمد یار خان ج ۸، ص ۷۰۴ شائع کردہ نعیمی کتب خانہ گجرات

گلیوں سے باہر نکل گئے جہاں کوئی دوسرا نہ تھا تو پیغمبر اکرمؐ نے مجھے گلے لگا لیا اور رونے لگے۔ میں نے حیران ہو کر پیغمبر اکرمؐ سے رونے کی وجہ دریافت کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قریش کے دلوں میں تمہارے بارے میں ایسی باتیں ہیں جن کو میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد ظاہر کریں گے۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! کیا یہ سب کچھ میری سلامتی دین کے ساتھ ہوگا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ہاں تمہارا دین سلامت ہوگا۔(۸۹)

باقی رہا ڈاکٹر طہٰ حسین مصری کا یہ لکھنا کہ قریش نبوت کے بعد خلافت بنو ہاشم میں چلے جانے سے خائف تھے تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ نبوت کے بنو ہاشم میں چلے جانے سے قریش کی کونسی حق تلفی ہوگئی تھی اور نبوت کے بعد اگر ظاہری حکومت ان آئمہ اہلبیت کو مل جاتی جن کا مختصر تعارف گذشتہ صفحات میں کرایا گیا ہے تو ان کی حکومت قرآن وسنت کا عملی نمونہ ہوتی۔ ان آئمہ میں سے صرف حضرت علیؑ کو حکومت کرنے کا موقع مل سکا لیکن اتنی مخالفتوں کے باوجود وہ احکام الٰہی کے نفاذ میں کتنے سخت تھے۔

اور ان کا طرز حکمرانی کیسا تھا؟ اہلسنت مصنف عباس محمود العقاد مصری لکھتے ہیں:

> حضرت علیؑ کا محاسبہ اتنا سخت ہوتا تھا کہ اچھے اچھے صاحب تقویٰ بزرگ بھی گھبرا اٹھتے تھے اور استعفیٰ تک نوبت پہنچ جاتی

---

۸۹) ملاحظہ الریاض القرہ فی مناقب العشرہ ج ۲ ص ۱۶۰ تا ۱۶۱ مولفہ محب الدین طبری طبع بیروت ۱۹۸۸ء

تھی۔ عبداللہ بن عباسؓ کا بصرہ کی گورنری سے خود بخود سبکدوش ہو جانا' اسی وجہ سے تھا۔(۹۰)

اس کے علاوہ بات قریش کی پسند و ناپسند کی نہیں تھی بلہ یہ معاملہ تو خدا کی مرضی پر منحصر رہا ہے کہ نبوت کس خاندان کو عطا ہونی ہے اور امامت کا مستحق کون ہے؟ نبوت جب بنو ہاشم میں آئی تھی تو اس وقت قریش کو کتنی خوشی ہوئی تھی۔ وہ تاریخ کا حصہ ہے۔

قریش ہی کی مخالفت کی وجہ سے آنحضرتؐ کو مکہ سے ہجرت فرمانا پڑی تھی۔ اب حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان پیغمبر اکرمؐ نے فرما دیا قریش نہ مانیں تب بھی آنحضرتؐ کا حکم اپنی جگہ موجود ہے۔ خیر بات کو آگے بڑھانے کی بجائے ہم واپس اپنے موضوع کی طرف پلٹتے ہیں اور مسئلہ امامت کے بارے میں بعض دیگر سوالوں کا جواب دیتے ہیں جو برادران اہلسنت کی طرف سے اٹھائے جاتے ہیں۔ مثلاً:

کیا سابقہ امتوں میں بھی امام ہوتے تھے اور کیا لوگ انہیں امام بناتے تھے یا وہ خدا کے حکم سے امام بنتے تھے؟

اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے جب ہم قرآن سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں تو اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ سابقہ امتوں میں بھی امام ہوتے تھے۔ وہ نہ تو خود امام بن جاتے تھے اور نہ ہی لوگ انہیں امام بناتے تھے بلکہ قرآن کہتا ہے کہ خدا خود امام مقرر کرتا تھا۔ مولانا محمد شفیع سابقہ مفتی دار العلوم دیوبند نے اپنی

---

۹۰) علیؑ شخصیت و کردار ص ۱۵۴ از عباس محمود العقاد مصری

شہرہ آفاق تفسیر معارف القرآن میں سورہ السجدہ کی آیت نمبر ۲۴ کی تفسیر میں اس بات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و جعلنا منهم آئمة يهدون بامرنا لما صبروا و كانوا باياتنا يوقنون

ہم نے بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں کو امام اور پیشوا اور مقتداء بنا دیا جو اپنے پیغمبر کے نائب ہونے کی حیثیت سے باذن ربانی لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کیا اور جب کہ وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ (۹۱)

ہم شیعہ کہتے ہیں کہ امام بنانا خدا کا کام ہے اور نبی کا کام لوگوں کو اس سے آگاہ کرنا ہے۔ اس پر ہمارے برادران اہلسنت کو اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انبیاء بھیجنا تو خدا کے ذمے ہے۔ امام کو خدا کیسے مقرر کرتا ہے۔ ہم قرآن ہی سے چند مثالیں دیتے ہیں۔ جنہیں خود علمائے اہلسنت نے بھی تسلیم کیا ہے۔
مثلاً:

اہلسنت عالم شاہ اسماعیل شہید کا بیان کہ غیر انبیاء کا تقرر بھی خدا کی طرف سے ہوتا ہے:

شاہ اسماعیل شہید نے اپنی کتاب ''منصب امامت'' میں ''مقام بعثت غیر انبیاء'' کا عنوان قائم کیا ہے اور اس کے ذیل میں انہوں نے قرآن سے کئی مثالیں بیان کی ہیں کہ سابقہ امتوں میں کی رہبر اور امام خدا کی طرف سے مقرر کیے گئے اور

---

۹۱) تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۷۴ مطبوعہ دہلی

شاہ اسماعیل شہید نے ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ وہ لوگ نبی نہیں بلکہ غیر نبی تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ارشاد باری ہے:

ولقد اخذ الله ميثاق بني اسرائيل و بعثنا منهم اثنا عشر نقيباً

ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں سے بارہ نقیب مقرر کیے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ نقیب نبی نہ تھے۔ (المائدہ آیت ۱۲)

اذ ارسلنا اليهم اثنين فكذبوهما فعززنا بثالث فقالوا انا اليكم مرسلون o فقالوا ما انتم الا بشر مثلنا و ما انزل الرحمن من شيء ان انتم الا تكذبون o قالوا ربنا يعلم انا اليكم لمرسلون o و ما علينا الا البلغ المبين o

جب ان کے پاس ہم نے دو رہبر بھیجے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے تیسرے سے قوت دی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تو وہ بولے کہ تم تو ہماری طرح انسان ہی ہو اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم جھوٹ کہتے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہم کو صرف پہنچانے کا حکم ہے۔ (یٰسین ۱۴ تا ۱۷)

اور ظاہر ہے کہ یہ بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے حوارین میں سے تھے نہ کہ نبی اور فرمایا:

و جعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا و كانوا

بایتنا یوقنون

(سورہ السجدہ آیت نمبر۲۴)

ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم کی ہدایت دیتے
ہیں اور جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین کیا۔(۹۲)

ہم نے شاہ اسماعیل شہید کی پیش کردہ آیات میں سے صرف تین آیات اور ان کا حرف بحرف ترجمہ نقل کر دیا ہے اور شاہ صاحب نے آیات کے ساتھ خود ہی یہ وضاحت بھی کر دی کہ یہ لوگ جنہیں خدا نے مقرر کیا تھا' یہ نبی نہیں تھے۔ ہم ہر شخص کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ وہ شاہ اسماعیل شہید کی پیش کردہ آیات پر غور کریں کہ سابقہ امتوں میں بھی رہبر اور امام خدا کے حکم سے مقرر کیے جاتے تھے اور ہمارے پیغمبر اکرمؐ نے جو اعلان کیا تھا کہ میرے بعد میرے بارہ خلفاء ہوں گے۔ یہ غیب کی خبر ہے جو نبی اکرمؐ نے بیان فرمائی ہے اور اپنے پاس سے نہیں بلکہ خدا کے حکم سے یہ خبر دی ہے۔ غدیر خم نامی مقام پر حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" جس جس کا میں حاکم ہوں علیؑ بھی اس کے حاکم سردار ہیں۔ یہ بات بھی خدا کے حکم سے بیان ہوئی ہے۔ پھر نبی پاکؐ نے اپنے آخری خلیفہ کا نام لے کر بتایا کہ مہدیؑ آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ یہ بات بھی آپؐ نے اپنے پاس سے نہیں بلکہ خدا کے حکم سے بتائی تھی۔

کیا سابقہ امتوں میں امامت کا کوئی معیار بھی ہوتا تھا؟

یہ بات تو قرآن سے معلوم ہوگئی ہے کہ سابقہ امتوں میں بھی امام ہوتے تھے

۹۲) منصب امامت ص۸۲تا۸۳ شائع کردہ آئینہ ادب چوک مینار انارکلی لاہور

اور وہ لوگوں کے بنانے سے امام نہیں بنتے تھے اور نہ ہی خود زبردستی امام بن جاتے تھے۔ اب یہ بات سمجھنے والی ہے کہ سابقہ امتوں میں جن لوگوں کو مقرر کیا جاتا تھا' کیا ان کا کوئی معیار بھی ہوتا تھا۔ مفتی محمد شفیع مرحوم سورۃ السجدۃ کی آیت نمبر۲۴ و جعلنا منهم آئمة يهدون بامرنا کی تفسیر کرتے ہوئے "کسی قوم کا مقتدا بننے کے لیے دو شرطیں' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

اس آیت میں علماء بنی اسرائیل میں سے بعض کو امامت و پیشوائی کا درجہ عطا فرمانے کے دو سبب ذکر فرمائے ہیں۔ اول صبر کرنا' دوسرے آیات الٰہی پر یقین۔۔۔ صبر سے مراد آیات الٰہیہ کی پابندی پر ثابت قدم رہنا اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے' ان سے اپنے نفس کو روکنا ہے جس کا احکام شریعت کی پابندی آ جاتی ہے۔۔۔ خلاصہ یہ ہے کہ امامت و پیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں بھی کامل ہوں اور علم میں بھی۔(۹۳)

پھر اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

ابن کثیرؒ نے بعض علماء کا قوم اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ بالصبر و اليقين تنال الامامة فی الدين یعنی صبر اور یقین ہی کے ذریعے دین میں کسی کو امامت کا درجہ مل سکتا ہے۔(۹۴)

۹۳) معارف القرآن ج ۷ ص ۷۴ مطبوعہ دہلی

۹۴) معارف القرآن ج ۷ ص ۷۵ مطبوعہ دہلی

ہم شیعہ بھی یہی بات کہتے ہیں کہ امامت کا معیار یہی ہے کہ امام عمل میں بھی کامل ہو اور علم میں بھی ہم تمام انصاف پسند احباب سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ گذشتہ صفحات پر موجود آئمہ اہلبیت کے حالات غور سے پڑھیں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ یہ ہستیاں علم میں بھی کامل تھیں اور عمل میں بھی اپنی مثال آپ تھیں۔ سورہ سجدہ کی مذکورہ بالا آیت نمبر ۲۴ میں موجود لفظ ''صبر'' کی تشریح کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع مرحوم لکھتے ہیں کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے۔ ان سے اپنے نفس کو روکنا ہے جس میں تمام احکام شریعت کی پابندی آ جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس امت میں جن لوگوں نے حرام ہی نہیں مکروہات سے بھی اپنا دامن بچایا' وہ آئمہ اہلبیت ہیں۔

کیا سابقہ امتوں میں بھی اماموں کے پاس حکومت بھی ہوتی تھی؟

یہ سوال بھی اپنی جگہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اکثر علمائے اہلسنت تحریر اور تقریر کے ذریعے بیان کرتے رہتے ہیں کہ آئمہ اثنا عشر جن کی امامت کے شیعہ قائل ہیں' ان کی بزرگی اپنی جگہ لیکن چونکہ ان ائمہ میں صرف دو کو حکومت مل سکی اور باقی آئمہ حکومت سے محروم رہے ہیں اس لیے انہیں امام کیسے تسلیم کیا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بھی کیوں نہ قرآن سے ہی معلوم کر لی جائے کہ سابق امتوں میں جو لوگ امام ہوتے تھے' کیا ان کے پاس حکومت بھی ہوتی تھی اور کیا کوئی شخص اس وقت تک امام نہیں کہلوا سکتا تھا جب تک اسے حکومت حاصل نہیں ہو جاتی تھی؟ قرآن اس سوال کا جواب بھی نفی میں دیتا ہے۔ کیوں کہ جب نبی کے لیے حکمران ہونا شرط نہیں ہے تو پھر امام تو نبی کا نائب ہوتا ہے۔ اس کے لیے حکومت کی شرط

کہاں سے ضروری قرار دے دی گئی؟ دوسری بات یہ کہ انبیاء کے پاس حکومت اور دنیاوی جاہ و جلال نہ ہونے میں خدا کی یہی مصلحت نظر آتی ہے کہ اگر انبیاء کے پاس نبوت کے ساتھ حکومت بھی ہوتی تو بہت سارے لوگ محض ان کی حکمرانی کی وجہ سے ان کے ساتھ ہو جاتے جیسا کہ دنیاوی رسم چلی آ رہی ہے کہ لوگ حکمرانوں کے منظور نظر بننے کے ضرورت سے زیادہ خواہشمند ہوتے ہیں۔

اس طرح وہ امتحان ختم ہو جاتا جو خدا اپنے بندوں سے لینا چاہتا ہے جب مذکورہ بالا مصلحت خداوندی کے تحت انبیاء حکمران نہ بن سکے تو ان کی نیابت کرنے والے اماموں کے لیے حاکم وقت ہونا کیسے ضروری شرط ہو سکتی ہے۔ قرآن کی رو سے امام بننے کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں' وہ علم اور عمل ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک امامت کا مستحق کون ہے؟ خلاصہ بحث:

امامت کے بارے میں جو کچھ گذشتہ صفحات میں تحریر کیا جا چکا ہے' اس کا خلاصہ ہم علمائے اہل سنت کی زبانی تحریر کر دیتے ہیں۔ خدا کے نزدیک امامت و پیشوائی کے لائق کون لوگ ہیں؟ مفسر قرآن مولانا محمد شفیع مفتی دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں:

امامت و پیشوائی کے لائق اللہ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں
جو عمل میں بھی کامل ہوں اور علم میں بھی۔

(معارف القرآن ج ۷ ص ۴۷)

امامت کا منصب کن لوگوں کے لیے ہے۔ مولانا مودودی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیمؑ نے جب منصب امامت کے متعلق پوچھا کہ تو ارشاد ہوا تھا کہ اس منصب کا وعدہ تمہاری اولاد کے صرف مومن و صالح لوگوں کے لیے ہے۔ ظالم اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۱۱۱)

امامت کا درجہ کیسے مل سکتا ہے۔ علامہ محمد شفیع سابقہ مفتی دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں:

صبر اور یقین کے ذریعے دین میں کسی کو امامت کا درجہ مل سکتا ہے۔

(معارف القرآن ج ۷، ص ۷۵)

صبر اور یقین کیا ہے۔ یہی مفسر مزید لکھتے ہیں:

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام و مکروہ قرار دیا ہے۔ ان سے اپنے نفس کو روکنا ہے جس میں تمام احکام شریعت کی پابندی آ جاتی ہے۔ (معارف القرآن ج ۷، ص ۷۶)

جو لوگ شیعہ کے عقیدہ امامت کے بارے میں مختلف غلط فہمیوں کا شکار ہیں یا ان کے ذہنوں میں غلط فہمیاں بھر دی گئی ہیں۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ سوچیں اور غور کریں کہ شیعہ کتنی جائز اور معقول بات کہتے ہیں کہ جب سابقہ امتوں میں امامت کے مستحق وہ لوگ ہوتے جو علم اور عمل میں کامل ہوتے تھے اور وہ نہ صرف حرام کاموں سے اپنا دامن بچاتے تھے بلکہ مکروہ کاموں کے بھی قریب نہیں جاتے تھے تو پھر ہماری امت جو کہ سب امتوں کی سردار ہے۔ اس میں وہی لوگ امامت کے مستحق ہو سکتے ہیں جن کی ساری زندگی قرآن سے جدا نہ ہوئی ہو جو قرآن کے سب سے بڑے عالم ہوں جو سنت پیغمبرؐ کی عملی تصویر ہوں اور ان اماموں کی

تعداد خود پیغمبر اکرمؐ نے فرما دی کہ میرے بعد میرے بارہ نائب ہوں گے۔
(بخاری مسلم وغیرہ)

شیعوں کے نزدیک وہ حضرت علیؑ سے امام مھدیؑ تک بارہ امام ہیں۔ اگر کسی کے پاس ان سے بہتر نائب و پیشوا ہیں تو وہ بڑی خوشی سے ان کی پیروی کرے لیکن ان اماموں کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو قرآن نے سابقہ امتوں کے اماموں کے لیے مقرر کر رکھی ہیں یعنی علم اور عمل میں کامل ہونا اور حرام و مکروہات سے اپنا دامن بچانا اور آخری بات یہ کہ فرمان پیغمبرؐ کے مطابق ان آئمہ کی تعداد بھی بارہ ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ قرآن نے عہدہ امامت کے لیے کچھ مزید شرائط بھی رکھی ہیں۔ مثلاً:

''ظالم امام نہیں بن سکتا'' قرآن کا دوٹوک اعلان:

حضرت ابراہیمؑ اللہ کے برگزیدہ نبی تھے۔ خدا نے انہیں مزید ایک عہدے سے سرفراز کرنا چاہا تو ان سے کچھ امتحان لیے۔ ارشاد ہوتا ہے:

و اذا بتلیٰ ابراھیم ربه بکلمت فاتمھن ط قال انی جاعلک للناس اماما ط قال و من ذریتی ط قال لاینال عھدی الظالمین ۝

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو چند باتوں میں آزمایا اور ان سب میں پورا اترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ کیا یہ عہدہ امامت میری اولاد میں بھی رہے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا محمد شفیع سابقہ مفتی دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

اس آیت میں حق تعالیٰ کے خاص پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کے مختلف امتحانات اور ان میں ان کی کامیابی پھر اس کے انعام وصلہ کا بیان ہے اور پھر جب حضرت خلیلؑ اللہ نے از راہ شفقت اپنی اولاد کے لیے بھی اسی انعام کی درخواست کی تو انعام پانے کا ایک ضابطہ ارشاد فرما دیا گیا جس میں حضرت خلیلؑ اللہ کی درخواست کی منظوری مشروط صورت میں دی گئی کہ یہ انعام آپ کی ذریعت کو بھی ملے گا مگر جو لوگ ذریعت میں سے نافرمان اور ظالم ہوں گے' وہ انعام نہ پاسکیں گے۔(۹۵) پھر آگے لکھتے ہیں:

یہ کڑے اور سخت امتحانات تھے جن میں حضرت خلیل اللہ علیہ السّلام کو گزارا گیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے بہت سے اعمال و احکام کی پابندیاں آپ پر عائد کی گئیں۔(۹۶) پھر ان امتحانوں میں کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے یہی مفسر لکھتے ہیں:

حضرت خلیل اللہ علیہ السّلام کو اس کامیابی کے صلہ میں امامت خلق اور پیشوائی کا انعام دیا گیا۔ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوا کہ خلق کے خدا کے امام ومقتداء اور پیشواء بننے کے لیے جو امتحان درکار ہے۔

وہ دنیا کے مدارس اور یونیورسٹیوں جیسا امتحان نہیں۔۔۔ اس عہدے کے حاصل کرنے کے لیے ان تیس اخلاقی اور عملی صفات میں کامل اور مکمل ہونا شرط ہے'

(۹۵) معارف القرآن ج ا'ص ۳۰۹ مطبوعہ کراچی

(۹۶) معارف القرآن ج ا'ص ۳۱۴ مطبوعہ کراچی

جن کا ذکر ابھی بحوالہ آیات میں آچکا ہے۔ قرآن نے ایک دوسری جگہ بھی یہی مضمون اس طرح بیان فرمایا ہے:

و جعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا و كانوا بايتنا يوقنونo

(السجدہ آیت ۲۴)

ہم نے ان میں سے امام اور پیشواء بنائے کہ وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کریں۔

جب انہوں نے اپنے نفس کو خلاف شرع سے روکا اور ہماری آیتوں پر یقین کیا۔

اس آیت میں امامت و پیشوائی کے لیے ان تیس صفات کا خلاصہ دو لفظوں میں کر دیا گیا ہے یعنی صبر و یقین یعنی علمی اور اعتقادی کمال اور صبر عملی اور اخلاقی کمال اور وہ تیس صفات جن کا ذکر ابھی اوپر ہو چکا ہے' سب کی سب انہی دو صفتوں میں سموئی ہوئی ہیں۔(۹۷)

پھر آخر میں لکھتے ہیں:

امامت و پیشوائی ایک حیثیت سے اللہ جل شانہ کی خلافت ہے۔ یہ کسی ایسے شخص کو نہیں دی جاسکتی جو اس کا باغی اور نافرمان ہو۔(۹۸)

امامت کا مقام اہلسنت کی نظر میں:

شیعوں پر عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ مسئلہ امامت کو اتنی زیادہ اہمیت

۹۷'۹۸) معارف القرآن ج ا'ص ۳۱۵ تا ۳۱۶ مطبوعہ کراچی

کیوں دیتے ہیں اور دوسرا یہ کہ شیعہ امام کا رتبہ بہت زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ امام اور امامت کا مقام خود اہلسنت کے نزدیک بھی انتہائی بلند ہے۔ چند ذمہ دار علمائے اہلسنت کے بیانات سے ملاحظہ فرمائیں۔

امام کا مقرر کرنا کتنا ضروری ہے‘ علامہ رشید رضا مصری مدیر المنار لکھتے ہیں:

امام کا مقرر کرنا یعنی قوم کے امور کا اس کے حوالے کرنا مسلمانوں پر نہ صرف عقلاً واجب ہے جیسا کہ بعض معتزلہ کا خیال ہے بلکہ از روئے شرع بھی واجب ہے۔

پھر علامہ سعد الدین تفتازانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

صحابہؓ نے نصب خلیفہ (خلیفہ مقرر کرنے کا کام) نبی کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین پر بھی مقدم کیا۔(۹۹)

امامت کیا ہے اور کیوں ضروری ہے علامہ ماوردی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

نبوت کی جانشینی کے لیے امامت ہے تاکہ دین کی حفاظت ہو اور دنیا کا نظام برقرار رہے۔(۱۰۰)

خلافت و امامت کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

خلافت دین کی حفاظت کے لیے اور دنیا کی سیاست کے لیے صاحب شریعت کی جانشینی ہے۔ لہٰذا اس جانشینی اور نیابت کو خلافت اور امامت کہا جاتا ہے اور جو شخص اس کا انتظام کرتا ہے‘

---

۹۹) امامت عظمیٰ ص۱۹ شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی

۱۰۰) الاحکام السلطانیہ ص۳ شائع کردہ ادارہ اسلامیات لاہور

اسے خلیفہ اور امام کہتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں: جیسے (نماز میں) مقتدی کو امام کی پیروی لازم ہے اسی طرح تمام رعایا کو اپنے خلیفہ کی پیروی لازم ہے اس لیے خلافت کو امامت کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔(۱۰۱)

امام کا مقام کیا ہے؟ شاہ اسماعیل شہید لکھتے ہیں:

امام رسولؐ کا نائب اور ظل رسالت ہے۔(۱۰۲)

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:

جس طرح سنت کو کتاب اللہ سے دوسرا درجہ حاصل ہے۔ ایسا ہی حکم امام سنت سے دوسرے درجے پر ہے۔(۱۰۳)

خلافت و امامت کا رتبہ کتنا بڑا ہے۔ شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں:

درحقیقت خلافت و امامت پیغمبر کی قائم مقامی اور اس کے بعد اس کی امت کی پیشوائی ہے۔۔۔اور نبوت کے بعد اسلام میں سب سے بڑا درجہ ہے۔(۱۰۴)

احادیث میں امام کا مقام کتنا بلند ہوا ہے؟

محدثین اہلسنت پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں آنحضرت فرماتے ہیں:

---

۱۰۱) مقدمہ ابن خلدون حصہ اول ص۴۵۳ شائع کردہ نفیس اکیڈمی

۱۰۲‘۱۰۳) منصب امامت ص۱۴۳ شائع کردہ آئینہ ادب چوک مینار انارکلی لاہور

۱۰۴) خلفائے راشدین ص۱۱ شائع کردہ ایچ ایم سعید کمپنی

من اطاعني فقد اطاع الله و من عصاني فقد عصى الله و من اطاع الامام فقد اطاعني و من عصى الامام فقد عصاني

رسول پاکؐ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی' اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ جس نے امام (یعنی حاکم اسلام) کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امام کی نافرمانی کی' اس نے میری نافرمانی کی۔ (۱۰۵)

واضح رہے کہ اس حدیث میں امام سے مراد مولانا وحید الزمان نے بریکٹ میں حاکم اسلام کیا ہے لیکن اہلسنت کی عقائد کی کتابوں میں پیغمبر اکرمؐ کی ایک انتہائی اہم اور معنی خیز حدیث موجود ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

من مات و لم يعرف امام زمانه فقد مات ميتة جاهلية. (١٠٦)

جو شخص مرجائے اور اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانے' اس کی موت جاہلیت کی سی موت ہوگی۔

مولانا وحید الزمان اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

---

(۱۰۵) ابن ماجہ ج ۲' ص ۵۵۰ باب طاعۃ الامام ترجمہ مولانا وحید الزمان مطبوعہ لاہور

(۱۰۶) نشر الفوائد الجلالی شرح العقائد نسفی ص ۱۹۷ مولفہ مولانا عبید الحق فاضل دیوبند شائع کردہ قدیمی کتب خانہ کراچی

اگر چہ یہ حدیث اہلسنت کے عقائد کی کتابوں میں اس لفظ سے مذکور ہے۔ مگر حدیث کی کتابوں میں مجھے اس لفظ سے نہیں ملی۔ (۱۰۷)

مولانا کے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اس حدیث کا اہلسنت کی عقائد کی کتب میں درج ہونا بتاتا ہے کہ امامت کا تعلق عقیدہ سے ہے۔ اس کے علاوہ مولانا کا یہ لکھنا کہ حدیث کی کتب میں مجھے یہ حدیث اس لفظ سے نہیں ملی۔ اس سے اس حدیث پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ شاہ اسماعیل شہید نے منصب امامت میں اس حدیث کے یہ الفاظ لکھے ہیں:

من لم يعرف امام زمانه مات ميتة جاهلية

جس نے امام وقت کو نہ پہچانا' وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (۱۰۸)

ہمارے محترم قارئین اس حدیث میں اگر معمولی سا بھی غور کریں تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اگر امام سے مراد حاکم وقت ہی ہوتا تو پھر اس کی شخصیت تو پہلے ہی لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہوتی بلکہ کسی بھی ملک کا حاکم تو مشہور و معروف شخص ہوتا ہے۔ لوگوں کو اس کی معرفت حاصل کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ دوسری بات یہ کہ جس امام کی معرفت کے بغیر انسان جہالت و گمراہی کی موت مرتا ہے' اس کے اپنے بارے میں تو یقین ہونا چاہیے کہ وہ جنت میں جائے گا۔ اب ہر شخص خود ہی فیصلہ کرے کہ کیا یزید و ولید جیسے فاسق و جاجر اس حدیث کے مصداق ہو سکتے ہیں؟

---

(۱۰۷) لغات الحدیث کتاب "م" ص ۱۰۲' ج ۴ طبع کراچی

(۱۰۸) منصب امامت ص ۱۳۸ مطبوعہ لاہور

کیا بنوامیہ اور بنوعباس کے دیگر ظالم و جابر عیاش حکمران اس حدیث کے مصداق بن سکتے ہیں۔یقیناً نہیں۔

قرآن میں امام کی اطاعت کا کس طرح حکم دیا گیا ہے؟

برادران اہل سنت کے بہت بڑے عالم علامہ ماوردی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

شریعت نے دین کے معاملہ میں تمام امور کی باگ ایک مجاز شخص تو تفویض کردی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی' اس کے رسول کی اور اپنے حکمرانوں کی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے حکام کی اطاعت فرض کردی ہے اور یہ حکام وہ امام ہیں جو ہم پر مقرر کیے گئے ہیں۔(۱۰۹)

علامہ ابن خلدون مذکورہ بالا آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

تمام مخلوق پر امام کی اطاعت واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے ارباب امر (امامت) کی اطاعت کرو۔(۱۱۰)

مذکورہ بالا دو علمائے اہلسنت نے جس آیت کو نقل کیا ہے۔یہ سورہ النساء کی آیت نمبر ۵۹ ہے جس میں خدا اور رسول کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا

۱۰۹) الاحکام السلطانیہ ص ۴۴ مطبوعہ لاہور

۱۱۰) مقدمہ ابن خلدون حصہ اول ص ۴۵۶ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

حکم دیا گیا ہے۔اس آیت میں لفظ ''اولی الامر'' سے کون لوگ مراد ہیں۔اس بارے میں اہلسنت اور اہل تشیع میں تو اختلاف شروع ہی سے چلا آرہا ہے لیکن خود اہلسنت کے اپنے اندر بھی اس بات پر اتفاق نہیں کہ اولی الامر سے مراد حاکم وقت ہی ہیں یا اس اولی الامر کے مصداق علماء ہیں جیسا کہ ہم ابھی بیان کرتے ہیں۔

''اولی الامر'' کے تعین میں شیعہ سنی نقطہ نظر:

شیعوں کا تو شروع ہی سے یہ موقف چلا آرہا ہے کہ مذکورہ بالا سورہ نساء کی آیت نمبر ۵۹ میں ''اولی الامر'' سے مراد آئمہ اہلبیت ہیں جن کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اے لوگوں میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ایک اللہ کی کتاب قرآن ہے اور دوسری میری عترت اہلبیت۔یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے۔(۱۱۱) جب پیغمبر اکرمؐ نے فرمادیا کہ میری عترت قیامت تک قرآن سے جدا نہیں ہوگی تو پھر عترت پیغمبرؐ میں سے جو آئمہ ہوئے ہیں۔انہی کا حکم واجب الاطاعت ہے۔دوسری طرف علمائے اہلسنت آج تک حتمی فیصلہ نہیں کرسکے کہ اس آیت میں اولی الامر سے کون لوگ مراد ہیں؟ اہلسنت کے بہت بڑے اسکالر علامہ محمد شفیع سابقہ مفتی دار العلوم دیوبند اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

حضرت ابن عباسؓ مجاہد اور حسن بصریؒ مفسرین قرآن نے اولی الامر کے مصداق علماء و فقہا کو قرار دیا ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ

۱۱۱) یہ حدیث تھوڑے اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم جامع ترمذی مسند امام احمد حنبل وغیرہ بہت ساری کتب احادیث میں موجود ہے۔

کے نائب ہیں اور نظام دین ان کے ہاتھ میں ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

> ایک جماعت مفسرین کی جن میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی شامل ہیں۔ فرمایا ہے کہ اولی الامر سے مراد حکام اور امراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے۔ پھر اولی الامر کے بارے میں تیسری رائے لکھتے ہیں کہ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ لفظ دونوں طبقوں کو شامل ہے یعنی علماء کو بھی اور امراء کو بھی کیونکہ نظام امرانہی دونوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ (۱۱۲)

پھر تیسری رائے کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> آیت مذکورہ میں اولی الامر کی اطاعت سے مراد علماء و حکام دونوں کی اطاعت مراد ہے۔ اس لیے اس آیت کی رو سے فقہی تحقیقات میں فقہا کی اطاعت اور انتظامی امور میں حکام و امراء کی اطاعت واجب ہوگئی۔ (۱۱۳)

کیا ایک وقت میں دو اولی الامر ہو سکتے ہیں؟

اہلسنت مفسر مولانا محمد شفیع مرحوم نے اپنی تفسیر میں بیک وقت دو اولی الامر ہونے کا نظریہ تو لکھ دیا لیکن یہ نظریہ کس دور میں رائج رہا اور کیا کسی دور میں اس نظریہ کو حتمی طور پر تسلیم بھی کیا گیا یا یہ محض کتابی نظریہ ہے جو صرف کتابوں کی حد تک وقت اور علماء میں تو اکثر اختلاف ہی رہا ہے اس لیے علماء اور حکام وقت دونوں کو

۱۱۲) معارف القرآن ج۲، ص۴۵۰ طبع دہلی ایضاً مطبوعہ کراچی

۱۱۳) معارف القرآن ج۲، ص۴۵۲ مطبوعہ دہلی

ہی ہے کیونکہ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ حکام اولی الامر تسلیم کرنے کی بات تو رہی ایک طرف برادران اہلسنت میں کسی ایک شخص کو اولی الامر تسلیم کرنے پر بھی اتفاق نہیں ہو سکا جس کا اظہار خود اہلسنت دانشور بھی کرتے رہتے ہیں مثلاً جناب محمد امین منہاس امیر تحریک فہم القرآن نے اپنے ایک مضمون میں مذہبی جماعت کی ناکامی کی وجوہات لکھی ہیں۔ اس میں مذہبی جماعتوں کی ناکامی کی تیرھویں وجہ یہ لکھتے ہیں کہ

> سورہ نساء کے پہلے حصے میں اولی الامر کا تعین ہے جو صدیوں سے کاملاً متروک ہو کر رہ گیا ہے یعنی جس پر عمل نہیں کیا جارہا حالانکہ قرآن کریم تمام زمانوں کے لیے کامل اور اس کے کسی ایک حکم پر شعور اور تسلسل سے عمل ترک کر دینا جو کہ صدیوں سے بالفعل ہو رہا ہے۔ کسی طرح بھی اسلام کے دائرے میں نہیں آتا۔ آج کی امت مسلمہ کے لیے اشد ضروری ہے کہ اولی الامر کے بارے میں انتہائی وضاحت سے بات کو سمجھا جائے اور اولی الامر کی اطاعت کی جائے۔ (۱۱۴)

کیا حاکم اولی الامر کا مصداق ہو سکتا ہے؟

اہلسنت مفسر مولانا محمد شفیع سابقہ مفتی دار العلوم دیوبند نے اولی الامر کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ

ایک جماعت مفسرین نے جن میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی شامل ہیں' فرمایا ہے

۱۱۴) ملاحظہ ہو ماہنامہ ''پیام'' اسلام آباد بابت ۱۹۹۴ء

کہ اولی الامر سے مراد حکام اور امراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۵۰)

لیکن جوں جوں فاسق و فاجر اور بدکردار افراد تخت نشین ہوتے گئے' انہیں اولی الامر کہنے کا نظریہ عوام میں غیر مقبول ہوتا چلا گیا لیکن ہر آنے والے حاکم کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی ہوتی تھی کہ حکومت کی کرسی ملنے سے آدمی اولی الامر بن جاتا ہے اور لوگوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف عوام الناس ہیں جو اس نظریے سے آج تک بیزار چلے آ رہے ہیں۔ وہ یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا یزید جیسا فاسق و فاجر اولی الامر کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور خدا ایسے شخص کی اطاعت کا حکم دے سکتا ہے جس نے نواسہ رسولؐ کو شہید کروایا؟ مدینہ منورہ کی بے حرمتی کروائی اور واقعہ حرہ میں بے شمار صحابہ کرامؓ کو چن چن کر شہید کروایا اور بے شمار صحابہؓ زادیوں کی بے حرمتی کروانے کا سبب بنا۔ کیا عبدالملک جیسا شخص اولی الامر کہلانے کا حق رکھتا ہے جو حجاج بن یوسف جیسے سفاک اور صحابہ و تابعین کے قاتل کا سرپرست تھا۔ (۱۱۵) قرآن نے جس اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ کیا ولید بن یزید جیسا شخص اس کا مصداق ہو سکتا ہے۔ جس کا تذکرہ جلال الدین سیوطی کی تاریخ الخلفاء میں پڑھ کر رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

ولید بڑا ہی فاجر و فاسق اور پکا شرابی تھا۔ اس نے ارادہ کیا تھا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب نوشی کرے گا۔۔۔ (خود) ولید کے بھائی سلیمان بن یزید نے کہا: بخدا ولید بڑا پکا شرابی اور

۱۱۵) تاریخ الخلفاء ص ۲۲۰ ترجمہ اقبال الدین احمد شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

بے باک فاسق تھا۔۔۔ ذھبی کا بیان ہے کہ وہ شرابی اور لواطت کا شوقین تھا۔۔۔ ابن فضل اللہ نے مسالک میں لکھا ہے کہ ولید بڑا ہی ظالم' سرکش' حاسد' بے راہ اپنے وقت کا فرعون زمانہ بھر کا عیب دار روز محشر اپنی قوم کے آگے دوزخ میں جانے والا لوگوں کو تکلیف دینے والا بدانجام ہلاک ہونے والا قرآن کریم کو نیزہ پر اٹھانے والا فاسق و فاجر اور گناہوں پر بڑا دلیر تھا۔ (۱۱۶)

کیا منصور دوانیقی جیسا حریص و بخیل اولی الامر کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے جس نے ابن ہرمہ نامی شرابی شاعر کے بارے میں اپنے گورنر مدینہ کو حکم دیا تھا کہ جو اسے شراب پینے پر پکڑے' الٹا اس پکڑنے والے کو سو درے مارے جائیں۔ (۱۱۷)

کیا ہارون الرشید جیسا لہو و لعب کا دلدادہ یا امین و مامون جیسے شرابی یا متوکل جو صرف شراب کا متوالا ہی نہیں تھا بلکہ اس کے پاس چار ہزار لونڈیاں تھیں۔ (۱۱۸) یہ لوگ اولی الامر کہلا سکتے ہیں؟ کیا موجودہ زمانے کے مسلمان حکمران اولی الامر کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں بلکہ موجودہ زمانے میں تو بعض اسلامی ممالک کی حکمرانی عورتوں کے پاس بھی رہی ہے۔ کیا ان کو اولی الامر کہا جا سکتا ہے؟ غرضیکہ حاکم وقت کو اولی الامر کہنے کا نظریہ پہلے ہی اتنا مضبوط نہیں تھا۔ اوپر سے حکمرانوں کے فسق و فجور نے رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ اس سب کچھ کے باوجود ہم اپنے اہلسنت بھائیوں سے یہی کہیں گے کہ اگر انہیں اس بات میں وزن نظر آتا ہے

۱۱۶) تاریخ الخلفاء ص ۲۴۹ تا ۲۵۰ ترجمہ اقبال الدین احمد شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

۱۱۷) تاریخ الخلفاء ص ۲۶۸ ترجمہ اقبال الدین احمد شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

کہ حاکم وقت اولی الامر کا مصداق ہوسکتا ہے تو بڑی خوشی سے اس نظریہ کو قبول کریں۔
اس کے علاوہ اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ کیا اہلسنت کے نزدیک علماء کرام اولی الامر کے مصداق ہوسکتے ہیں؟

کیا اہلسنت نے کبھی کسی عالم الدین کو اولی الامر تسلیم کیا ہے؟

اہلسنت مفسر مولانا محمد شفیع مرحوم نے سورہ نساء کی آیت نمبر ۵۹ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ مجاہد اور حسن بصریؒ مفسرین قرآن نے اولی الامر کے مصداق علماء وفقہا کو قرار دیا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اہلسنت میں بڑے بڑے نامور علماء ہر زمانے میں گزرے ہیں لیکن ان میں سے کوئی صاحب نہ ہی خود اولی اولامر ہونے کا دعویٰ کر سکے اور نہ ہی دوسرے علماء اہلسنت نے کسی عالم کو اولی الامر تسلیم کیا۔ انہی حقائق کے پیش نظر امیر تحریک فہم القرآن جناب محمد امین منہاس نے اصل حقیقت کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کروائی ہے کہ اولی الامر کا تعین اہلسنت میں صدیوں سے کاملاً متروک ہوکر رہ گیا ہے اور آج کی امت مسلمہ کے لیے اشد ضروری ہے کہ اولی الامر کے بارے میں انتہائی وضاحت سے بات کو سمجھا جائے اور اولی الامر کی اطاعت کی جائے۔(۱۱۹)

برادران اہل سنت اولی الامر کے بارے میں کوئی متفقہ رائے کیوں نہ قائم کر سکے اور اولی الامر کے بارے میں ان کا نظریہ تھوڑے ہی عرصہ بعد ٹوٹ پھوٹ کا شکار کیوں ہوگیا؟ پہلے چار خلفاء جنہیں برادران اہل سنت خلفائے راشدین کہتے ہیں،

---

۱۱۸) تاریخ الخلفاء ص۳۳۲ ترجمہ اقبال الدین احمد شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

۱۱۹) ملاحظہ ہو ماہنامہ ''پیام'' بابت ۱۹۹۴ء اسلام آباد

ان کے دور میں یہ نظریہ کسی حد تک عوام کے ذہن میں بیٹھا رہا تھا کہ حاکم وقت ہی اولی الامر ہوتا ہے لیکن بعد میں آنے والے اموی اور عباسی خلفاء کے پست کردار کی وجہ سے لوگ تذبذب کا شکار ہوگئے۔ اب مشکل یہ آن پڑی کہ ہر حاکم کو اولی الامر قرار دے کر اس کی اطاعت واجب قرار دینے میں ان کا ظلم وستم اور فسق وفجور رکاوٹ تھا اور اگر یہ کہا جاتا کہ علماء وفقہاء ہی اولی الامر ہیں تو اس سے ایک طرف حکمرانوں سے ٹکراؤ ہونا فطری امر تھا۔ دوسری طرف ہر عالم دین کو یہ سند مل جاتی کہ اس کی اطاعت واجب ہے اور اس سے بھی بڑی مشکل یہ تھی کہ اس وقت آئمہ اہلبیت بھی موجود تھے جو اپنے اپنے زمانے میں علم و ہدایت اور تقویٰ کے روشن مینار تھے۔ ان کی موجودگی میں کسی بھی عالم دین کا اولی الامر بننے کا دعویٰ آسان نہیں تھا۔ یہ اور اس جیسی بہت ساری وجوہات کی بناء پر یہ نظریہ بھی کتابوں کی حد تک ہی رہ سکا۔ عوام میں رائج نہ ہوسکا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ

اہلسنت میں امامت کا ایک نیا نظریہ رائج ہوگیا:

شیعوں کا نظریہ امامت چونکہ باقی اسلامی فرقوں سے مختلف تھا جس کے مطابق امام بارہ ہیں اور ہر امام اپنے اپنے زمانے میں قرآن وسنت کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے اور اس کی پوری زندگی قرآن وسنت کی عملی تصویر ہوتی ہے لیکن جمہور مسلمین میں بنوامیہ اور بنوعباس کے زمانے میں ایسے لوگ برسر اقتدار آکر امام کہلواتے رہے جو اعلانیہ فسق و فجور کے مرتکب ہوتے تھے۔ ایسے میں عوام یہ جاننے کا حق رکھتے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ایسے اماموں کو معزول کردینا چاہیے یا خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ اس بارے میں میں جمہور مسلمین کے علماء نے جو اصول

بتائے ہیں، وہ بڑی تفصیل سے ان کی کتب میں درج ہیں مثلاً: ''شرح عقائد نسفی'' اہلسنت کے عقائد کی مشہور کتاب ہے۔ اس کی چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں لکھا ہے کہ

دیدہ دانستہ اگر فاسق کو امام بنائیں تو گناہگار ہوں گے البتہ امامت اس کی منعقد ہو جائے گی اور پھر خروج اس پر جائز نہ ہوگا۔ اگر تسلط کر کے فاسق بادشاہ بن جائے تو وہ گناہگار ہوگا۔ مگر لوگوں پر اس کی اطاعت فرض ہوگی اور خروج اس پر حرام ہوگا۔ (۱۲۰) پھر آگے مزید لکھا ہے کہ

اگر عورت یا غلام یا ناقص الاعضاء یا غیر مجتہد وغیرہ مسلط ہو جائے تو اطاعت اس کی واجب ہوگی۔ پس ظاہر ہوا کہ اسلام کے سوا امامت میں کوئی اور بات جیسا کہ بنی ہاشم یا اولاد علیؑ ہونا یا افضل زمانہ ہونا یا معصوم ہونا شرط نہیں جو قیدیں کہ شیعہ نے لگائی ہیں۔

و لایعزل الام بالفسق و الجور (اور امام معزول نہیں ہوتا فسق و فجور سے) بلکہ مستحق عزل ہوگا۔ اگر امام سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے خواہ کبیرہ، خواہ صغیرہ یا کسی پر وہ ظلم کر بیٹھے تو اس سبب سے مسلمانوں کو نہ چاہیے کہ اس امام کو برطرف کر دیں کیونکہ فتنہ عظیم اور کشت و خون ہونے کا احتمال ہے۔ دوسرے جب امام کیلئے معصوم ہونا شرط نہیں تو گناہ کے سبب سے اس کا معزول کرنا محض بے جا ہے۔ اسی

---

(۱۲۰) تہذیب العقائد اردو ترجمہ و شرح عقائد نسفی ص ۱۰۲ ترجمہ مولانا نجم الغنی ناشر قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

سبب سے سلف کے لوگ خلفائے راشدین کے بعد ظالم اور فاسق اماموں کی بھی اطاعت کرتے رہے اور ان کے ساتھ جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھتے اور ان پر چڑھائی کرنے کو برا سمجھتے تھے۔ ابن عباسؓ سے بخاری اور مسلم نے روایت کی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اپنے امیر سے اگر کسی بری بات کو سرزد ہوتے دیکھے تو اس پر صبر کرنا چاہیے جو شخص صبر نہیں کرے گا اور جماعت سے جدا ہو جائے گا تو اس طرح مرے گا جیسے اہل جاہلیت مرتے ہیں۔ (۱۲۱)

امامت کے بارے میں یہ تفصیل ہم نے اہلسنت کی نہایت مستند اور مشہور کتاب سے نقل کی ہے۔ اس عبارت کے آخر میں حضرت ابن عباسؓ کی زبانی پیغمبر اکرمؐ کی جو حدیث نقل کی گئی ہے۔ اس بارے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ ایسی حدیثیں ظالم و جابر حکمرانوں نے سادہ لوح عوام کو خاموش کرنے کے لیے اپنے زرخرید علماء سے تیار کروائیں اور بزرگ شخصیات کے ذریعے آنحضرتؐ سے منسوب کردیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر اس حدیث میں تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر حاکم شرع پانچ دس یا دو چار سو افراد کو کسی مہم پر روانہ کرے اور ان پر کسی ایک آدمی کو امیر مقرر کرے اور راستے میں وہ امیر کوئی غلط کام کر گزرے تو ایسی صورت میں بجائے راستے میں ہی اس امیر کی مخالفت کرنے یا الگ جماعت بنا لینے کے انسان حاکم شرع کے پاس واپس آنے تک صبر کرے اور بس۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بات کو مزید آگے بڑھا کر بحث کو طول دینے کی بجائے شیعوں کے نظریہ امامت کی مزید تھوڑی وضاحت کر کے اس بحث کو سمیٹ دیں۔

---

(۱۲۱) ملاحظہ ہو تہذیب العقائد اردو ترجمہ و شرح عقائد نسفی ص ۱۰۲ ترجمہ مولانا نجم الغنی مطبوعہ کراچی

شیعوں کو باقی اسلامی فرقوں سے ممتاز کرنے والی چیز اولی الامر کا تعین ہے:

جو چیز شیعوں کو باقی اسلامی فرقوں سے ممتاز ہی نہیں کرتی بلکہ شیعیت کے استحکام وترقی میں مرکزی کردار ادا کرتی چلی آ رہی ہے۔ وہ شیعوں کا اولی الامر کے بارے میں واضح دوٹوک اور خوبصورت موقف ہے کہ اولی الامر صرف وہی ہستیاں ہوسکتی ہیں۔ جو اپنے اپنے زمانے میں قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والی ہوں اور سیرت پیغمبرؐ کا عملی نمونہ ہوں اور وہ آئمہ اہلبیت تھے۔ پیغمبر اکرمؐ کے بعد تقریباً اڑھائی سو سال تک آئمہ اہلبیت بحیثیت اولی الامر موجود رہے اور جیسا کہ پہلے بھی لکھا جاچکا ہے کہ یہ بزرگوار اپنے اپنے زمانہ کے گم نام افراد نہیں تھے کہ انہوں نے لوگوں سے علیحدہ رہ کر زندگی گزاری اور نہ ہی ایسا تھا کہ یہ آئمہ لوگوں کے درمیان تو رہے لیکن لوگ ان کے علمی مقام ومرتبہ سے نہ واقف رہے بلکہ جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ ان میں سے ہر امام اپنے اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم اور سب لوگوں سے بڑھ کر متقی اور پرہیز گار تھے جیسا کہ ان آئمہ کے حالات میں گذشتہ صفحات میں لکھا جاچکا ہے۔

آئمہ اہلبیت کا اپنے بعد امت کی راہنمائی کا بندوبست کرنا:

پیغمبر اکرمؐ کے بعد تقریباً اڑھائی سو سال تک آئمہ اہلبیت لوگوں کی راہنمائی کے لیے مرجع خلائق رہے۔ ان آئمہ کے بعد لوگ دینی مسائل میں راہنمائی کہاں سے حاصل کریں۔ اس سلسلے میں ان آئمہ نے اپنی زندگی میں ہی راہنما اصول دیئے تاکہ لوگ انتشار کا شکار نہ ہوں اور مرکزیت قائم رہے۔ اس سلسلے میں آئمہ نے

لوگوں کی راہنمائی کے لیے قرآن وسنت کے جاننے والے فقہا کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سلسلے میں گیارہویں امام حسن عسکری علیہ السّلام سے منقول ہے:

> فاما من كان من الفقهاء صائنا لنفسه حافظاً لدينه مخالفا لهواه مطيعا لامر مولاه فللعوام ان يقلدوه
>
> مجتہدین اور فقہا میں سے جو شخص اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے والا، اپنے دین کی حفاظت کرنے والا، خواہشات نفسانی کی مخالفت کرنے والا اور خدا کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہو تو عوام کو چاہیے کہ اس کی تقلید کریں۔

اسی طرح امام آخرالزمانؑ ایک سائل کے جواب میں فرماتے ہیں:

> و اما الحوادث الواقعة فارجعوا فيها الى رواة احاديثنا فانهم حجتى عليكم و انا حُجّة الله عليهم
>
> (ہمارے بعد) پیش آنے والے واقعات میں ان اشخاص کی طرف رجوع کرو جو ہمارے علوم حاصل کرکے دوسروں تک پہنچاتے ہیں کیونکہ وہ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں خدا کی طرف سے ان پر حجت ہوں۔ (۱۲۲)

واضح رہے کہ ہر فقیہ اور مجتہد لائق تقلید نہیں بلکہ جس میں آئمہ کی بیان کردہ مندرجہ بالا شرائط پائی جاتی ہوں، اسے مجتہد جامع الشرائط کہا جاتا ہے اور شیعہ اپنے

---

(۱۲۲) ملاحظہ ہو تقلید کیا ہے؟ از آیت اللہ علی مشکینی اردبیلی ص ۱۲، ۱۸

آئمہ کے بعد ہر زمانے میں ایسے مجتہدین کی تقلید کرتے چلے آرہے ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ صرف شیعوں نے ہی اپنے آئمہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے ان مجتہدین کے احکام کو دل و جان سے تسلیم نہیں کیا بلکہ ان مجتہدین نے بھی ہر قسم کے مصائب و آلام سہہ کر اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے سیرت آئمہ کا عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ بھی وہ مقام حاصل نہ کر سکے جو شیعہ فقہاء کو اپنے زمانے میں حاصل ہوتا رہا ہے۔ ابتدائی صدیوں میں شیخ صدوقؒ شیخ مفیدؒ اور سید مرتضٰی علم الہدیٰ ہوں یا شیخ ابوجعفر طوسیؒ علامہ حلیؒ یا دسویں گیارھویں صدی میں محقق کرکیؒ شہید ثانیؒ، شیخ مرتضٰی اردبیلیؒ یا شیخ بہائیؒ ان بزرگوں کو اپنی زندگیوں میں جو مقام حاصل رہا، حکام وقت بھی اس پر حیران و ششدر رہتے تھے اور ان کے بعد چودھویں صدی کے سید حسین بروجردیؒ ہوں یا آقائے محسن الحکیم یا عصر حاضر کے سید ابوالقاسم خوئی (تقلید کے بارے میں مزید تفصیل جاننے کے لیے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔) ہوں یا طاغوت شکن آیت اللہ خمینی۔ کیا کوئی بڑے سے بڑا حکمران وہ مقام حاصل کر سکا جو ان بوریا نشین فقہاء کو حاصل رہا۔

شیعہ فقہاء مجتہدین کی قدر و منزلت کی وجوہات:

شیعہ فقہاء و مجتہدین کی عوام کی نظروں میں اتنی زیادہ قدر و منزلت اور وقار کی پہلی وجہ تو یہی نظر آتی ہے کہ خود آئمہ اہلبیت نے لوگوں کو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے اور دوسری وجہ ان مجتہدین کا ذاتی کردار لوگوں سے ان کا حسن سلوک ان کی خدا خوفی اور خمس کی صورت میں ان کے پاس کروڑوں سے متجاوز روپے ہونے کے باوجود ان کی ذاتی زندگی کا انتہائی سادہ ہونا اور اس جیسی بے شمار باتیں ہیں

اور ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات کہ شیعہ فقہاء و مجتہدین کی شروع ہی سے یہ روش رہی ہے کہ نہ ہی پیچھے والے علماء خواہ مخواہ اور زبردستی آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی آگے والے دوسروں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ جوں جوں کسی کا علمی مقام و مرتبہ بلند ہوتا جاتا ہے۔ اس کی علمی و فقہی کاوشیں علماء کے سامنے آتی جاتی ہیں۔ وہ خود بخود آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور باقی علماء نہ صرف اس کی علمی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں بلکہ لوگوں کو بھی اس مجتہد کی طرف رجوع کرنے کے لیے کہتے ہیں بلکہ شیعہ مرجعیت کا ایک انتہائی سنہرا واقعہ یہ ہے کہ آیت اللہ حسین کوہ کمری اپنے زمانے کے مرجع تقلید تھے اور بہت سارے لوگ ان کے مقلد تھے لیکن انہوں نے شیخ مرتضٰی انصاریؒ جو عمر میں ان سے کافی چھوٹے تھے لیکن ان کی علمیت دیکھ کر آیت اللہ حسین کوہ کمری نے اپنے تمام مقلدین کو حکم دیا کہ وہ شیخ مرتضٰیؒ کی تقلید کریں۔ (۱۲۳)

یہ فقط ایک مثال ہے ورنہ ایسی بہت ساری مثالیں موجود ہیں جن کی وجہ سے شیعیت ہر دور میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔

---

(۱۲۳) ملاحظہ ہو حکایتیں ھدایتیں ص ۶۳ تا ۶۴ تقاریر از شہید مرتضٰی مطہریؒ مرتبہ محمد جواد صاحبی مطبوعہ لاہور

مسئلہ امامت کی بابت شیعوں پر چند بے بنیاد تہمتیں:

جس طرح شیعوں کے باقی عقائد (مثلاً: تقیہ، نکاح، متعہ وغیرہ) کو توڑ مروڑ کر سادہ لوح عوام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح شیعوں کے عقیدہ امامت کے بارے میں بہت ساری بے بنیاد تہمتیں ہر زمانے میں ان پر لگائی جاتی رہی ہیں تاکہ عوام کو نہ صرف ان سے نفرت دلائی جائے بلکہ انہیں اشتعال بھی دلایا جاسکے اور اس بات کا زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ شیعوں پر ایسے من گھڑت الزامات لگانے والے کوئی عام مولوی نہیں بلکہ اپنے وقت کے انتہائی جید علماء ہوتے تھے اور آج بھی ایسے علماء جن کا معاشرے میں بہت بلند مقام ہے۔ وہ اس افسوسناک روش کو اپنائے ہوئے ہیں۔ بطور مثال ہم دیوبندی مکتب فکر کی انتہائی بزرگ شخصیت جن کا تعارف ان کی کتاب سے پیش لفظ میں ان الفاظ میں کروایا گیا ہے۔

قدوۃ السالکین استاد العلماء شیخ المشائخ
حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی زادہ
اللہ شرفاء و کرامۃ

اس بزرگ دیوبندی عالم نے اپنی کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' میں ''شیعہ سنی اختلاف'' کے زیر عنوان انتہائی افسوسناک اور بے بنیاد باتیں بلکہ من گھڑت اور خودساختہ عقائد شیعوں سے منسوب کیے ہیں۔ مثلاً: شیعوں کے بارے میں نظریہ امامت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شیعوں کا اپنے آئمہ کے بارے میں عقیدہ ہے کہ ''ان پر (یعنی آئمہ پر) وحی نازل ہوتی ہے۔ ان کی اطاعت نبی کی طرح فرض ہے۔ وہ نبی کی طرح احکام شریعت نافذ کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر

یہ کہ وہ قرآن کریم کے جس حکم کو چاہیں منسوخ یا معطل کر سکتے ہیں۔(۱)

جناب مولانا یوسف لدھیانوی نے یہ بے بنیاد عقائد کہاں سے نقل کیے ہیں؟

ہم جناب مولانا یوسف لدھیانوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آئمہ پر وحی نازل ہونے کا شیعہ عقیدہ ہونا کس کتاب میں لکھا ہوا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والے شیعہ کس دنیا میں رہتے ہیں۔ آپ جیسی بزرگ علمی شخصیت کو اتنی بڑی بات بغیر کسی حوالہ کے لکھتے ہوئے اپنے مقام و مرتبہ کا تو خیال رکھنا چاہیے تھا کہ آپ کے قلم سے نکلی ہوئی بات خود حوالہ بن جائے گی اور آپ کے پیروکار اسے سر آنکھوں پر رکھیں گے اور پھر نفرتوں کی جو آگ جلے گی معاشرے پر اس کے کتنے بُرے اثرات مرتب ہوں گے

ہم اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ لکھ چکے ہیں کہ بنی امیہ بنی عباس کی حکومتیں جب اپنی ظلم وستم کی چکیوں میں پسنے کے باوجود شیعیت کو ختم نہ کرسکیں تو انہوں نے ایسے جھوٹے اور بے بنیاد الزامات مذہب شیعہ پر لگانے شروع کردیئے شیعہ علماء ہر زمانے میں ایسے بے سروپا الزامات کی تردید کرتے رہے ہیں۔ مثلاً:

چوتھی صدی ہجری کے بزرگ شیعہ عالم شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں کہ

آئمہ کے متعلق وحی کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔(۲)

شیعہ محدث شیخ یعقوب کلینیؒ نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کی زبانی ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں نبی اور امام کا فرق واضح کرتے ہوئے امام فرماتے ہیں کہ

---

۱) ملاحظہ ہو اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۲۳ مطبوعہ کراچی

۲) ملاحظہ ہو اوائل المقالات ص ۷۸ مطبوعہ ایران

فیسمع الوحی و هم لا یسمعون

یعنی رسول (احکام) بذریعہ وحی خدا سے لیتے ہیں لیکن آئمہ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔(۳)

آئمہ پر عقیدہ وحی کی تردید حضرت علیؑ کی زبانی:

امام اول حضرت علیؑ نے بے شمار مواقع پر انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وحی کا تعلق انبیاء سے ہے اور آئمہ پر وحی آنے کا تصور بھی مکتب اہلبیت میں موجود نہیں ہے۔نہج البلاغہ جو کہ حضرت علیؑ کے خطبات پر مشتمل ہے۔اس کے پہلے ہی خطبے میں فرشتوں کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

و منهم امناء علی وحیه و السنة الی رسله...

یعنی ان میں سے کچھ تو وحی الٰہی کے امین اس کے رسولوں کی طرف پیغام رسانی کے لیے زبان حق اور اس کی قطعی فیصلوں اور فرمانوں کو لے کر آنے جانے والے ہیں۔(۴)

دوسری جگہ وحی کو خاصہ انبیاء قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

بعث الله رسله بما خصهم به من وحیه

یعنی اللہ سبحانہ نے اپنے رسولوں کو وحی کے امتیازات کے ساتھ بھیجا۔

ایک جگہ آنحضرتؐ کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے بڑے بڑے دوٹوک الفاظ میں

---

(۳) الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۲ ص ۱۲۷ مطبوعہ کراچی

(۴) ملاحظہ ہو نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱ ترجمہ مفتی جعفر حسین مرحوم

فرماتے ہیں:(۵)

فقفی به الرسل و ختم به الوحی

(یعنی اللہ تعالیٰ نے) آپ کو سب رسولوں سے آخر میں بھیجا اور آپ کے ذریعے وحی کا سلسلہ ختم کیا۔(۶)

پھر ایک جگہ آنحضرت کی وفات کے موقع پر فرماتے ہیں:

بابی انت و امی یا رسولؐ الله لقد انقطع بموتک ما لم ینقطع بموت غیرک من النبوة و الانباء و اخبار السماء

(فرماتے ہیں) یا رسولؐ خدا! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کے رحلت فرما جانے سے نبوت ”خدائی احکام“ اور آسمانی خبروں کا سلسلہ ختم ہو گیا جو کسی اور (نبی) کے انتقال سے قطع نہیں ہوا تھا۔(۷)

یعنی سابقہ زمانوں میں ایک نبی کے بعد دوسرے نبی تشریف لے آتے تھے اور وحی کا سلسلہ نہیں رکتا تھا۔لیکن آنحضرتؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد نبوت کا سلسلہ ہی بند ہو گیا اس لیے کسی غیر نبی پر وحی آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آئمہ اہلبیت پر شریعت محمدیہؐ کے حلال و حرام کو تبدیل کرنے کا الزام:

یہ بزرگ دیوبندی عالم خدا معلوم شیعوں کے بارے میں کیسی کیسی غلط فہمیوں کا

---

(۵) ملاحظہ ہو نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۴۲ ترجمہ مفتی جعفر حسین مرحوم

(۶) ملاحظہ ہو نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۳۱ ترجمہ مفتی جعفر حسین مرحوم

(۷) ملاحظہ ہو نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۳۲ ترجمہ مفتی جعفر حسین مرحوم

شکار ہیں کیونکہ تھوڑا آگے ایک اور افسوسناک الزام شیعوں پر عائد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب نبوت کا آفتاب قیامت تک کی ساری دنیا کو منور کرنے کے بعد رخصت ہوتا ہے تو شیعہ عقیدہ کے مطابق خدا ایک دن کیا ایک لمحہ کا وقفہ بھی نہیں کرتا بلکہ فوراً ایک ''معصوم امام'' کو کھڑا کر کے اسے شریعت محمدیہؐ کے حلال و حرام کو بدلنے اور قرآن کو منسوخ کرنے کے اختیارات دے دیتا ہے اور پھر ایک نہیں لگاتار بارہ امام اسی شان کے بھیجتا رہتا ہے۔(۸)

گذشتہ الزام کے طرح اگر مولانا یوسف لدھیانوی صاحب کے اس الزام میں بھی رتی بھر صداقت ہوتی تو بطور مثال ایک مسئلہ ہی سامنے لاتے کہ قرآن میں یہ حکم اس طرح نازل ہوا ہے اور شیعوں کے آئمہ نے اسے تبدیل کر دیا ہے۔

شریعت محمدیہؐ کے حلال و حرام کی بابت شیعہ مذہب کا اٹل قانون:

جو لوگ لاعلمی یا سینہ زوری کی بناء پر شیعوں کے آئمہ پر شریعت محمدیہؐ کے حلال و حرام کو بدلنے کا الزام لگاتے ہیں وہ آئمہ اہلبیت کے فرامین سن لیں:

حلال محمد حلال ابد الی یوم القیامة و حرامه حرام ابد الی یوم القیامة

جس کو آنحضرتؐ نے حلال بتایا ہے وہ قیامت تک حلال ہے اور جسے حرام قرار دیا ہے وہ قیامت تک حرام ہے۔(۹)

---

۸) اختلاف امت اور صراط مستقیم شائع کردہ مکتبہ لدھیانوی کراچی

۹) الشافی ترجمہ اصول کافی ج۱ ص ۱۰۸ ، ج ۳ ص ۲۳۰ طبع کراچی

۱۰) الشافی ترجمہ اصول کافی ج۲ ص ۶۱

اصول کافی میں ایک باب ہے جس میں امام کی صفات کا بیان ہے اس میں امام رضا علیہ السّلام فرماتے ہیں:

الامام یحل حلال الله و یحرم حرام الله

یعنی امام حلال کرتا ہے حلال خدا کو اور حرام کرتا ہے حرام خدا کو(۱۰)

قرآن و سنت اور آئمہ اہلبیتؑ کی سیرت کے چند نمونے:

جناب مولانا سید یوسف لدھیانوی اور ان جیسے دیگر بزرگوں کی خدمت میں ہم آئمہ اہلبیتؑ کی سیرت کے صرف چند واقعات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ مثلاً: حضرت علیؑ کے سامنے ایک زانیہ عورت کا مقدمہ پیش ہوا جب شرعی طریقہ سے اس کا جرم ثابت ہو گیا تو آپ اسے سزا دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے اللہ! میں تیری کتاب کی تصدیق اور تیرے نبیؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اسے رجم کی سزا دے رہا ہوں۔(۱۱)

دوسری جگہ حضرت علیؑ کے الفاظ اس طرح ہیں:

اے اللہ! میں تیری حدود کو معطل کرنے والا نہیں نہ تیری مخالفت اور تجھ سے دشمنی رکھنے والا ہوں اور نہ تیرے احکام کو ضائع کرنے والا ہوں بلکہ تیرے حکم کی اطاعت کرنے والا اور تیرے نبیؐ کی سنت کی پیروی کرنے والا ہوں۔(۱۲)

ایک شخص امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک مسئلہ پوچھا امام

---

۱۱) من لایحضرہ الفقیہ ج۴ ص۲۱ مطبوعہ کراچی

۱۲) من لایحضرہ الفقیہ ج۴ ص۲۴ مطبوعہ کراچی

نے اس کا جواب دیا اور اس نے کہا کہ اگر یہ مسئلہ اس طرح ہوتا تو آپ کا کیا جواب ہوتا۔ امام نے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا:

خاموش میں نے جو جواب دیا ہے وہ وہی ہے جو میں نے رسولؐ خدا سے نقل کیا ہے ہم خود اپنی طرف سے نہیں کہتے۔ (۱۳)

اعمال حج کی تعلیم دیتے ہوئے امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

آنحضرتؐ کی سنت ہی وہ سنت ہے جس کی اتباع کی جاتی ہے۔ (۱۴)

تھوڑا آگے اعمال حج کے بیان میں ہی ایک دعا فرماتے ہیں:

اے اللہ! تجھ پر ایمان رکھتے ہوئے، تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے، نبیؐ کی سنت پر قائم رہتے ہوئے میں رمی کر رہا ہوں۔ (۱۵)

ہم بات کو طول دینے کی بجائے اپنے بیان کو یہیں ختم کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ بار الہا ہمیں بھی اور ہمارے اہلسنت بھائیوں کو بھی حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور بھائیوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی بدگمانیوں کو دور فرما۔ (آمین)

امام کا فریضہ دین الٰہی کی حفاظت ہے:

ہمارے برادران اس بات کو بھی سمجھ لیں کہ شیعہ عقیدہ کی رو سے یہ بات آئمہ

۱۳) الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۱، ص ۱۰۸ مطبوعہ کراچی
۱۴) من لایحضرہ الفقیہ ج ۲، ص ۳۱۲ مطبوعہ کراچی
۱۵) من لایحضرہ الفقیہ ج ۲، ص ۳۱۵ مطبوعہ کراچی

کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ احکام اسلامیہ نہ صرف بیان کریں بلکہ اگر لوگ ان میں کمی بیشی کریں تو ان کی راہنمائی کریں۔ اس سلسلہ میں امام جعفر صادقؑ امام کی ذمہ داری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ان زاد المومنون شیاء ردھم و ان نقصو شیاء اتمہ لھم

اگر مومنین امر دین میں (اپنی کم عقلی کی وجہ سے) کوئی زیادتی کریں تو امام اسے رد کر دے اور اگر کمی کریں تو ان کے لیے پورا کر دے۔ (۱۶)

جس نے کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی مخالفت کی اس نے کفر کیا:

امام جعفر صادقؑ بڑے واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

من خالف کتاب اللہ و سنۃ محمدؐ فقد کفر

جس نے کتاب خدا اور سنت محمدؐ کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔ (۱۷)

جن مسائل کا جاننا لوگوں کے لیے ضروری ہے ان کا علم قرآن و سنت میں موجود ہے:

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

خدا نے کسی ایسی چیز کو نہیں چھوڑا جس کی امت محتاج تھی اس کو اپنی کتاب میں نازل کیا اور اپنے رسولؐ پر ظاہر کر دیا۔ (۱۸)

۱۶) الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۲، ص ۲۳ مطبوعہ کراچی
۱۷) الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۱، ص ۱۰۵، ج ۱، ص ۱۲۳ مطبوعہ کراچی
۱۸) الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۱، ص ۱۱۰ مطبوعہ کراچی

اب شیعہ بڑی جائز اور معقول بات کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بعد جن بارہ خلفاء کی پیشن گوئی فرمائی تھی ان کے پاس ہر اس بات کا علم قرآن وسنت کی روشنی میں موجود ہے۔ جن کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے اس سلسلے میں امام محمد تقیؑ فرماتے ہیں:

> پورا علم تو خدا کے پاس ہے لیکن جتنا علم بندوں کے لیے ضروری ہے وہ اوصیاء رسولؐ کے پاس ہے۔ (۱۹)

اور پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بعد آئمہ اہلبیت کو اس علم کا وارث بنایا ہے اس کی وجہ امام جعفر صادقؑ یوں بیان فرماتے ہیں کہ

> اگر رسولؐ اللہ نے اپنے علم میں کسی کو جانشین نہ بنایا ہوتو آنحضرتؐ کے بعد آنے والی نسلیں ضائع ہو جاتیں۔ (۲۰)

اب ہم اہلسنت علماء مفکرین' عوام الناس اور دانشور حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ

ذرا ایک نظر انصاف ادھر بھی:

ہم نے تو شیعہ کتب احادیث سے یہ بات ثابت کردی ہے کہ مذہب شیعہ کے مطابق محمد عربیؐ کا لایا ہوا اور ان کا بتلایا ہوا حلال ہی قیامت تک حلال ہے اور انہی کا بتلایا ہوا حرام قیامت تک حرام ہے۔

دعوتِ فکر:

ہم بڑے ادب اور معذرت سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتے ہیں کہ کیا

---

(۱۹) الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۲' ص ۱۳۰ مطبوعہ کراچی
(۲۰) الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۲' ص ۱۳۱ مطبوعہ کراچی

برادران اہلسنت کے اپنے ہاں بھی یہ قانون رائج ہے کہ آئمہ اہلبیت پر شریعت محمدیہؐ اور قرآن کے احکام کو تبدیل کرنے کا الزام لگانے والے ذرا سوچیں اور غور فرمائیں کہ

۱۔ قرآن نے طلاق کا حکم کس طرح دیا ہے آپ کے پاس حکم قرآن میں تبدیلی کیوں آئی؟

۲۔ قرآن میں حج تمتع کا حکم سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۹۶ میں موجود ہے اس حکم الٰہی میں تبدیلی کیوں آئی؟

۳۔ قرآن مؤلفۃ القلوب کو زکوۃ دینے کا حکم دیتا ہے اور جو لوگ قیامت تک اسلام کی طرف راغب ہوتے رہیں گے ان کا حصہ قرآن کی رو سے موجود ہے لیکن آپ کے ہاں اس حکم میں تبدیلی کیوں آئی؟

۴۔ قرآن میں آل رسولؐ کو خمس دینے کا حکم سورہ انفال کی آیت نمبر ۴۱ میں موجود ہے آپ کے ہاں یہ حکم کیوں تبدیل ہوا؟

(ان احکام کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان ہوگی)

حیرانگی کی بات تو یہ ہے کہ علمائے اہلسنت اس موضوع پر بڑی بڑی کتب تحریر کر کے ثابت کر رہے ہیں کہ وقت اور حالات کی تبدیلی سے احکام قرآن بدل سکتے ہیں۔ جو انصاف پسند قارئین مطالعہ کرنا چاہیں وہ اہلسنت اسکالر مولانا محمد تقی امینی کی کتاب ''احکام شریعہ میں حالات و زمانہ کی رعایت'' (۲۱ حاشیہ صفحہ مابعد) کا مطالعہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ کیا قصوروار پھر بھی شیعہ ہیں؟

اہلسنت اسکالر پروفیسر ابو زہرہ مصری کے اعتراضات:

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ مصر جیسی علمی سرزمین سے تعلق رکھنے والے اور

اسلامی یونیورسٹی کے پروفیسر ابوزہرہ جو بڑی حد تک اعتدال پسند سمجھے جاتے ہیں انہوں نے بھی شیعوں پر الزامات لگانے کو شاید کارخیر سمجھ کر ان پر یہ الزام لگایا ہے کہ بعض شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ نے وحی دراصل حضرت علیؑ کو دینا تھی۔لیکن غلطی سے پیغمبر اکرمؐ کو دے گئے۔ پھر یہ بھی لکھا کہ بعض شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حضرت علیؑ میں حلول کر گئی ہے۔ لاحول و لاقوۃ الا باللہ. ہم جناب اوزہرہ مصری کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں۔تصویر کا غلط رُخ پیش کر کے ہم سوائے نفرتیں بانٹنے کے اور کیا کر سکتے ہیں۔اسلام تو اخوت و محبت کا درس دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی باتوں سے محفوظ رکھے۔(آمین!)

---

(۲۱) (حاشیہ صفحہ ماقبل) یہ کتاب الفیصل ناشران و تاجران کتب غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور نے شائع کی ہے۔اسی طرح ڈاکٹر احمد محمصانی صحی نے اپنی کتاب ''التاریخ الفلسفۃ التشریح الاسلامی'' میں لکھا ہے کہ کتاب وسنت کے منصوص احکام میں حکومت وقت کو تبدیلی کا حق ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ اہلسنت سکالر مجیب اللہ ندوی کی کتاب ''اجتہاد اور تبدیلی احکام'' ص ۷ شائع کردہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ لاہور

فروع دین

- نماز
- نماز کی اہمیت قرآن وسنت کی روشنی میں
- روزہ
- روزہ رکھنے کی تاکید اور بلاوجہ ترک کرنے کی مذمت قرآن وسنت کی روشنی میں
- زکوٰۃ، قرآن وسنت کی روشنی میں
- حج کی اہمیت قرآن وسنت کی روشنی میں
- خمس
- جہاد

نماز:

اسلام میں تمام عبادات میں سے زیادہ عظیم عبادت نماز ہے۔ باقی اہل اسلام کی طرح شیعہ بھی نماز کو دین کا رکن سمجھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے کہ جو مرد، عورت، امیر، غریب، بوڑھے، جوان حتیٰ کہ تندرست و بیمار سب پر واجب ہے۔ اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر پڑھے اور بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے، لیٹ کر نہیں پڑھ سکتا تو اشاروں سے پڑھے۔ چونکہ نماز کا وجوب اسلام کے مسلمہ احکام میں سے ہے۔ پس جو کوئی نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے نماز نہ پڑھے تو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن اگر سستی اور لاپرواہی کی وجہ سے نماز ترک کرتا ہے تو ایسا شخص گنہگار ہے۔

نماز کی اہمیت قرآن وسنت کی روشنی میں:

سورۃ روم میں ارشاد ربانی ہے کہ نماز ادا کرو اور مشرکین میں سے نہ بن جاؤ۔(۱) اور سورہ مدثر میں ارشاد ہوتا ہے کہ جنتی لوگ اہل جہنم سے سوال کریں گے کہ تمہیں کونسی چیز جہنم میں لے آئی تو جہنم والے جواب دیں گے ہم نماز ادا نہیں کرتے تھے۔(۲) احادیث میں نماز کی کتنی تاکید وارد ہوئی ہے، اس کیلئے یہی حدیث کافی ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے جس عمل کے بارے میں باز پرس ہوگی، وہ نماز ہے۔ اگر وہ قبول ہوگئی تو باقی اعمال بھی قبول ہو جائیں گے اور اگر وہ رد کردی گئی تو باقی اعمال بھی رد کردیئے جائیں گے۔(۳) نماز میں سستی کرنے والے کے بارے میں نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز اس شخص کو میری شفاعت نہیں پہنچے گی جو واجب نماز میں وقت داخل ہونے کے بعد تاخیر کرے۔(۴)

روزہ:

روزہ اسلامی شریعت کا ایک اہم رکن ہے۔ اس امت پر بھی روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جیسے سابقہ امتوں پر فرض تھا۔

روزہ رکھنے کی فضیلت اور ترک کرنے کی مذمت:

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ خالص میرے لیے ہے اور میں

---

۱) سورہ روم آیت ۳۱

۲) سورہ مدثر آیت ۴۰، ۴۱

۳) وسائل الشیعہ ج ۳ مستدرک الوسائل وغیرہ

۴) وسائل الشیعہ ج ۳

ہی اس کی جزا دوں گا۔(۵) نبی کریمؐ فرماتے ہیں روزہ جہنم سے بچنے کی ڈھال ہے۔ رمضان کے روزوں کا واجب ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی عذر کے روزہ نہ رکھے تو حاکم شرع کو چاہیے کہ وہ ایسے شخص کو سزا دے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے ایک دن بھی روزہ نہ رکھے تو اس سے ایمان کی روح نکل جاتی ہے۔(۶)

زکوٰۃ

شیعوں کے نزدیک نماز کے بعد جس چیز پر زیادہ زور دیا گیا ہے' وہ زکوٰۃ ہے۔ واجب زکوٰۃ ادا نہ کرنا ایسا گناہ ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے تو (اے رسولؐ) ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔(۷)

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جو کوئی آپ نے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا تو بروز قیامت وہ مال آگ کے اژدھے کی صورت میں اس کے گلے میں ہوگا اور وہ اس کا حساب ختم ہونے تک اس کا گوشت چباتا رہے گا۔(۸)

بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ سانپ اس کے چہرے کو گرفت میں لے کر کہے گا کہ میں تیرا وہی مال ہوں' جس پر تو دوسروں کے سامنے فخر کیا کرتا تھا۔

---

(۵) من لایحضرہ الفقیہ
(۶) من لایحضرہ الفقیہ
(۷) سورہ توبہ آیت ۳۴
(۸) وسائل الشیعہ ج ۲' باب ۳

احادیث میں آیا ہے کہ جب لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا نہ کریں گے تو ان کی زراعت و معدنیات سے برکت اٹھا لی جائے گی۔ اس لیے پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے ذریعے اپنے اموال کی حفاظت کرو۔(۹) زکوٰۃ مندرجہ ذیل اشیاء پر واجب ہے:

۱۔ اونٹ ۲۔ گائے ۳۔ بکری ۴۔ گندم
۵۔ جو ۶۔ کھجور ۷۔ کشمش ۸۔ سونا
۹۔ چاندی

شیعہ فقہا کے مطابق سونے اور چاندی پر زکوٰۃ اس وقت ہوگی جب یہ سکے کی شکل میں ہونگے۔ اس کے علاوہ سامان تجارت اور زمین سے اُگنے والی دیگر اجناس پر بھی زکوٰۃ مستحب ہے۔

حج:

شیعہ عقیدہ کی رو سے حج کا وجوب بھی نماز کی طرح اسلام کے ضروری احکام میں سے ہے۔ اس لیے جو شخص اس کے وجوب سے انکار کرتے ہوئے اسے ترک کرے' وہ کافر ہے اور جو شخص اس پر عقیدہ رکھے اور اس کے بجالانے میں سستی کرے اور اسے اہمیت نہ دے تو اس نے گویا حکم خدا کی عملاً توہین کی ہے۔ شہید ثانی نے مسالک میں فقہائے امامیہ کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے کہ قرآن وسنت کے دلائل سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اگر ایک شخص ایک سال میں حج کی استطاعت رکھتے ہوئے اس میں بلاوجہ تاخیر کرے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔

---

(۹) وسائل الشیعہ

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ

جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس نے واجب حج ادا نہ کیا ہو جبکہ حج کی ادائیگی میں اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی یعنی اسے کوئی ضرورت یا پریشانی لاحق نہیں تھی نہ ہی وہ مریض تھا اور نہ ہی کوئی طاقتور شخص اس کی راہ میں رکاوٹ تھا تو قیامت کے دن خدا اسے یہودی یا نصرانی محشور کرے گا۔(۱۰)

ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں:

اے لوگو! حج کرنے والوں کی خدا مدد کرتا ہے اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس کا اجر انہیں دنیا میں بھی ملتا ہے اور (آخرت میں) بھی خدا نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔(۱۱)

امام جعفر صادقؑ اپنے آباؤ اجداد کے ذریعے سے روایت کرتے ہیں:

ایک اعرابی نبی اکرمؐ کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ! میں حج کے لیے روانہ ہوا تھا لیکن حج پر پہنچ نہیں سکا۔ اللہ نے مجھے مال و دولت دی ہوئی ہے کتنا مال خرچ کروں کہ مجھے حج کا ثواب حاصل ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ابوقیس پہاڑ کی جانب دیکھو اگر وہ سونا بن کر تمہاری ملکیت بن جائے اور تم وہ سارا سونا راہ خدا میں خرچ کر دو پھر بھی تم حج کرنے والے کے مرتبے تک نہیں

---

۱۰) وسائل الشیعہ ج۸

۱۱) احتجاج طبرسی

پہنچ سکتے۔(۱۲)

خمس:

چونکہ زکوٰۃ و صدقات فرمان پیغمبر اکرمؐ کے مطابق لوگوں کے ہاتھوں کا میل کچیل ہے جو کہ آل محمدؐ کے لیے لینا جائز نہیں ہے۔ بخاری شریف میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اولاد رسول کو یہ عزت و تکریم دی ہے کہ ان کے لیے قرآن میں خمس کا حکم نازل فرمایا ہے۔ سورہ انفال میں ارشاد ہوتا ہے:

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسه و للرسول و لذی القربیٰ و الیتمیٰ و المسکین و ابن السبیل ان کنتم امنتم باللہ

اور جان لو کہ اگر تم کسی چیز سے نفع حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ اور (رسولؐ کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پردیسیوں کے لیے ہے۔ اگر تم خدا پر ایمان لا چکے ہو۔ (سورۃ انفال آیت ۴۱)

مسئلہ خمس کی مکمل تفصیل اور اس پر شیعہ سنی نقطہ نظر ہم تھوڑا آگے چل کر بیان کریں گے۔

جہاد:

جہاد کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت وارد ہوئی ہے ظلم اور ظالموں کے خلاف

---

۱۲) تہذیب الاحکام ج۵

قربان کر دینے کا نام جہاد ہے۔ جہاد کی دو قسمیں ہیں ایک جہاد اکبر اور دوسرا جہاد اصغر۔ اپنے باطنی دشمن یعنی نفس کے خلاف جہاد کو جہاد اکبر کا نام دیا گیا ہے اور جہاد اصغر سے مراد ظاہری دشمن سے دفاع ہے۔

- نماز:۔آغاز سے اختتام تک مسنون طریقہ
- پیغمبر اکرمؐ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟
- ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے والی احادیث کی بابت سعودی عرب سے ایک اہل سنت عالم کی تحریر
- نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں علمائے اہلسنت کے غیر یقینی بیانات
- آئمہ اہلبیت کا طریقہ نماز
- علمائے اہلسنت کے تائیدی بیانات
- مزید نامور اہلسنت محققین کے حقیقت افروز بیانات
- طریقہ نماز میں تبدیلی کب، کیوں اور کیسے ہوئی؟
- رکوع و سجود میں آنحضرتؐ کیا ذکر فرماتے تھے؟
- دونوں سجدوں کے درمیان دعا پڑھنا
- رفع یدین
- قنوت
- تشہد اور نماز کا اختتام کیسے کرنا ہے؟ سنت پیغمبر کی روشنی میں

پیغمبر اکرمؐ نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟

ملت اسلامیہ کے لیے یہ بات افسوس ناک ہی نہیں بلکہ حیران کن بھی ہے کہ آج تک مسلمان فرقوں کا اس بات پر ہی اتفاق نہیں ہوسکا کہ پیغمبر اکرمؐ کے نماز پڑھنے کا کیا طریقہ تھا؟ اور یہ اختلاف صرف شیعہ اور اہلسنت کے درمیان ہی نہیں بلکہ خود فقہائے اہل سنت بھی کسی ایک طریقہ پر متفق نہیں ہوسکے۔ انسان جوں جوں اس مسئلے پر غور کرتا جاتا ہے' ورطۂ حیرت میں ڈوبتا چلا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ یہ عمل اپنی زندگی میں ایک دو دفعہ ہی نہیں بجا لائے اور نہ ہی آنحضرتؐ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر نماز ادا فرماتے تھے بلکہ یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آنحضرتؐ اپنی زندگی کے آخری دنوں تک ہر روز پانچ نمازوں کی جماعت کرواتے رہے لیکن آج خود اہلسنت میں پانچ طریقوں سے نماز ادا کی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں علمائے اہل سنت کے بیانات ملاحظہ ہوں:

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مرد تو اپنے ہاتھ ناف کے نیچے بائیں پر دایاں ہاتھ رکھیں اور عورتیں دونوں ہاتھ سینہ پر رکھیں۔(۱)

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر ناف کے نیچے رکھیں۔(۲)

۳۔ شافعی کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں کا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر سینے سے نیچے اور ناف سے اوپر (یعنی پیٹ پر) رکھنا سنت ہے۔(۳)

۱'۲'۳) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج۱ ص ۳۹۹ تا ۴۰۰ مولفہ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری شائع کردہ علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب

۴۔ اہلسنت کے یہ تینوں امام تو مدینہ سے سینکڑوں میل دور پیدا ہوئے جبکہ چوتھے امام مالک بن انسؒ مدینۃ النبیؐ میں پیدا ہوئے جب آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا تو مدینہ کے بڑے بوڑھوں کو جو کہ دراصل اکابر تابعین تھے' ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا چنانچہ انہوں نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا فتویٰ دیا۔ علامہ غلام رسول سعیدی شرح مسلم میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا چاہیے۔ ان کے نزدیک ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا فرض میں مکروہ اور نفل میں جائز ہے۔(۴)

۵۔ اہلحدیث حضرات صحاح ستہ کی ہاتھ باندھنے والی احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور سینے پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کو سنت قرار دیتے ہیں۔ ان کے مذہب میں عورتیں بھی سینہ پر ہاتھ رکھیں اور مرد بھی سینہ پر ہاتھ رکھیں۔(۵)

حضرت عمرؓ کا طریقہ نماز:

عرب کے نامور اسکالر پروفیسر ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی نے ایک فقہی انسائیکلوپیڈیا مرتب کیا ہے جس کی آٹھ جلدیں اردو میں ترجمہ ہوچکی ہیں اور اس کی دوسری جلد ''فقہ حضرت عمرؓ'' کے نام سے کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اس میں ''نماز

۴) ملاحظہ ہو شرح مسلم ج۱ ص۵۹۰ از علامہ غلام رسول سعیدی مطبوعہ لاہور

۵) ملاحظہ ہو صلوٰۃ الرسول ص۱۹۰ مولفہ مولانا محمد صادق سیالکوٹی مطبوعہ لاہور

کی کیفیت'' کے زیر عنوان پروفیسر ڈاکٹر محمد رواس لکھتے ہیں کہ نماز شروع کرتے وقت

''حضرت عمرؓ اپنے دونوں ہاتھ شانوں تک بلند کرتے پھر نیچے کر لیتے'' (۶)

''نماز کے مکروہات'' کے زیر عنوان ڈاکٹر محمد رواس لکھتے ہیں کہ

کپڑے میں اس طرح لپیٹ کر نماز پڑھنا کہ ہاتھ باہر نہ نکل سکیں مکروہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اس طرح لپیٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو تم میں سے اگر کسی کے پاس ایک ہی چادر ہو تو اسے ازار کی طرح باندھے لیکن اگر چادر لپیٹ کر اپنا ایک ہاتھ باہر نکال لے تو پھر مکروہ نہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ایک ہاتھ باہر نکال لے تو چادر لپیٹ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۷)

دعوت فکر:

مذکورہ بالا پہلی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ شانوں تک بلند کرتے پھر نہ سینے پر باندھتے نہ زیر ناف بلکہ ڈاکٹر محمد رواس صاحب نے صاف لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ہاتھ نیچے کر لیتے دوسری روایت جو ڈاکٹر صاحب نے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اس میں بھی اگر معمولی غور کیا جائے تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہاتھ زیر ناف باندھے جائیں یا سینے پر چادر میں سے نہ ہی ایک ہاتھ باہر نکالا جا سکتا ہے۔ نہ دونوں بلکہ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہاتھ کھول کر نماز پڑھی جائے۔

۶) فقہ حضرت عمرؓ ص ۵۲۸ ترجمہ ساجد الرحمٰن صدیقی شائع کردہ ادارہ معارف اسلامی لاہور

۷) فقہ حضرت عمرؓ ص ۵۲۶ ترجمہ ساجد الرحمٰن صدیقی شائع کردہ ادارہ معارف اسلامی لاہور

پہلی صدی کی نامور علمی شخصیت امام حسن بصری کا طریقہ نماز:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم پہلی صدی کی نامور علمی شخصیت جنہیں برادران اہلسنت سید التابعین بھی کہتے ہیں جو حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوئے اور حضرت عمرؓ ہی نے ان کی پیدائش پر شہد وغیرہ چٹا کر ان کی تحنیک کی اور ان کی علمی عظمت و جلالت اہل سنت کے ہاں کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کا طریقہ نماز بھی بیان کر دیا جائے تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ صحابہ کرامؓ کے عہد شباب کے یہ بزرگ کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی اپنے فقہی انسائیکلو پیڈیا کی جلد نمبر 8 جو کہ فقہ امام حسن بصری کے نام سے چھپی ہے اس میں لکھتے ہیں کہ

نمازی قیام کے اندر اپنے دونوں ہاتھ چھوڑے رکھے گا اور اپنے سینے پر نہیں باندھے گا امام حسن بصریؒ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (۸)

ام المومنین حضرت عائشہؓ کے گھر میں جماعت کروانے والے انکے غلام کا طریقہ نماز:

مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کو ایک شخص نے لکھا کہ مجھے منطقہ حائل میں نماز تراویح پڑھنے کا اتفاق ہوا امام صاحب قرآن مجید کو ہاتھ میں پکڑے دیکھ کر پڑھ رہے تھے رکوع میں جاتے وقت وہ قرآن رکھ دیتے دوسری رکعت میں پھر قرآن ہاتھوں میں پکڑ لیتے حتی کہ وہ ساری نماز تراویح اس طرح دیکھ کر پڑھتے ہیں اس کے جواب میں یہ مفتی شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز لکھتے ہیں کہ

۸) فقہ امام حسن بصر ص ۵۳۸ طبع لاہور (اس کے لیے ڈاکٹر محمد رواس نے ابن ابی شبیہ ۱/۵۹، المغنی ۱/۴۷۲، المجموع ۳/۲۷۰ کے حوالہ جات درج کیے ہیں)

قیام رمضان میں قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس طرح مقتدیوں کو سارا قرآن مجید سنایا جا سکے گا۔
کتاب وسنت کے شرعی دلائل سے یہ ثابت ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور یہ حکم عام ہے اور دونوں صورتوں یعنی دیکھ کر پڑھنے اور زبانی پڑھنے کو شامل ہے اور ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام ذکوان کو حکم دیا تھا کہ وہ قیام رمضان میں ان کی امامت کرائیں اور ذکوان نماز میں قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھا کرتے تھے امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح میں تعلیقاً مگر صحت کے وثوق کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔(۹)

اور سعودی عرب کے فقہاء کی فتوی کمیٹی نے اپنے جواب میں مزید لکھا ہے کہ

امام ابی داؤد نے ''کتاب المصاحف'' میں ایوب عن ابن ابی ملیکہ کی سند سے (یہی بات) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔(۱۰)

اس روایت کی بھی زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ام المؤمنین کا غلام ہاتھ میں قرآن بھی پکڑے ہوتا تھا اور تلاوت کرنا پھر اوراق اُلٹنا صاف ظاہر ہے یہ کام

---

(۹) مقالات وفتاوی شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ص ۲۳۸ شائع کردہ ۵۰۔ مال روڈ لاہور

(۱۰) فتاویٰ اسلامیہ جلد نمبر ۱ ص ۴۴۲ شیخ عبدالعزیز باز۔ شیخ محمد صالح العثیمین شیخ عبد اللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین اردو ترجمہ مولانا محمد خالد سیف اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان شائع کردہ ''دارالسلام'' ۵۰۔ لوئر مال لاہور

نماز میں ہاتھ باندھنے سے تو ہو نہیں سکتا اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ام المؤمنینؓ کے زمانہ میں بھی نماز میں ہاتھ باندھنے کا رواج شروع نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی ابتداء بعد میں ہوئی۔

امام ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کا بیان:

ایسے واضح شواہد کو دیکھ کر ہی غالباً امام ابن حزم اُندلسی نے اپنی کتاب ''المحلیٰ'' میں ایک باب باندھا ہے۔ جس کا عنوان ہے: ''وہ اعمال جو نماز میں مستحب ہیں فرض نہیں'' اس میں رفع الیدین نماز میں دائیں بائیں سلام پھیرنا وغیرہ بہت ساری باتوں کو مستحب لکھا ہے اسی طرح نماز میں ہاتھ باندھنے کی بابت امام ابن حزم لکھتے ہیں کہ

نمازی کے لیے حالت قیام میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھنا مستحب ہے۔(۱۱)

واضح رہے کہ مستحب اس کام کو کہتے ہیں کہ جو اگر کر لیا جائے تو ٹھیک اور اگر نہ کیا جائے تب بھی درست ہوتا ہے مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دھلوی ''ازالۃ الخفاء'' میں لکھتے ہیں کہ

حضرت عمرؓ رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کو مستحب سمجھتے تھے تو کبھی کرتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔(۱۲)

---

(۱۱) المحلیٰ ج ۳، ص ۱۵۴ ترجمہ غلام احمد حریری طبع لاہور

(۱۲) ازالۃ الخفاء ج ۳، ص ۳۴۰ ترجمہ مولانا اشتیاق احمد دیوبندی شائع کردہ کتب خانہ آرام باغ کراچی

ہم کہتے ہیں کہ جب اصل حقائق یہی ہیں تو پھر انہیں عوام الناس تک پہنچانا علمائے کرام کی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ علماء کرام کو اپنی ذمے داری پوری کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے والی احادیث کے متعلق سعودی عرب سے ایک اہلسنت عالم کی تحریر:

اگر نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی جائے تو ہاتھ زیر ناف باندھے جائیں یا سینے پر۔ اس سلسلے میں علمائے اہلسنت کتنی غیر یقینی صورتحال کا شکار ہیں۔

اسے سمجھنے کے لیے اہلسنت اسکالر شیخ محمد الیاس فیصل کا وہ بیان کافی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ''نماز پیغمبر ﷺ'' میں تحریر کیا ہے اور اپنی اس کتاب کے بارے میں مصنف کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کا آغاز بیت اللہ کے سائے میں مقام ابراہیمؑ کے پاس بیٹھ کر کیا۔ کچھ مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر لکھی گئی اور اختتام بیت اللہ کے سائے میں ہوا۔ (۱۳)

اس کتاب میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی بابت مذکورہ اہلسنت عالم لکھتے ہیں:

> ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں یا سینے پر؟ اس پر قطعی اور یقینی نص موجود نہیں۔ البتہ دونوں طرف ایسی روایات موجود ہیں جن پر علمائے سند نے کلام کیا ہے۔ تاہم ناف کے نیچے ہاتھ

(۱۳) ملاحظہ ہو ''نماز پیغمبر ﷺ'' از شیخ محمد الیاس فیصل ص ۳۰۰ تقدیم محمد شفیق اسعد فاضل مدینہ یونیورسٹی شائع کردہ سنی پبلیکیشنز لاہور

> باندھنے والی روایات نسبتاً زیادہ واضح اور ثابت ہیں۔ (۱۴)

مندرجہ بالا الفاظ سے اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ نماز زیر ناف یا سینے پر ہاتھ باندھنے کے بارے میں برادران اہلسنت کے پاس کوئی قطعی اور یقینی بات موجود نہیں اور دونوں طرف والی روایات کمزور ہیں باقی رہا کہ شیخ محمد الیاس فیصل کا یہ کہنا کہ زیر ناف والی احادیث نسبتاً زیادہ ثابت ہیں تو یہی بات اہلحدیث کہتے ہیں کہ زیر ناف والی احادیث کمزور ہیں اور سینے پر ہاتھ باندھنے والی احادیث نسبتاً زیادہ ثابت ہیں۔

علمائے اہلسنت کے عجیب وغریب بیانات:

اتنی بات تو ہر شخص کے عقل میں آسکتی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ ایک ہی طریقہ سے نماز ادا فرماتے تھے اور وہی طریقہ آپ نے اپنے صحابہ کو بھی تعلیم کیا تھا کیونکہ بخاری شریف کی مشہور کتاب حدیث ہے جس میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

صلوا کما رایتمونی اصلی

تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

اب مقام غور ہے کہ برادران اہلسنت کے جو پانچ طریقہ ہائے نماز اوپر تحریر

(۱۴) ''نماز پیغمبر ﷺ'' ص ۱۲۰ واضح رہے کہ اس کتاب پر مولانا محمد اسعد مدنی جانشین شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ڈاکٹر سید شیر علی پی۔ ایچ۔ ڈی مدینہ یونیورسٹی سابق مدرس مسجد نبوی شریف، مولانا محمد مالک کاندھلوی، شیخ الحدیث جامع اشرفیہ لاہور، مولانا محمد عبداللہ خطیب مرکزی مسجد اسلام آباد اور دیگر علماء کے تائیدی کلمات بھی درج ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۱۳، ۲۳ کتاب مذکورہ

کیے گئے ہیں' ان میں سے کس طریقہ سے آنحضرتؐ نماز ادا فرماتے تھے۔ کیا آپؐ سینے پر ہاتھ رکھتے تھے یا پیٹ پر ہاتھ رکھتے تھے جیسے شافعی حضرات کہتے ہیں۔ زیرناف رکھتے تھے یا ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے جیسے مالکی سنی کہتے ہیں۔ جب علمائے اہل سنت کوئی حتمی رائے قائم نہ کرسکے تو بعض علمائے اہلسنت نے ایک عجیب وغریب بیان دے دیا جسے امام نووی نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

> امام احمدؒ اوزاعی اور ابن منذر کا بیان ہے کہ نمازی کو اختیار ہے جیسے جی چاہے کرے۔ امام مالکؒ کا بیان ہے کہ نمازی کو اختیار ہے چاہے تو سینے پر ہاتھ باندھے اور چاہے نہ باندھے اور یہی قول مالکیہ حضرات کے نزدیک رواج یافتہ ہے نیز انہوں نے کہا کہ نفل میں ہاتھ باندھنے اور فرض نمازوں میں چھوڑ دے اور لیث بن سعد کا بھی یہی قول ہے۔ (۱۵)

مولانا وحید الزمان خان شرح بخاری میں نماز کی بحث میں لکھتے ہیں:

> ابن قاسم نے امام مالکؒ سے ارسال (یعنی نماز میں ہاتھوں کا چھوڑ دینا) نقل کیا ہے اور امامیہ کا اسی پر عمل ہے۔ (۱۶)

اہلسنت کے ان بزرگ علماء کا بیان پڑھ کر انسان کا ذہن الجھ کر رہ جاتا ہے مثلاً یہ کہ نمازی کو اختیار ہے جیسے جی چاہے کرے لیکن پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں یقیناً

---

(۱۵) ملاحظہ ہو شرح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۲' ص ۲۸ ترجمہ مولانا وحید الزمان شائع کردہ نعمانی کتب خانہ لاہور

(۱۶) ملاحظہ ہو تیسر الباری شرح بخاری ج ۱' ص ۴۸۹ شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

ایسا نہیں ہوتا ہوگا کہ نمازی چاہیں تو ہاتھ باندھ لیں اور چاہیں تو کھول کر نماز پڑھیں پھر امام مالکؒ کا بیان مزید الجھاؤ پیدا کرتا ہے کہ آدمی فرض نمازوں میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھے اور نفل نمازوں میں ہاتھ باندھے۔ کیا پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں یہ سارے طریقے رائج تھے کہ آنحضرتؐ نے جماعت شروع کروائی تو کچھ صحابہ کرامؓ سینہ پر ہاتھ باندھتے' کچھ زیرناف اور کچھ پیٹ پر اور باقی ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے یقیناً ایسا نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی آپؐ کا یہ معمول تھا کہ فجر کے وقت ہاتھ سینے پر رکھ کر ظہر میں سینے سے نیچے پیٹ پر اور پھر عصر کی نماز میں زیرناف رکھ لینے اور مغرب عشاء ہاتھ کھول کر پڑھا لی کیونکہ آنحضرتؐ کی حدیث ابھی اوپر گزر چکی ہے کہ آپؐ نے بڑے سیدھے سادھے الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

آئمہ اہلبیتؑ کا طریقہ نماز

آئمہ اہلبیتؑ کے طریقہ نماز کے بارے میں یہ بات کسی دلیل کے محتاج نہیں کہ یہ بزرگ ہستیاں ہاتھ چھوڑ کر نماز ادا فرماتی تھیں جیسا کہ شیعہ کتب احادیث میں اپنے صحابی جناب حماد کو نماز کی تعلیم دیتے ہوئے اور نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے امام جعفر صادقؑ نے خود ایسا کر کے دکھایا۔ شیخ محمد بن یعقوب کلینی اور شیخ صدوقؒ لکھتے ہیں کہ

> حضرت روبقبلہ کھڑے ہوئے۔ اپنے دونوں ہاتھ پوری طرح چھوڑ کر دونوں رانوں پر رکھے اور اپنی انگلیاں ملالیں اور

اپنے دونوں پاؤں قریب قریب رکھے۔(۱۷)

علمائے اہلسنت کے تائیدی بیانات:

نماز میں ہاتھ باندھنے یا کھولنے کے بارے میں علمائے اہلسنت کا موقف کتنا نرم ہے حتیٰ کہ ہاتھ باندھنے کے بارے میں کوئی واضح فیصلہ موجود نہیں کہ کہاں باندھے ناف پر یا پیٹ پر یا سینے پر مولانا وحید الزمان حاشیہ ابن ماجہ پر لکھتے ہیں:

اس پر کوئی اعتراض نہ کرنا چاہیے کیونکہ امام ترمذی نے کہا کہ

ولکل واسع عندهم

ہر ایک میں وسعت ہے علماء کے نزدیک۔(۱۸)

اس مسئلے میں علمائے اہلسنت کے ہاں جتنی نرمی ہے، شیعہ فقہا کا موقف اتنا ہی اٹل ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ایک ہی طریقہ کے مطابق نماز پڑھی اور وہ طریقہ وہی ہے جو آئمہ اہلبیت کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے بلکہ اہلسنت کے مدینہ میں پیدا ہونے والے امام مالک کے پیروکار بھی اسی طریقے سے نماز ادا کرتے چلے آ رہے ہیں اور وہ طریقہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ہے۔ اس سلسلے میں شیعہ فقہا علمائے اہلسنت کے جو بیانات نقل کرتے ہیں۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مولانا شیخ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

عن معاذ ان رسول اللهﷺ کان اذا قام فی

۱۷) ملاحظہ ہو ''الشافی'' ترجمہ فرع کافی ج ۲، ص ۶۵ مطبوعہ کراچی من لا یحضرہ الفقیہ ج۱، ص ۱۶۶ مطبوعہ کراچی

۱۸) ملاحظہ ہو ابن ماجہ ج۱، ص ۴۱۳ تا ۴۱۴ شائع کردہ مہتاب کمپنی اردو بازار لاہور

الصلوٰة رفع یدیه معال اذنیه فاذا کبر ارسلها

(رواه الطبرانی)

جناب معاذ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر بلند کرتے اور پھر انہیں کھلا چھوڑ دیتے۔

(فتاویٰ شیخ عبدالحی لکھنوی ج۱، ص ۳۲۶ طبع اول)

۲۔ عینی شرح کنز الدقائق ص ۲۵۰ نولکشور میں لکھتے ہیں:

لان نبیﷺ کان یفعل کذالک و کذا اصحابه حتی ینزل الامام من رؤس اصابعهم

آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہؓ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے یہاں تک کہ ان کی انگلیوں کے سروں میں خون اتر آتا۔

۳۔ امام شوکانی نیل الاوطار ج ۲، ص ۶۷ طبع مصر پر اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ عترت رسولؐ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔(۱۹)

نامور اہلسنت محققین کے حقیقت افروز بیانات:

نماز کے بارے میں شیعہ موقف تو انتہائی واضح اور دوٹوک ہے کہ پیغمبر اکرمؐ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے اور اس موقف کی مضبوطی کی سب سے پہلی بڑی دلیل یہ ہے کہ عترت رسولؐ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتی تھی۔ شیعہ موقف کی مضبوطی کی دوسری

۱۹) اس بحث کے حوالہ جات اور مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو قوانین الشریعہ فی فقہ جعفریہ ج۱، ص ۳۰۵ طبع دوم

بڑی دلیل علمائے اہلسنت کا اس مسئلے پر غیر یقینی اور کمزور طرز عمل ہے کہ نمازی کو ہر طرح سے وسعت ہے۔ پھر شیعہ موقف کی مضبوطی تیسری بڑی دلیل مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والے آئمہ امام حسن بصری اور دوسرے بہت بڑے امام مالک بن انس کا ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا فتویٰ ہے جس پر آج تک ان کے مقلدین عمل کر کے ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں ایسے ہی حقائق کی بنا پر اہلسنت محقق اور سکالر جناب ڈاکٹر حمید اللہ پی ایچ ڈی نے یہ لکھ دیا ہے کہ

> شیعہ اور سنی نمازوں میں جو فرق ہے میری دانست میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ مالکی مذہب کے لوگ جو سنی ہی ہیں وہ بھی ہاتھ چھوڑ کر اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جس طرح شیعہ پڑھتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اس طرح پڑھا اور کبھی دوسری طرح پڑھا۔ (۲۰)

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

> ہاتھ کھول کر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، باندھ کر بھی، سینے پر بھی باندھ سکتے ہیں۔ بالائے ناف بھی، آمین پکار کر بھی کہہ سکتے ہیں اور آہستہ بھی۔ غرض کہ بعض امور کے سوا کسی خاص طریقہ کی پابندی ضروری نہیں۔ چنانچہ مختلف اماموں نے مختلف صورتیں اختیار کیں۔ (۲۱)

(۲۰) ملاحظہ ہو خطبات بہاولپور از ڈاکٹر حمید اللہ پی۔ ایچ۔ ڈی ص ۳۴ شائع کردہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

(۲۱) ملاحظہ ہو علم الکلام اور کلام ص ۱۱۱ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی

کاش کہ علمائے اہلسنت تھوڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عوام الناس کو بھی اس مسئلے سے آگاہ کریں تاکہ شیعہ سنی عوام میں جو دوری موجود ہے، کچھ کم ہو سکے۔ جن لوگوں کو لیبیا جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ وہاں تمام اہلسنت مالکی ہیں اور ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر بہت سارے ممالک بشمول عرب ممالک میں جو اہلسنت امام مالک کے پیروکار ہیں، وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں بلکہ ایک امام کے پیچھے ہاتھ کھولنے اور باندھنے والے نماز ادا کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی وسیع القلبی عطا فرمائے۔

طریقہ نماز میں تبدیلی کب کیوں اور کیسے ہوئی؟

ہر تحقیق پسند ذہن اور تاریخ کا ہر انصاف پسند طالب علم یہ جاننے کا خواہش مند ہے کہ نماز جو امت کی وحدت کا سب سے بڑا ذریعہ تھی، اس کے پانچ چھ طریقے کیسے رائج ہو گئے اور امت کی وحدت پر یہ کاری ضرب کب لگائی گئی؟ حالانکہ اگر نماز کے قیام رکوع سجود اور تشہد وغیرہ کے اذکار پر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ شیعوں اور اہل سنت کے نزدیک ان میں سے بعض بالکل ایک جیسے ہیں اور بعض میں بہت معمولی سا فرق ہے اور ہمارے محترم علمائے کرام اگر تھوڑی سی برداشت کا مظاہرہ کریں تو امت کی وحدت قائم ہو سکتی ہے خیر جہاں تک ہمارے سوال کے پہلے حصے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں جواباً عرض ہے کہ نماز کے طریقے میں تبدیلی یکدم نہیں ہوئی بلکہ آہستہ آہستہ ہوتی رہی مثلاً بخاری و مسلم کی روایت ہے مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم نے بصرہ میں حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمرانؓ بن حصینؓ جو کہ صحابی رسولؐ تھے، انہوں نے

میرا ہاتھ پکڑ کر کہا:

لقد صلی لنا ھذا صلاتہ محمد ﷺ او قال لقد ذکرنی ھذا صلاتہ محمد ﷺ

انہوں نے (حضرت علیؑ نے) ایسی نماز پڑھائی جیسی آنحضرتؐ پڑھایا کرتے تھے یا یوں کہا انہوں نے مجھ کو آنحضرتؐ کی نماز یاد دلائی۔(۲۲)

بخاری ومسلم کی اس حدیث میں تھوڑا سا غور کیا جائے تو مزید وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی کہ طریقہ نماز میں تبدیلی کی ابتداء اس عہد میں شروع ہو چکی تھی تبھی تو حضرت عمرانؓ بن حصینؓ کو کہنا پڑا کہ حضرت علیؑ نے ہم کو ویسی نماز پڑھائی جیسی نبی اکرمؐ پڑھایا کرتے تھے۔ اب رہا ہمارے سوال کا دوسرا حصہ کہ نماز کے طریقہ میں تبدیلی کیوں ہوئی؟ اس سلسلے میں ہمارا جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد اگر امت ایک مرکز یعنی آل رسولؐ سے وابستہ رہتی تو نماز جیسے روزمرہ کے مسئلہ میں اختلاف رونما نہ ہوتا۔ جب مرکز ایک نہ رہا تو اختلاف پیدا ہونا فطری امر تھا۔

رکوع وسجود میں پیغمبر اکرمؐ کیا ذکر فرماتے تھے؟

آئمہ اہلبیتؑ سے رکوع میں تین مرتبہ **سبحان ربی العظیم و بحمدہ** اور سجدہ میں تین مرتبہ **سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ** پڑھنا منقول ہے۔(۲۳)

---

۲۲) تیسر الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۵۴۴ صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۲ ص ۲۰ ترجمہ وحید الزمان

۲۳) من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۱۶۷ مطبوعہ کراچی الشافی فروع کافی ج ۲ ص ۹۱ مطبوعہ کراچی

علامہ وحید الزمان مرحوم نے بخاری کے حاشیے پر آنحضرتؐ کے تین قسم کے ذکر نقل کیے ہیں اور پھر لکھا ہے:

اہلبیت رضوان علیہم سے منقول ہے کہ رکوع میں **سبحان ربی العظیم و بحمدہ** کہتے اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ**۔(۲۴)

سنن ابی داؤد کی ایک حدیث میں آنحضرتؐ کا طریقہ بھی اس طرح لکھا ہوا ہے۔ حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

کان رسول اللہ ﷺ اذا رکع قال سبحان ربی العظیم و بحمدہ ثلاثا و اذا سجد قال سبحان ربی الاعلی و بحمدہ ثلاثا قال ابی داؤد و ھذہ الزیادۃ نخاف ان لا تکون محفوظۃ

رسول پاکؐ جب رکوع کرتے تو تین دفعہ **سبحان ربی العظیم و بحمدہ** کہتے اور جب سجدہ کرتے تو تین مرتبہ **سبحان ربی الاعلی و بحمدہ** کہتے۔(۲۵)

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد ابی داؤد لکھتے ہیں کہ ہم کو خوف ہے کہ وبحمدہ کی زیادت محفوظ نہ ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ جب خود مولانا وحید الزمان نے تسلیم کیا کہ

---

۲۴) تیسر الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۵۲۳ مطبوعہ کراچی

۲۵) ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۶۸ ترجمہ وحید الرزمان خان شائع کردہ نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور

اہلبیت اطہارؑ سے بھی رکوع وسجود میں یہی ذکر منقول ہے تو پھر اہلبیتؑ سے زیادہ سنت پیغمبرؐ سے کون واقف ہوسکتا ہے۔

دونوں سجدوں کے درمیان دعا پڑھنا:

نماز چونکہ خدا کی بندگی اور اس کے سامنے عاجزی کرنے کا نام ہے' اس لیے شیعہ دونوں سجدوں کے درمیان بھی "استغفر الله ربی و اتوب علیه" کہہ کر خدا سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ یہ ذکر بھی اہل بیت اطہارؑ سے منقول ہے۔(۲۶)

اور جب ہم اہلسنت کی کتب احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں بھی اس سے ملتا جلتا ذکر موجود ہے۔ سنن ابی داؤد میں لکھا ہے۔ آنحضرت دونوں سجدوں کے بیچ میں فرماتے تھے کہ

اللهم مغفرلی و ارحمنی و عافنی و اهدنی و ارزقنی

اے اللہ! مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما مجھے عافیت دے اور ہدایت دے اور رزق دے۔(۲۷)

تیسر الباری شرح بخاری میں مولانا وحید الزمان حیدر آبادی لکھتے ہیں:

ہمارے امام احمد بن حنبل نے دونوں سجدوں کے درمیان بار بار رب اغفرلی مستجب جانا ہے۔(۲۸)

---

۲۶) فروع کافی ج ۲' ص ۹۱ من لایحضرہ الفقیہ ج ۱' ص ۱۶۷ مطبوعہ کراچی

۲۷) سنن ابی داؤد ج ۱' ص ۳۵۹ مطبوعہ لاہور ترجمہ مولانا وحید الزمان مرحوم

۲۸) تیسر الباری شرح بخاری ج ۱' ص ۵۴۲ مطبوعہ کراچی

رفع یدین:

شیعہ اپنی نماز میں ہر تکبیر پر دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے ہیں یعنی "رفع یدین" کرتے ہیں۔ ہمارے اکثر اہلسنت بھائی اس کو بڑا عجیب محسوس کرتے ہیں حالانکہ یہ بات فریقین کی کتب احادیث میں تواتر سے آئی ہے کہ خود پیغمبر اکرمؐ اس طرح کرتے تھے اس لیے شیعہ حضرات بھی اسے سنت پیغمبرؐ سمجھ کر رکوع وسجود میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر الله اکبر کہتے ہیں۔ بخاری' مسلم' ابی داؤد اور نسائی شریف وغیرہ کتب احادیث میں اس کا بڑی تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ

رأیت رسول الله ﷺ اذا قام فی الصلوة رفع یدیه حتی تکونا حذو منکیه و کان یفعل ذالک حین یکبر للرکوع و یفعل ذالک اذا رفع رأسه من الرکوع و یقول سمع الله لمن حمده ولا یفعل ذالک فی السجود

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو (تکبیر تحریمہ کے وقت) اپنے دونوں ہاتھ مونڈوں کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے جب بھی ایسا ہی کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے' اس وقت بھی ایسا ہی کرتے اور فرماتے سمع اللہ لمن

حمدہ البتہ سجدوں کے بیچ میں ہاتھ نہ اٹھاتے۔(۲۹)

یہ بخاری شریف کی روایت ہے لیکن سنن نسائی کی ایک حدیث سے پتا چلتا ہے کہ آپ دونوں سجدوں سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔نسائی شریف کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

عن مالک بن الحویرث انہ رأی النبی ﷺ رفع یدیہ فی صلاتہ و اذا رکع و اذا رفع رأسہ من الرکوع و اذا سجد و اذا رفع رأسہ من السجود حتی یحاذی بھما فروع أذنیہ

حضرت مالک بن الحویرث سے روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے نماز میں (یعنی نماز شروع کرتے وقت) اور جب رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا اور جب سجدہ کیا اور جب سجدہ سے سر اٹھایا کانوں کی لو تک۔(۳۰)

اور اسی طرح صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی میں لکھا ہے کہ

ابو بکر بن منذر، ابو علی طبری اور بعض اہل حدیث کے نزدیک

---

۲۹) ملاحظہ ہو تیسیر الباری شرح بخاری ج ا، ص ۴۸۷ شائع کردہ تاج کمپنی صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۲، ص ۱۷ شائع کردہ نعمانی کتب خانہ لاہور۔ سنن ابی داؤد ج ا، ص ۳۲۷ ترجمہ مولانا وحید الزمان مطبوعہ لاہور

۳۰) ملاحظہ ہو سنن نسائی ج ا، ص ۳۹۷ باب رفع الیدین للسجود ترجمہ مولانا وحید الزمان مطبوعہ لاہور

دونوں سجدوں کے درمیان میں بھی رفع یدین کرنا مستحب ہے۔(۳۱)

شیعوں کے رفع یدین کرنے پر ان کا مذاق اڑانے والے مندرجہ بالا احادیث کو غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ شیعہ جو کچھ کرتے ہیں وہ تو عین سنت رسول اکرمؐ ہے۔تو پھر ان کے اس فعل پر اعتراض کیسا؟

قنوت:

شیعہ ہر نماز کی دوسری رکعت میں رکوع میں جانے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھتے ہیں۔یہ بات بھی بڑی وضاحت سے اہلسنت کی کتب احادیث میں موجود ہے اور شیعہ یہ فعل سنت پیغمبرؐ سمجھ کر کرتے ہیں۔امام بخاری نے بخاری میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:"باب القنوت قبل الرکوع و بعدہ" یعنی باب قنوت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد اور اہلحدیث کے بہت بڑے عالم مولانا وحید الزمان حاشیہ بخاری پر لکھتے ہیں:

امام بخاری نے یہ باب لا کر ان لوگوں کو رد کیا ہے جو قنوت کو بدعت کہتے ہیں۔(۳۲)

اہلحدیث کا مذہب یہ ہے کہ قنوت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں طرح درست ہے۔

---

۳۱) ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۲، ص ۱۸ مطبوعہ لاہور

۳۲) دیکھئے تیسیر الباری شرح بخاری ج ۲، ص ۹۷ ترجمہ مولانا وحید الزمان شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

پھر لکھتے ہیں:

شافعیہ کہتے ہیں قنوت ہمیشہ رکوع کے بعد پڑھے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ رکوع سے پہلے پڑھے۔(۳۳)

اس سلسلے میں بخاری شریف کی حدیث ملاحظہ ہو راوی کہتا ہے:

سألت أنس بن مالك عن القنوت فقال قد كان القنوت قلت قبل الركوع أو بعده؟ قال قبله

(عاصم بن سلیمان کہتے ہیں) میں نے انس بن مالک سے قنوت کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کہ قنوت بے شک تھا (یعنی آنحضرتؐ کے زمانے میں) میں نے کہا کہ رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد تو انہوں نے کہا رکوع سے پہلے۔(۳۴)

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ پیغمبر اکرم اپنی ہر نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے اور شیعہ کتب تو رہیں ایک طرف برادران اہلسنت کی صحیح ترین کتاب جسے بعد از کلام باری سب سے بڑا رتبہ حاصل ہے۔ اس سے بھی ثابت ہو گیا کہ نماز میں قنوت پڑھنا سنت پیغمبرؐ ہے تو پھر ہم سب کو اس سنت پیغمبرؐ پر عمل کرنا چاہیے نہ کہ سنت پر عمل کرنے والوں کا مذاق اڑانا چاہیے۔

تشہد اور نماز کا اختتام کیسے کرنا ہے؟ سنت پیغمبر اکرم کی روشنی میں:

یہاں پر ہم جس تشہد کا ذکر کریں گے یہ نماز کا وہ آخری تشہد ہے جس پر نماز

۳۳، ۳۴) دیکھئے تیسر الباری شرح بخاری ج ۲، ص ۹۷ ترجمہ مولانا وحید الزمان شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

کا اختتام ہوتا ہے۔ اہلسنت اسے التحیات بیٹھنا کہتے ہیں نماز کا اختتام کیسے ہو؟ یہ مسئلہ بھی شیعہ سنی کے درمیان اختلافی ہے آئمہ اہلبیت کے ذریعے جو سنت پیغمبرؐ ہم تک پہنچی ہے اس کے مطابق جس طرح تکبیر کی آواز بلند کر کے انسان نماز کی ابتداء کرتا ہے اس طرح نماز کا خاتمہ بھی خدا کی بزرگی اور بڑائی بیان کر کے ہوتا ہے۔ شیعہ اپنی نماز کا خاتمہ اس طرح کرتے ہیں کہ جب تشہد مکمل ہوا تو تین مرتبہ ہاتھ کانوں تک اٹھا کر الله اکبر. الله اکبر. الله اکبر کہتے ہیں اور نماز سے فارغ ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ شیعہ دائیں بائیں سلام نہیں پھیرتے بلکہ حالت تشہد ہی میں سلام پڑھ لیتے ہیں اور بعد میں تین مرتبہ تکبیر بلند کرتے ہیں۔ شیعوں کے اس عمل کی تائید خود بخاری شریف سے بھی ہوتی ہے کہ زمانہ رسالتؐ میں نماز کا اختتام تکبیر کی آواز پر ہی ہوتا تھا حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس قال كنت اعرف انقضاء صلاة النبیؐ با التكبير

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرتﷺ کی نماز ختم ہونا اس وقت پہچانتا جب تکبیر کی آواز سنتا۔(۳۵)

ہم کہتے ہیں کہ یہی وہ تکبیر ہے جو شیعہ اپنی نماز کے اختتام پر پڑھتے ہیں اور اپنی نماز ختم کرتے ہیں یہ فعل سنت سے ثابت ہے۔ واضح رہے کہ برادران اہل سنت کے ہاں جو کچھ رائج ہے اس کے مطابق امام صاحب نماز کے آخر میں زور سے دائیں بائیں سلام پھیرتے ہیں جس کی آواز پچھلے نمازیوں تک بھی پہنچتی ہے

---

۳۵) تیسر الباری شرح بخاری ج ۱، ص ۵۵۵ طبع کراچی

اورشیعوں میں جو کچھ رائج ہے وہ یہ ہے کہ پیش نماز (امام) تشہد ہی میں سلام پڑھ کر تین بار بلند آواز سے اللہ اکبر کہتا ہے جس سے مقتدی سمجھ جاتے ہیں کہ نماز ختم ہوگئی ہے اب ہم آتے ہیں لفظ ''سلام'' کی بحث کی طرف شیعہ نماز ختم کرنے کیلئے دائیں بائیں سلام نہیں پھیرتے شیعوں کے اس فعل کی تائید ابی داؤد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرتؐ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہاتھ پکڑ کر ان کو تشہد پڑھنا سکھایا اور پھر فرمایا:

اذا قلت هذا و قضيت هذا فقد قضيت صلوٰتک ان شعت ان تقوم فقم و ان شعت ان تقعد فاقعد

(آنحضرتؐ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا) جب تو یہ پڑھ چکا تو تیری نماز پوری ہوگئی اب چاہے اٹھ کھڑا ہو اور چاہے تو بیٹھا رہ۔(۳۶)

اس حدیث کی شرح میں مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لفظ سلام فرض نہیں ہے جیسے ابو حنفیہ کا قول ہے۔(۳۷)

اس سے ملتی جلتی بات صحیح ترمذی میں بھی ہے کہ جب آخری قعدہ میں بیٹھ چکا ہو تو سلام سے قبل کوئی حدث کیا یعنی کوئی ایسا فعل جس سے پتا چل جائے کہ یہ شخص اب نماز نہیں پڑھ رہا تو ''فقد جازت صلوٰته'' تو اس کی نماز جائز ہوگی۔(۳۸)

۳۶،۳۷) ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد ج ا ص ۴۰۳ باب التشہد حدیث ۹۵۷ ترجمہ مولانا وحید الزمان خان شائع کردہ نعمانی کتب خانہ لاہور

۳۸) صحیح ترمذی ج ا ص ۱۸۱

اور علامہ عبدالرحمٰن الجزیری اپنی فقہ کی تحقیقی کتاب میں سنن ابی داؤد کے مذکورہ بالا الفاظ جو آنحضرتؐ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو سکھائے تھے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

جب یہ (تشہد) کہہ لیا تو نماز پوری ہوگئی۔ اب کھڑے ہو جانا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ اور بیٹھنا چاہو تو بیٹھ جاؤ۔ مقصد یہ ہے کہ حضورؐ نے نماز سے باہر آنے کے لیے لفظ ''السلام'' کہنے کا حکم نہیں دیا۔(۳۹)

جب حضورؐ نے نماز سے باہر آنے کے لیے لفظ ''السلام'' کہنے کا حکم نہیں دیا تو پھر ہماری برادران اہلسنت سے اپیل ہے کہ وہ سنت پیغمبرؐ کے مطابق عمل کریں یا پھر کم از کم شیعوں پر اعتراض تو نہ کریں۔

---

۳۹) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ا ص ۳۷۵ تا ۳۷۶ ترجمہ منظور احسن عباسی شائع کردہ محکمہ اوقاف لاہور

- جمع بین الصلوٰتین یعنی دونمازوں کو اکٹھے پڑھنا
- سنت پیغمبر اکرمؐ سے اس بات کا ثبوت
- حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان اور علمائے اہلسنت کا اقرار حقیقت
- ایک دفعہ اذان دیکر دونمازیں پڑھنا اہلسنت کے نزدیک بھی جائز ہے
- خمرہ یعنی سجدہ گاہ پر سجدہ کرنا
- آنحضرتؐ خمرہ پر سجدہ کیا کرتے تھے
- ابن الاثیر کا بیان کہ خمرہ سجدہ گاہ ہے جس پر شیعہ سجدہ کرتے ہیں
- مولانا وحید الزمان کا بیان کہ سجدہ گاہ پر سجدہ کرنا سنت پیغمبر اکرمؐ ہے

جمع بین الصلوٰتین یعنی دونمازوں کو اکٹھے پڑھنا:

شیعہ ظہر عصر اور مغرب عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھ لیتے ہیں۔ ہم یہ کام بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ سنت پیغمبر کی روشنی میں کرتے ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ

صلیت مع رسول اللہ ﷺ ثمانیا جمیعا و سبعا جمیعا قلت یا أبا الشقاء أظنه أخر الظهر و عجل العصر عجل العشاء و أخر المغرب قال و أنا أظنه

میں نے آنحضرتؐ کیساتھ (ظہر و عصر) آٹھ رکعتیں اور (مغرب عشاء) سات رکعتیں ملا کر پڑھیں (بیچ میں سنت وغیرہ کچھ نہیں) عمرو نے کہا میں نے ابوالشقاء سے کہا میں سمجھتا ہوں آپؐ نے ظہر میں دیر کی اور عصر میں جلدی اور عشاء میں جلدی کی اور مغرب میں دیر کی ابوالشقاء نے کہا میں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں۔(۱)

اس حدیث کی شرح میں مولانا وحید الزمان خان لکھتے ہیں:

یہ حدیث صاف ہے کہ دونمازوں کا جمع کرنا جائز ہے۔ دوسری روایت میں ہے یہ واقعہ مدینہ کا ہے نہ وہاں کوئی خوف تھا نہ بندش تھی اوپر گزر چکا ہے کہ اہلحدیث کے نزدیک یہ جائز ہے۔(۲)

(۱،۲) ملاحظہ ہو تیسیر الباری شرح بخاری ج ۲، ص ۱۸۷ ترجمہ و شرح مولانا وحید الزمان خان کتاب التہجد شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

دوسری حدیث انہی حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

عن ابن عباسؓ أن النبیؐ صلی باالمدینة سبعا و ثمانیاً اظهر و العصر و المغرب و العشاء أیوب لعله فی لیلة مطیرة قال عسی

عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینہ میں رہ کر (یعنی سفر نہ تھا) سات رکعتیں مغرب اور عشاء کی اور آٹھ رکعتیں ظہر اور عصر کی (ملا کر) پڑھیں۔ ایوب سختیانی نے جابر بن زید سے کہا شاید بارش کی رات میں ایسا کیا ہوگا انہوں نے کہا شاید۔(۳)

اس آخری فقرہ "یعنی جابر بن زید نے کہا شاید بارش کی رات میں ایسا کیا ہوگا" کی شرح میں مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

یہ جابر کی ایک احتمالی بات ہے مسلم کی روایت سے اس کی غلطی ثابت ہوتی ہے اس میں یہ ہے کہ نہ مینہ تھا نہ کوئی اور خوف۔

پھر آگے مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

ابن عباس نے دوسری روایت میں کہا کہ آپؐ نے یہ جمع اس لیے کیا کہ آپؐ کی امت کو تکلیف نہ ہو۔(۴)

(۳،۴) ملاحظہ ہو تیسیر الباری شرح بخاری ج ۱، ص ۳۷۰ کتاب مواقیت الصلوٰۃ شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

اب صحیح مسلم کی یہ روایت ملاحظہ ہو:

عن ابن عباسؓ قال جمع رسول اللہﷺ بین الظھر و العصر و المغرب و العشاء باالمدینة فی غیر خوف ولا مطر و فی حدیث و کیع قال قلت لابن عباسؓ لم فعل ذالک کی لا یحرج امته و فی حدیث ابی معاویة قیل لابن عباسؓ مار اراد الی ذالک قال اراد ان لایحرج امته

ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہؐ نے ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو مدینہ میں بغیر خوف اور مینہ کے جمع کیا وکیع کی روایت میں ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ آپؐ نے یہ کیوں کیا؟ انہوں نے کہا تا کہ آپ کی امت کو تکلیف نہ ہو اور ابی معاویہ کی روایت میں ہے کہ ابن عباس سے کسی نے یہ کہا کہ کس ارادے سے آپ نے یہ کیا؟ انہوں نے کہا تا کہ امت آپ کی امت کو تکلیف نہ ہو۔(۵)

سنن ابی داؤد میں اس باب کے شروع میں جو وضاحت موجود ہے اس کے

---

(۵) ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۲ ص ۲۲۴ تا ۲۲۵ ترجمہ مولانا وحید الزمان شائع کردہ نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور۔ یہی روایت جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۰۹ ترجمہ بدیع الزمان شائع کردہ نعمانی کتب خانہ لاہور۔ سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۴۹۰ باب جمع بین الصلوٰتین ترجمہ مولانا وحید الزمان شائع کردہ کتب خانہ پر بھی موجود ہے۔

الفاظ یہ ہیں:

جمع کی دو صورتیں ہیں ایک جمع تقدیم اور دوسری جمع تاخیر ہے جمع تقدیم یہ ہے کہ ظہر کے وقت عصر اور مغرب کے وقت عشاء پڑھ کے اور جمع تاخیر یہ ہے کہ عصر کے وقت میں ظہر اور عشاء کے وقت میں مغرب پڑھے۔ دونوں طرح کی جمع آنحضرتؐ سے ثابت ہیں۔(۶)

مولانا وحید الزمان آخر میں یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

جن لوگوں کے نزدیک جمع درست نہیں ہے ان کے دلائل ضعیف ہیں اور جمع جائز رکھنے والے کے دلائل قوی ہیں۔(۷)

ایک دفعہ اذان دیکر دو نمازیں پڑھنا:

جب یہ بات اہلحدیث سے اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا شیعوں کی ذاتی اختراع نہیں بلکہ سنت رسول اکرمؐ ہے اور نبی کریمؐ نے یہ کام اس لیے کیا کہ تا کہ میری امت کو تکلیف نہ ہو لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اگر نمازوں کو الگ الگ بھی پڑھ لیا جائے تو بھی درست ہوگا چونکہ پیغمبر اکرمؐ کے حکم میں وسعت اور گنجائش موجود ہے اس لیے ہم اس سہولت کا فائدہ اٹھا لیتے ہیں اب بعض اہلسنت دوستوں کا یہ اعتراض باقی رہ جاتا ہے شیعہ تین اذانیں کیوں دیتے ہیں؟ جواباً عرض ہے کہ چونکہ سنت پیغمبرؐ میں موجود سہولت کی بنا پر ہمارے ہاں یہ بات رائج ہے کہ لوگ ایک دفعہ اکٹھے ہوگئے پہلے ظہر یا مغرب کی نماز پڑھ لی اس کے بعد

(۶،۷) ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد ترجمہ مولانا وحید الزمان ج ۱ ص ۴۹۰ مطبوعہ لاہور

اکثر جگہ پہ بغیر سپیکر دوسری اذان مسجد کے اندر ہی اندر دے دی جاتی ہے اس کے بعد عصر یا عشاء کی نماز پڑھ لی جاتی ہے۔ یہی طریقہ خود علمائے سنت نے بھی لکھا ہے علامہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

نماز جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے حسب معمول بلند آواز سے مغرب کی اذان دی جائے اور اذان کے بعد اتنی تاخیر کی جائے جتنی دیر میں تین رکعت نماز پڑھی جا سکے۔ اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی جائے پھر مسجد کے اندر ہی عشاء کے لیے اذان دینا مستحب ہے یہ اذان مینارے پر نہ ہونی چاہیے تاکہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ حسب معمول عشاء کا وقت ہے اس لیے اذان بھی ہلکی آواز سے دی جائے اور پھر عشاء کی نماز پڑھی جائے۔(۸)

اگر پڑھے لکھے اہلسنت برادران مندرجہ بالا الفاظ پر غور فرمائیں تو شیعوں پر اعتراض خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

سجدہ گاہ پر سجدہ کرنا:

شیعہ جب نماز پڑھتے ہیں تو سجدہ کی جگہ پر عام طور پر مٹی کی سجدہ گاہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ پیغمبر اکرمؐ کی سنت سے ثابت ہے اور برادران اہلسنت کی کتب احادیث میں بڑی صراحت سے یہ بات آئی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ جب نماز پڑھتے تو سجدہ گاہ پر

---

۸) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۷۸۱ ترجمہ منظور احمد عباسی شائع کردہ علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب

سجدہ کرتے تھے۔ احادیث میں لفظ خمرہ آیا ہے۔ جس کا ترجمہ علمائے اہلسنت نے سجدہ گاہ کیا ہے۔ بخاری شریف میں ام المومنین حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ

قالت و کان یصلی علی الخمرہ

ام المومنین فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ سجدہ گاہ پر سجدہ کیا کرتے تھے۔(۹)

مولانا وحید الزمان اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام فقہاء نے اس پر اتفاق کیا کہ سجدہ گاہ پر نماز درست ہے مگر عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ ان کے لیے مٹی لائی جاتی وہ اس پر سجدہ کرتے اور ابن ابی شیبہ نے عروہ سے نکالا کہ وہ سوائے مٹی کے کسی اور چیز پر سجدہ کرنا مکروہ جانتے تھے۔(۱۰)

بلکہ امام بخاری نے بخاری شریف (۱۱) اور امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد (۱۲) میں ایک الگ باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے **الصلوٰۃ علی الخمرہ** یعنی سجدہ گاہ پر نماز پڑھنا۔

پیغمبر اکرمؐ کا سجدہ گاہ پر نماز پڑھنا ایسی مشہور بات ہے کہ جسے اکثر بڑے بڑے محدثین نے اپنی کتب احادیث میں نقل کیا ہے۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ کی روایت جو پیچھے بخاری کے حوالے سے نقل ہوئی ہے۔ وہی روایت مسلم

---

۹) بخاری شریف ج ۱ ص ۱۱۸۱ ترجمہ علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری مطبوعہ لاہور

۱۰) تیسیر الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۲۷۵ شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

۱۱) تیسیر الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۲۷۶

۱۲) سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۹۱ ترجمہ مولانا وحید الزمان شائع کردہ

شریف (۱۳) میں موجود ہے۔اس کے علاوہ ترمذی شریف (۱۴) میں بھی حضرت ابن عباس سے آنحضرتؐ کی سجدہ گاہ پر نماز پڑھنے کی روایت موجود ہے۔انہی حقائق کی بناء پر اہل سنت کے مدینہ میں پیدا ہونے والے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

> زمین کے علاوہ کسی اور چیز پر یا نباتات پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔(ملاحظہ ہو اردو ترجمہ المحلیٰ جلد نمبر۳ ص ۱۱۵ از امام ان حزم اندلسی مطبوعہ لاہور)

خمرہ کیا ہے؟

جن احادیث میں آنحضرتؐ کا سجدہ گاہ پر نماز پڑھنا نقل ہوا ہے ان کے الفاظ عام طور پر یہ ہیں: "و کان یصلی علی الخمرہ" یعنی آنحضرتؐ خمرہ پر سجدہ کرتے تھے۔مولانا وحیدالزمان خان حیدرآبادی نے لغات الحدیث نامی کتاب لکھی جو کئی جلدوں میں ہے اس میں وہ لکھتے ہیں:

> خمرہ وہ چھوٹا ٹکڑہ بوریے کا یا کھجور کے پتوں کا بنا ہوا جس پر ہر سجدے میں آدمی کا سر فقط آسکتا ہے۔پھر تھوڑا آگے لکھتے ہیں:
> ابن الاثیر نے شرح جامع الاصول میں کہا کہ "خمرہ سجدہ گاہ ہے" جس پر ہمارے زمانے میں شیعہ سجدہ کرتے تھے۔(۱۵)

---

(۱۳) مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۲،ص ۱۹۵ ترجمہ مولانا وحیدالزمان شائع کردہ نعمانی کتب خانہ لاہور

(۱۴) ترمذی شریف ج ۱،ص ۱۵۶ ترجمہ بدیع الزمان مطبوعہ لاہور

(۱۵) لغات الحدیث ج ۱ (ص۱۳۳،۱۳۶،۱۱۳) کتاب "خ" مطبوعہ کراچی

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> اگرچہ ہمارے مذہب میں کپڑے پر جائز ہے پر بہتر یہ ہے کہ مٹی یا بوریے پر سجدہ کرے۔(۱۶)

مولانا وحیدالزمان خان کا اعتراف:

سجدہ گاہ پر سجدہ کرنے کی بحث سمیٹتے ہوئے مولانا وحیدالزمان لکھتے ہیں:

> میں کہتا ہوں اس حدیث سے سجدہ گاہ رکھنا مسنون ٹھہرا اور جن لوگوں نے اس سے منع کیا اور رافضیوں کا طریقہ قرار دیا ان کا قول صحیح نہیں ہے۔میں تو کبھی کبھی اتباع سنت کے لیے پنکھ جو بوریے سے بنا ہوتا ہے بجائے سجدہ گاہ کے رکھ کر اس پر سجدہ کرتا ہوں اور جاہلوں کے طعن و تشنیع کی کچھ پرواہ نہیں کرتا ہمیں سنت رسول اللہ سے غرض ہے۔کوئی رافضی کہے یا کوئی خارجی پڑا بکا کرے۔(۱۷)

دوسری جگہ پر اہلحدیث عالم لکھتے ہیں کہ

> جس مسجد میں کپڑے کا فرش ہوتا ہے تو میں اکثر اس پر اپنا بوریا بچھا کر نماز پڑھتا ہوں بعضے اہل سنت والجماعت حضرات خواہ مخواہ مجھ پر لعن طعن کرتے ہیں۔یہ نہیں سمجھتے کہ ہم ایسی نماز کیوں نہ پڑھیں جو سب کے نزدیک جائز ہو۔اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔آنحضرتؐ سے کپڑے پر بھی نماز پڑھنا منقول ہے۔مگر فرائض کا

---

(۱۶) لغات الحدیث ج ۱ (ص۱۳۳،۱۳۶،۱۱۳) کتاب "خ" مطبوعہ کراچی

(۱۷) لغات الحدیث ج ۱ (ص۳،۱۲) کتاب "خ" مطبوعہ کراچی

کپڑے پر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ گو صحابہؓ سے منقول ہے آنحضرتؐ
کی عادت شریف یہ تھی کہ یا تو مٹی پر نماز پڑھتے یا بوریے پر (۱۸)
ہماری دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو اس سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے

---

۱۸) ملاحظہ ہو لغات الحدیث ج ا کتاب ''ب'' صفحہ ۱۱۳

- وضو میں پاؤں کا مسح کرنے یا دھونے کا اختلاف
- طریقہ وضو میں شیعہ سنی اختلاف کیا ہے؟
- شیعوں کا طریقہ وضو اور برادران اہلسنت کی ایک غلط فہمی
- برادران اہلسنت کی جرابوں جوتوں اور موزوں پر مسح
کرنے والی چند روایات
- سنن ابن ماجہ کی ایک واضح حدیث
- حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت
- حضرت علیؑ کا طریقہ وضو
- سید ابوالاعلیٰ مودودی وضو کی آیت کے بارے میں لکھتے ہیں

وضو میں پاؤں کا مسح کرنے یا دھونے کا اختلاف:

وضو کا طریقہ قرآن میں انتہائی سادہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت ۶ میں ارشاد خداوندی ہے:

یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا و جوھکم و ایدیکم الی لمرافق و امسحوا برء و سکم و ارجلکم الی الکعبین

شیعہ سنی علماء کا اتفاق ہے کہ وضو میں چار چیزیں فرض ہیں۔ باقی امور دھونا اور منہ اور ناک میں تین تین بار پانی ڈالنا سنت ہیں جو امور فرض ہیں ان کا ذکر مذکورہ بالا آیت میں موجود ہے۔ اس آیت پر اگر سرسری نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس آیت کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصے میں ایمان والوں سے خطاب ہے کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو۔ دوسرے حصے میں جن اعضاء کو دھونا ہے ان کا ذکر ہے اور تیسرے حصے میں جن اعضاء پر مسح کرنا ہے ان کا ذکر ہے۔ اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا و جوھکم و ایدیکم الی لمرافق و امسحوا برء و سکم و ارجلکم الی الکعبین

اے ایماندارو! جب تم نماز کے لیے آمادہ ہو تو اپنے منہ اور کھنیوں تک ہاتھ دھولیا کرو اور اپنے سروں کا اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں کا مسح کرلیا کرو۔ (۱)

---

۱) ملاحظہ ہو سورہ مائدہ آیت نمبر ۶ ترجمہ شیعہ مفسر حافظ سید فرمان علی طبع لاہور

ایمان والوں کو خطاب کرنے کے بعد دھونے والے اعضاء یعنی کہنیوں تک ہاتھ اور منہ کا ذکر "فاغسلوا" کے بعد آیا ہے اور مسح کرنے والے اعضاء یعنی سر اور پاؤں کا ذکر "وامسحوا" کے بعد آیا ہے۔ یہ آیت بڑی واضح ہے جسے سمجھنا بڑا آسان ہے۔

وضو میں شیعہ سنی اختلاف کیا ہے؟

واضح رہے کہ وضو میں شیعہ سنی اختلاف جو کچھ بھی ہے وہ اس آیت کے آخری حصہ میں ہے۔ شیعہ موقف تو واضح اور دوٹوک ہے کہ آیت میں جن دو اعضاء کے دھونے کا حکم ہے وضو میں نہیں دھونا ہی ہے اور جن دو اعضاء کے مسح کا حکم ہے یعنی سر اور پاؤں ان کا مسح کیا جائے وضو والی آیت کا شیعہ نقطہ نگاہ سے ترجمہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔

اب علمائے اہلسنت کے تراجم ملاحظہ فرمائیں۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحوم اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

اے ایمان والو! جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سر کو اور پاؤں ٹخنوں تک۔ (۲)

ایک دوسرے اہلسنت مفسر مولانا اشرف علی تھانوی اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

اے ایمان والو! جب تم نماز کیلئے اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو

---

۲) ملاحظہ ہو ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن طبع لاہور

اور اپنے پاؤں کو بھی ٹخنوں تک۔ (۳)

ہمارے پیش نظر مولانا علی تھانوی مرحوم کا جو ترجمہ ہے' مطبوعہ ہے اور شیخ برکت اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور کا شائع کردہ ہے۔ لیکن مولانا کے اس ترجمہ میں تحریف کر دی گئی ہے اور موجودہ ترجمہ اس طرح ہے کہ

اے ایمان والو! جب تم نماز کیلئے اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور (دھوؤ) اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت۔ (۴)

اسی طرح اکثر اہلسنت مترجم حضرات نے بریکٹ میں دھونے کا لفظ لکھ دیا ہے۔

شیعوں کا طریقہ وضو اور برادران اہلسنت کی ایک غلط فہمی:

اکثر برادران اہلسنت کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے شیعہ وضو میں پہلے پاؤں دھوتے ہیں۔ حالانکہ اصل حقیقت اس طرح نہیں بلکہ اسلام کے احکام ہر غریب' امیر اور مزدور کیلئے یکساں ہیں۔ انسانی معاشرے میں ہر دور میں ایسے افراد موجود رہے ہیں اور آج بھی اکثریت ایسے افراد کی ہے جنہیں اپنے کام کاج کے سلسلے میں محنت مزدوری کرنی پڑتی ہے وہ ہر وقت بند جوتا پہن کر اپنے پاؤں پاک و پاکیزہ نہیں رکھ سکتے اس لیے وضو کرنے سے پہلے انہیں دھو کر پاک کرلیا جاتا ہے اور

---

۳) ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی ص ۱۷۱ شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور مطبوعہ ۱۹۵۴ء

۴) ترجمہ قرآن مولانا اشرف علی تھانوی ص شائع کردہ تاج کمپنی

وضو کے آخر میں ان پر مسح کرلیا جاتا ہے البتہ اگر کسی شخص نے ظہر عصر کی نماز پڑھی ہے اس کے بعد جرابیں پہن کر بند جوتا پہن لیا پھر مغرب عشاء تک اس کے پاؤں پاک رہے ہوں تو ایسی صورت میں پاؤں پہلے نہیں دھوئے جاتے بلکہ ان پر صرف مسح کرلیا جاتا ہے۔

برادران اہلسنت کی جرابوں جوتوں اور موزوں پر مسح کرنے کی چند روایات پر ایک نظر:

برادران اہلسنت شیعوں پر یہ کہہ کر تنقید کرتے ہیں کہ قرآن تو وضو میں پاؤں دھونے کا حکم دیتا ہے۔

جب کہ شیعہ پاؤں پر مسح کرتے ہیں لیکن جب اہلسنت کی کتب احادیث پر نظر ڈالی جائے تو وہاں صرف پاؤں پر مسح کی روایات موجود نہیں بلکہ جرابوں' جوتوں اور موزوں پر مسح کی بہت ساری روایات موجود ہیں ہم بطور مثال صرف چند روایات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ کی حدیث ملاحظہ ہو:

عن المغیرہ بن شعبہ ان رسول ﷺ توضا و مسح علی الجور بین و النعلین

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایات ہے کہ آنحضرت نے وضو کیا اور مسح کیا جرابوں اور جوتوں پر۔ (۵)

اس حدیث کی شرح میں مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

---

۵) سنن ابی ماجہ ج ۱' ص ۲۹۰ شائع کردہ مہتاب کمپنی اردو بازار لاہور

شارع نے اپنی امت پر آسانی کیلئے پاؤں کا دھونا ایسی حالت میں جب موزہ یا جراب یا جوتا پڑھا ہو معاف کر دیا جیسے سر کا مسح عمامہ بندھی ہوئی حالت میں پھر اس آسانی کو قبول نہ کرنا اور اس میں عقلی گھوڑے دوڑانا کیا ضروری ہے۔(۶)

سنن ابی داؤد ایک حدیث کی شرح میں مولانا وحید الزمان خان مرحوم لکھتے ہیں:

سورہ مائدہ میں جو آیت پاؤں دھونے کی ہے وہ خاص ہے اس صورت میں جب پاؤں میں موزے نہ ہوں اور اگر موزے ہوں تو موزوں پر مسح درست ہے۔(۷)

جوتوں اور پاؤں پر مسح کرنے والی سنن ابی داؤد کی حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ اوس ابن اوس ثقفی روایت کرتے ہیں کہ

ان رسول اللہ ﷺ توضا و مسح علی نعلیه و قدمیه

رسول پاکؐ نے وضو کیا اور مسح کیا اپنے جوتوں پر اور پاؤں پر۔(۸)

ہم اس روایت کے بارے میں اتنا ہی عرض کریں گے کہ آنحضرتؐ نے صرف پاؤں پر ہی مسح کیا ہوگا کیونکہ یہی حکم قرآن میں ہے باقی راوی کی غلط فہمی ہو سکتی ہے کیونکہ بیک وقت جوتوں پر اور پاؤں پر مسح کرنا خلاف عقل ہے۔

---

۶) سنن ابی ماجہ ج ۱ ص ۲۹۰ شائع کردہ مہتاب کمپنی اردو بازار لاہور

۷) سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۹۷ ترجمہ مولانا وحید الزمان

۸) سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۹۹ ترجمہ مولانا وحید الزمان

سنن ابن ماجہ کی ایک واضح حدیث:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ گزرے۔ ایک شخص وضو کر رہا تھا اور موزوں کو دھو رہا تھا (وہ سمجھا کہ پیر دھونا فرض ہے پھر جب موزہ پیر پر ہو تو وہ موزہ دھونا فرض ہے) تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا گویا اس کے خیال کو دور کیا اور فرمایا کہ

انما امرت بالمسح و قال رسول اللہ ﷺ بیدہ هکذا من اطراف الاصابع الی اصلی الساق و خطط بالاصابع

مجھے حکم ہوا ہے مسح کا اور فرمایا آپ نے اپنے ہاتھ سے (اشارہ کیا) انگلیوں کی نوکوں سے پنڈلی کی جڑ تک اور انگلیوں سے لکیر کھینچی۔(۹)

یہ حرف بہ حرف ترجمہ مولانا وحید الزمان مرحوم کا ہے جو کچھ انہوں نے بریکٹ میں لکھا ہم نے وہ بھی لکھ دیا ہے اس حدیث کے آخری فقرے یعنی مجھے حکم ہوا ہے مسح کا پھر آنحضرتؐ اپنے ہاتھ سے پاؤں کی انگلیوں کی نوکوں سے مسح شروع کر کے پنڈلی کی جڑ تک لکیر کھینچ کر بھی بتا رہے ہیں۔ یہ حدیث ہر ذی شعور کو دعوت فکر دے رہی ہے کہ آنحضرتؐ کا سنت طریقہ وہی تھا جو آپ اپنے ایک صحابی کو بتا رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت:

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے:

---

۹) سنن ابی ماجہ ج ۱ ص ۲۸۷ شائع کردہ مہتاب کمپنی اردو بازار لاہور

قال تخلف النبی ﷺ عنا فی سفرة فادر کنا و قدا رهقنا العصر فجعلنا فتوضا و نمسح علی ارجلنا فنادی باعلی صوته ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلثا

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ کسی سفر میں رسول اکرمؐ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ہم سے مل گئے۔ ہمیں نماز عصر میں دیر ہوگئی تھی۔ ہم (جلدی کے باعث) پاؤں پر مسح کر رہے تھے۔ آپ نے بلند آواز سے پکارا اور دو یا تین مرتبہ فرمایا ایڑیوں کے لئے آگ سے تباہی ہوگی۔ (۱۰)

یہ حدیث بھی اپنے اندر غور وفکر کا بہت سارا سامان رکھتی ہے اور ہر انصاف پسند کو دعوت فکر دے رہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کے الفاظ پر غور فرمائیں: "فتوضاء و نمسح علی ارجلنا" یعنی ہم نے وضو کیا اور پاؤں پر مسح کر رہے تھے۔ اب فاضل مترجم مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری نے عجیب وغریب تاویل کرتے ہوئے بریکٹ میں جلدی کے باعث پاؤں پر مسح کرنے کا لکھا ہے۔ ہر ذی شعور فرد کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اگر وضو میں پاؤں دھونے کا حکم ہو نماز کی خواہ کتنی ہی جلدی کیوں نہ ہوتی۔ کیا ایک صحاب رسول اور پھر رسول پاکؐ کے سامنے غلط وضو کر سکتا تھا؟ حدیث کے الفاظ بتاتے ہیں کہ نماز ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ پھر نماز کی تو آخری رکعت میں بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ

---

۱۰) بخاری ج ۱ ص ۶۰۔۱۵۹ ترجمہ فاضل شہیر مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری شائع کردہ فریدیہ بک اسٹال ۴۰ اردو بازار لاہور

جناب عبداللہ بن عمرو نے پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح کر لیا اور آنحضرتؐ سامنے دیکھ رہے ہیں۔ آپ بانی شریعت تھے۔ آپ فوراً فرماتے کہ عبداللہ تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو؟ وضو میں پاؤں دھونے کا حکم ہے اور آپ لوگ مسح کر رہے ہیں۔ حدیث کے الفاظ پر ذرا غور کریں تو شیعہ موقف کی تائید ہوتی ہے کیونکہ شیعہ کہتے ہیں۔ وضو میں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم ہے اور اگر پاؤں ناپاک ہوں یا مٹی وغیرہ سے آلودہ ہوں تو وضو سے پہلے انہیں اچھی طرح دھو کر صاف کر لیں۔ اب حدیث شریف کے جو الفاظ ہیں' اس میں آنحضرتؐ نے حضرت عبداللہ بن عمرو وغیرہ کی صرف ایڑیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس کی یہی وجہ سمجھ آتی ہے کہ ان کی ایڑیاں مٹی وغیرہ سے آلودہ ہوں گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے طور پر اپنے پاؤں کو پاک ہی سمجھتے ہوں گے اور آنحضرتؐ نے بھی ان کی ظاہری حالت کی طرف توجہ فرمائی تو ان کی توجہ ایڑیاں کی جانب مبذول کروائی ورنہ آپ سیدھا حکم دیتے کہ پاؤں پر مسح کرنے کی بجائے انہیں دھوؤ۔ اب پاؤں کا مسح کرتے ہوئے دیکھ کر انہیں یہ ٹوکنا صاف بتا رہا ہے کہ وضو میں پاؤں کے مسح کا ہی حکم ہے۔

حضرت علیؑ کا طریقہ وضو:

حضرت علیؑ مسجد کوفہ میں تشریف فرمائیں۔ نماز کا وقت ہوتا ہے۔ فزال بن سیرہ حضرت علیؑ سے نقل کرتے ہیں:

ثم اتی بماء فشرب و غسل وجهه و یدیه و ذکر رأسه و رجلیه

اس وقت ان کے (حضرت علیؑ کے) پاس پانی آیا۔ انہوں نے پیا اور ہاتھ منہ دھوئے۔ راوی نے سر اور پاؤں کا بھی ذکر کیا۔

یہ ترجمہ مولانا وحید الزمان کا ہے۔ اب حاشیے پر پاؤں کے بارے میں حضرت علیؑ کا طرزِ عمل لکھتے ہیں کہ

ان پر مسح کیا شاید پاؤں میں موزے ہونگے۔ (۱۱)

ہم کہتے ہیں کہ جب بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے وضو میں پاؤں پر مسح کیا تو پھر وحید الزمان کا انداز ملاحظہ فرمائیں۔ پہلے تو ترجمہ کرتے وقت بات کو گول کر گئے اور حاشیے پر لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے پاؤں پر مسح کیا پھر اپنے دل کو تسلی دینے کیلئے لکھتے ہیں کہ ''شاید پاؤں میں موزے ہوں گے۔'' مولانا وحید الزمان یا دیگر علمائے اہلسنت جو ان کے جی میں آئے تاویلیں کرتے رہیں۔ قرآن و سنت سے پاؤں کا مسح ہی ثابت ہوتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی وضو کی آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

ارجلکم کی دو متواتر قرأتیں منقول ہوئی ہیں۔ نافع عبداللہ بن عامر حفص کسائی اور یعقوب کی قرات اَرْجُلَکُمْ ہے۔ جس سے پاؤں دھونے کا حکم ثابت ہوتا ہے اور عبداللہ بن کثیر حمزہ بن حبیب ابوعمرو بن الاعلاء اور عاصم کی قرأت اَرْجُلِکُمْ ہے۔ جس سے مسح کرنے کا حکم نکلتا ہے۔ بظاہر ایک شخص محسوس کرے گا۔

---

۱۱) ملاحظہ ہو تیسیر الباری شرح بخاری ج ۷، ص ۴۲۹ شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

یہ دونوں قرأتیں متضاد ہیں لیکن نبی اکرمؐ کے عمل سے معلوم ہوگیا کہ دراصل ان میں تضاد نہیں ہے بلکہ یہ دو مختلف حالتوں کیلئے الگ الگ احکام کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس آدمی کو وضو کرنا ہو تو اسے پاؤں دھونا چاہیے باوضو اگر تجدید وضو کرے تو وہ صرف مسح پر اکتفا کر سکتا ہے۔ (۱۲)

تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہی بات علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر اتقان میں بھی لکھی ہے۔ (۱۳)

صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی کی عبارت ملاحظہ ہو:

محمد بن حریر اور جبائی معتزلہ کے امام نے کہا ہے کہ اختیار ہے خواہ مسح کرے دونوں پاؤں پر خواہ ان کو دھوئے اور بعض نے یہ کہا کہ مسح اور دھونا دونوں واجب ہیں۔ (۱۴)

مولانا وحید الزمان کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

اہلسنت کے یہ بہت بڑے سکالر لکھتے ہیں:

علامہ ابن حریر طبری اور شیخ محی الدین بن عربی نے یہ کہا ہے کہ نمازی کو اختیار ہے چاہے وضو میں پاؤں دھوئے، چاہے مسح کرے۔ عکرمہ اور چند تابعین سے بھی مسح منقول ہے۔ (۱۵)

---

۱۲) ملاحظہ ہو رسائل و وسائل ج ۳، ص ۱۳۲۔۱۳۳

۱۳) تفسیر اتقان ج ۲، ص ۹۷ ترجمہ مولانا محمد علیم انصاری شائع کردہ ادارہ اسلامیات لاہور

۱۴) صحیح مسلم میں مختصر شرح نووی ج ۱، ص ۳۷۷ شائع کردہ نعمانی کتب خانہ

۱۵) لغات الحدیث کتاب ''س'' ص ۸۶ شائع کردہ میری محمدی کراچی

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اکثر اہلسنت کے نزدیک پاؤں دھونا فرض ہے اور بعضوں نے کہا کہ مسح اور دھونا دونوں کافی ہیں اور نمازی کو اختیار ہے خواہ ان کو دھوئے یا ان پر مسح کرے۔(۱۶)

ہماری گذارش:

ہم معزز علمائے اہلسنت سے اتنی گزارش کرتے ہیں کہ جب بڑے بڑے علمائے اہلسنت نے یہ لکھا ہے کہ وضو میں پاؤں پر مسح کرنے کا نمازی کو اختیار ہے بلکہ حضرت عکرمہ اور کئی تابعین سے مسح منقول ہے اور تابعی اسے کہتے ہیں جس نے صحابہ اکرامؓ کی زیارت کی ہو اگر یہ بات عوام کو بھی بتا دی جائے تو ایک طرف ان کے لیے سہولت پیدا ہوگی اور دوسری طرف مسلمان ایک دوسرے کے قریب آ سکیں گے کیونکہ شیعہ وضو نہ صرف قرآن وسنت کی بلکہ صحابہ وتابعین سے بھی ثابت ہے۔

روزہ افطار کرنے کا وقت قرآن وسنت کی روشنی میں:

تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے روزے فرض کیے ہیں لیکن بدقسمتی سے یہاں بھی اختلاف کی ایک صورت پیدا ہوگئی ہے۔ برادران اہلسنت جونہی سورج غروب ہوتا ہے روزہ افطار کر دیتے ہیں لیکن مکتب اہلبیت کے پیروکار یعنی شیعہ چند منٹ دیر سے روزہ کھولتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں روزہ کھولنے کا وقت اتنے واضح اور صاف لفظوں میں بیان ہوا ہے کہ معمولی عقل وفکر رکھنے والا آدمی بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اس لیے ہم قرآن وسنت کی

---

۱۶) لغات الحدیث کتاب ''ض'' ص ۴۸

روشنی میں ہی اس پر غور کرتے ہیں۔

قرآن کس وقت روزہ کھلنے کا حکم دیتا ہے؟

سورہ البقرہ میں ارشاد الٰہی ہے:

وكلوا و اشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر ثم اتموا الصيام الى الليل

(سورہ البقرہ آیت ۱۸۷)

اور کھاؤ اور پیو (بھی) اس وقت تک کہ تم کو سفید خط (یعنی نور) صبح (صادق) کا متمیز ہو جائے۔ سیاہ خط سے پھر (صبح صادق سے) رات تک روزہ کو پورا کیا کرو۔

(ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے پھر پورا کرو روزہ کو رات تک۔

(ترجمہ مولانا محمود الحسن دیوبندی)

اس آیت کے آخری حصہ میں روزہ کھولنے کے وقت کی وضاحت موجود ہے کہ اتموا الصيام الى الليل یعنی تمام کرو روزہ رات تک چونکہ شیعہ اور اہلسنت کے درمیان اس بات پر اختلاف موجود ہے کہ افطاری کس وقت کی جائے؟ مناسب معلوم ہوتا ہے احادیث سے رجوع کر کے اصل صورتحال معلوم کی جائے۔

وقت افطار احادیث کی روشنی میں:

احادیث اس سلسلے میں کیا کہتی ہیں؟ ملاحظہ فرمائیں:

آنحضرت کہیں تشریف لے جارہے ہیں' صحابہ کرامؓ ساتھ ہیں' رمضان کا مہینہ ہے' سورج غروب ہو جاتا ہے۔ حدیث کے اصل الفاظ بخاری شریف میں اس طرح آئے ہیں:

فلما غربت الشمس قال انزل فاجدح لنا

یعنی جب سورج ڈوب گیا تو آپؐ نے (ایک شخص سے) فرمایا: اتر ہمارے لیے ستو گھول۔ اس نے کہا کہ ابھی تو بہت وقت باقی ہے۔ آپ نے فرمایا:

اذا رایتم اللیل اقبل من ھاھنا فقد افطر الصائم و اشاراً اصبعه قبل المشرق

جب تم دیکھو رات کی تاریکی ادھر پورب (مشرق) کی طرف سے آن پہنچی تو روزے کے افطار کا وقت آگیا اور آپؐ نے انگلی سے پورب (مشرق) کی طرف اشارہ کیا۔(۱)

صحیح مسلم کی حدیث میں آنحضرتؐ کے الفاظ زیادہ تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں:

قال بیدہ اذا غابت الشمس من ھھنا وجاء اللیل

---

۱) تیسر الباری شرح بخاری ج ۳' ص ۱۱۶ ترجمہ وحید الزمان خان شائع کردہ تاج کمپنی کراچی + بخاری شائع کردہ مکتبہ تعمیر انسانیت ج ۱' ص ۶۹۵ مطبوعہ لاہور

من ھھنا فقد افطر الصائم

آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ جب سورج ڈوب جائے اس طرف کو (مغرب میں) اور آجائے رات اس طرف سے (مشرق سے) پس روزہ کھل چکا صائم کا۔(۲)

امام ترمذی نے افطاری کے متعلق ایک باب باندھا ہے۔ اس کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

اذا قیل اللیل و ادبر النھار و غابت الشمس فقد افطرت

جب سامنے آئے سیاہی رات کی مشرق سے اور پیٹھ موڑے دن اور غروب ہو جائے آفتاب تو تجھ کو روزہ کھولنا چاہیے۔(۳)

کتنے صاف الفاظ میں روزہ کھولنے کا مسئلہ آنحضرتؐ نے بیان فرمایا ہے۔ ہم اپنے محترم قارئین سے گذارش کریں گے کہ وہ مندرجہ بالا احادیث کے الفاظ بار بار غور سے پڑھیں۔ کیا نبی اکرمؐ نے یہ فرمایا ہے کہ جونہی سورج غروب ہو جائے تو روزہ کھول دیا جائے جیسا کہ برادران اہل سنت کا معمول ہے۔ آنحضرتؐ نے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ایک تو سورج مغرب کی طرف غروب ہو جائے اور دوسرا مشرق کی طرف سے رات کی سیاہی نمودار ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی روزہ افطار نہیں کرتے بلکہ مشرق کی طرف سے

---

۲) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۳' ص ۱۰۹ تا ۱۱۰ ترجمہ مولانا وحید الزمان

۳) جامع ترمذی ج ۱' ص ۲۶۶ ترجمہ مولانا بدیع الزمان خان مطبوعہ لاہور

رات کے آثار نمودار ہونے تک تقریباً دس منٹ انتظار کرتے ہیں۔ یہی حکم بانی شریعت نے ہم سب مسلمانوں کو دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے تو اس کا کوئی علاج نہیں اب ہم اس مسئلے میں تھوڑا مزید غور کرتے ہیں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

اکثر علمائے اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ روزہ کھولنے میں جلدی کی جائے۔ جیسا کہ مولانا وحید الزمان خان نے ابن ماجہ کے ترجمہ میں آنحضرتؐ کے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ

> ہمیشہ لوگ بہتری کے ساتھ رہیں گے جب تک افطار جلدی کیا کریں گے۔ اس لیے کہ یہود افطار میں دیر کرتے ہیں۔ (۴)

اب اس جلدی کا مطلب بھی یہی ہوسکتا ہے کہ حکم قرآن کے مطابق اور پیغمبر اکرمؐ کے فرمان کے مطابق جونہی سورج غروب ہونے کے بعد مشرق سے رات تک آثار نمودار ہوں، روزہ کھولنے میں جلدی کی جائے نہ کہ وقت آنے سے پہلے روزہ افطار کردیا جائے۔ حاشیہ ابن ماجہ پر مولانا وحید الزمان بھی یہی بات لکھتے ہیں کہ

> وقت آنے کے بعد پھر روزہ کھونے میں دیر نہ کریں یہ مطلب نہیں ہے کہ وقت سے پہلے کھول ڈالیں۔ (۵)

---

۴) ملاحظہ ہو ابن ماجہ ج ۱، ص ۸۴۰ شائع کردہ مہتاب کمپنی لاہور

۵) ملاحظہ ہو ابن ماجہ ج ۱، ص ۸۳۹ شائع کردہ مہتاب کمپنی لاہور

یہود کیسے روزہ کھوتے تھے؟

یہ جو اوپر مولانا وحید الزمان خان نے پیغمبر اکرمؐ کا فرمان نقل کیا ہے کہ یہود افطار میں دیر کرتے ہیں۔ اس سے کیا مراد ہے؟ یہود افطار میں کتنی دیر کرتے تھے۔ مولانا وحید الزمان خان حاشیہ موطا امام مالک اور (۶) شرح بخاری (۷) میں لکھتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ روزہ کھولنے کے لیے تارے نکلنے کا انتظار کرتے تھے لیکن اسلام نے اس طریقہ کے برعکس دوسرا حکم دیا جو کہ اوپر قرآن و سنت کی روشنی میں بیان ہوا ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد مشرق سے جونہی رات کے آثار شروع ہوں، روزہ افطار کرنے کا وقت ہوجاتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا طرز عمل:

مزید وضاحت کے لیے ہم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا طرز عمل بھی بیان کردیتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی پروفیسر ظہران یونیورسٹی سعودی عرب اپنی تحقیقی کتاب فقہ حضرت ابوبکرؓ میں لکھتے ہیں کہ

> حضرت ابوبکرؓ مغرب کی نماز کو افطار پر مقدم کرتے تھے ان کی رائے یہ تھی کہ افطار میں تاخیر کی کافی گنجائش ہے۔ (7a)

موطا امام مالک میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا طرز عمل ملاحظہ فرمائیں۔

---

۶) موطا امام مالک ص ۲۰۸ طبع لاہور

۷) تیسر الباری شرح بخاری ج ۳، ص ۷۱۱ طبع کراچی

۷) فقہ ابوبکرؓ ج ۱، ص ۲۰۶ شائع کردہ ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور

اصل روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ

عن حمید بن عبد الرحمن ان عمر ابن الخطاب و عثمان بن عفان کانا یصلیان المغرب حین ینظر ان الی اللیل الاسود قبل ان یفطر اثم یفطر ان بعد الصلواۃ و ذالک فی رمضان

حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت عثمان بن عفان نماز پڑھتے تھے۔ مغرب کی رمضان میں جب سیاہی ہوتی تھی پچھان (مغرب) کی طرف پھر بعد نماز کے روزہ کھولتے تھے۔ (۸)

یہی روایت موطا امام محمدؒ میں بھی ہے۔ ہم صرف اردو ترجمہ ہی لکھتے ہیں۔ امام محمدؒ لکھتے ہیں:

حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما رمضان میں رات کی سیاہی نمودار ہوتے ہی روزہ افطار کرنے سے قبل نماز مغرب ادا کرتے تھے پھر نماز کے بعد روزہ افطار کرتے تھے۔ (۹)

یہ روایت نقل کرنے کے بعد امام محمدؒ لکھتے ہیں:

اس میں ہر طرح کی گنجائش ہے جو چاہے نماز سے پہلے افطار کرے اور جو چاہے بعد میں کرے۔ دونوں صورتوں میں کوئی حرج نہیں۔ (۱۰)

---

۸) موطا امام مالک ص ۳۰۸ ترجمہ مولانا وحیدالزمان طبع لاہور

۹، ۱۰) موطا امام محمد ترجمہ حافظ نذر احمد ص ۱۸۳ شائع اسلامی اکادمی لاہور

افطاری میں بے صبری کرنے والوں کے لیے نامور اہلسنت مفسرین کا فکر انگیز پیغام:

آج کل جس طرح برادران اہل سنت کے ہاں افطار کے وقت افراتفری اور گھبراہٹ کا عالم ہوتا ہے، اسے خود بزرگ علمائے اہل سنت بھی جانتے ہیں لیکن خدا معلوم کس مصلحت کی بناء پر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں؟ بعض اہل سنت علماء نے اگر کچھ کہا بھی ہے تو وہ کتابوں کی زینت بنا ہوا ہے مثلاً مولانا محمد شفیع سابقہ مفتی دارالعلوم دیوبند "روزہ کے معاملے میں احتیاط" کے زیر عنوان اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

افطار میں دو تین منٹ تاخیر کرنا بہتر ہے۔ (۱۱)

سید ابوالاعلیٰ مودودی جنہیں بات کو سمجھنے اور سمجھانے کا سلیقہ آتا ہے۔
لیکن وقت افطار کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں خود الجھ گئے ہیں، وہ بھی اتنی بات لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ

آج کل لوگ سحری اور افطار دونوں کے معاملے شدت احتیاط کی بنا پر کچھ بے جا تشدد برتنے لگے ہیں مگر شریعت نے ان دونوں اوقات کی کوئی ایسی حد بندی نہیں کی ہے جس سے چند سیکنڈ یا چند منٹ ادھر ادھر ہو جانے سے آدمی کا روزہ خراب ہو جاتا ہے۔

پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "جب رات کی سیاہی

---

۱۱) معارف القرآن ج ۱، ص ۴۵۶ طبع لاہور

مشرق سے اٹھنے لگے تو روزے کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ (۱۲)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھری وقت افطار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

حضور ﷺ نے اپنے ارشاد سے وضاحت فرمادی "اذا ادبر النهار من هھنا و اقبل الليل من هھنا" جب ادھر (مغرب) سے دن پیٹھ پھیر دے اور ادھر (مشرق) سے رات آجائے وہ وقت ہے افطار کا۔ پھر لکھتے ہیں: بعض لوگ روزہ کے افطار میں اتنی جلدی کرنے لگے کہ سورج بھی صحیح طور پر غروب نہیں ہوتا کہ وہ افطار کا نقارہ بجادیتے ہیں۔ (۱۳)

اھلسنت مفسر جناب جاوید احمد غامدی مدیر ماھنامہ اشراق اپنے ایک مضمون "روزہ قرآن کی روشنی میں" تحریر فرماتے ہیں کہ

بعض فقہا کا خیال ہے کہ غروب آفتاب کے ساتھ رات کا آغاز ہوتے ہی روزہ کھول لینا چاہیے بعض اھل علم کے نزدیک جب کچھ رات گزر جائے تو پھر روزہ افطار کرنا چاہیے اس اختلاف کے نتیجے میں عملاً دس پندرہ منٹ کا فرق پڑتا ہے یہ بات کو سمجھنے کا اختلاف ہے اسے بڑا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے جس بات پر اطمینان محسوس ہو اسے اختیار کر لینا چاہیے۔ (۱۴)

---

۱۲) تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۶

۱۳) تفسیر ضیاء القرآن ج ص ۱۲۸ طبع لاہور

۱۴) ماھنامہ اشراق ص ۳۰ بابت دسمبر ۲۰۰۱ء لاہور

ہم محترم جاوید احمد غامدی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ جب تک آپ جیسے علماء کا طبقہ خود پہل نہیں کرے گا اس وقت تک عوام الناس کی کیا مجال کہ دس پندرہ منٹ تو دور کی بات ہے وہ افطاری کا اعلان ہونے کے بعد دس پندرہ سیکنڈ کی بھی تاخیر کر سکیں اگر آپ پوری دیانتداری سے یہ سمجھتے ہیں کہ افطاری کے مسئلے پر امت سے اجتماعی غلطی ہو رہی ہے تو پھر جرأت کا مظاہرہ کریں لیکن یہ سعادت کس خوش قسمت کے حصے میں آتی ہے اس کا اصل طریقہ یہ ہے کہ بڑی مسجد سے چھوٹی مسجد تک کا خطیب عوام الناس کو احسن انداز میں صحیح صورتحال سے آگاہ کرے کیونکہ لوگوں کے ذھن میں تو یہ بات بٹھادی گئی ہے کہ روزہ کھولنے میں ذرہ برابر تاخیر ہوئی تو روزہ مکروہ ہو جاتا ہے تحریراً تو عرب و عجم کے علماء و فقہا بیان کرتے ہی رہتے ہیں۔ مثلاً سعودی عرب کے مفتی شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین سے ایک سائل نے پوچھا کہ

کیا مغرب کی اذان ہوتے ہی افطار کرنا ضروری ہے یا اس میں کچھ تاخیر کرلنا بھی جائز ہے کیونکہ میں اپنی ڈیوٹی سے نماز مغرب کی ادائیگی کے تقریباً نصف گھنٹہ بعد ہی گھر جا سکتا ہوں۔

اس کے جواب میں شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین نے بخاری کی وہ حدیث بھی نقل کی ہے جو سید مودودی اور جسٹس ازھری کی زبانی ہم اوپر نقل کر چکے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں کہ

کھانے کے انتظار کا عذر ہو یا کوئی بہت ضروری کام ہو یا آدمی مسلسل چلنے کی حالت میں ہو تو افطاری میں تاخیر کرنا جائز

ہے۔(۱۵)

دعوت فکر:

ہماری تمام انصاف پسند اہل سنت بھائیوں سے اپیل ہے کہ وہ وقت افطار کے بارے میں قرآن اور پیغمبر اکرمؐ کے حکم پر غور فرمائیں۔ آنحضرتؐ نے بڑے سیدھے سادھے الفاظ میں فرمایا ہے کہ جب سورج مغرب میں ڈوب جائے اور مشرق کی طرف سے رات کی سیاہی نمودار ہو تو روزہ افطار کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ نماز مغرب پڑھ کر روزہ افطار کرتے تھے۔ مفسرین اہل سنت نے بھی آپ کو پیغام دے دیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور ہمارے اہل سنت بھائیوں کو بھی قرآن و سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مسافر کے روزہ کے احکام قرآن وسنت کی روشنی میں:

شیعہ حضرات ماہ رمضان میں اگر کہیں سفر پر جائیں تو روزہ قضاء کرتے ہیں بشرطیکہ سفر شرعی ہو۔ مثلاً کسی کے خلاف ناجائز عدالتی کارروائی یا جھوٹی گواہی دینے کے لیے سفر اختیار نہ کیا گیا ہو یا لہو ولعب کی کسی محفل میں شرکت کے لیے بھی وہ سفر نہ ہو۔ دوسری طرف برادران اہل سنت سفر میں بھی روزہ رکھ لیتے ہیں۔ ہم اس مسئلہ پر قرآن وسنت کی روشنی میں غور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں سورۃ البقرہ میں حکم دیا ہے کہ اے ایمان والو! تم پر بھی اسی طرح روزے فرض کیے گئے

۱۵) فتاویٰ الصیام از شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین ومحمد بن صالح العثیمین ترجمہ عبدالمالک مجاہد طبع دارالسلام لاہور

ہیں جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے اور ساتھ مریض اور مسافر کے روزے کے بارے میں حکم دیا کہ

فمن کان منکم مریضا او علیٰ سفر فعدۃ ایام اخر

(البقرہ آیت ۱۸۳)

جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں (روزوں کی) اتنی ہی تعداد پوری کرے۔

اہل سنت مفسر مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو ایسا بیمار ہو کہ روزہ رکھنا دشوار ہو یا مسافر ہو تو اس کو اختیار ہے کہ روزہ نہ رکھے اور جتنے روزے کھائے اتنے ہی رمضان کے سوا اور دنوں میں روزے رکھے۔(۱۶)

یہ تو تھا حکم قرآن اب ہم احادیث کی روشنی میں مسافر کے روزہ کا حکم معلوم کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے فرامین سے کیا بات ثابت ہوتی ہے؟

آنحضرتؐ کا سفر میں روزہ رکھنے کی ممانعت:

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ ایک سفر میں تھے ایک جگہ لوگوں کا ہجوم دیکھا اور ایک شخص (قیس عامری) کو دیکھا کہ لوگ اس پر سایہ کیے تھے۔ آپ نے وجہ دریافت کی تو لوگوں نے کہا کہ یہ روزہ دار ہے تو آپؐ نے جو کچھ فرمایا۔ بخاری شریف میں موجود ہے۔ آنحضرتؐ نے دوٹوک الفاظ میں

۱۶) ترجمہ قرآن مولانا محمود الحسن مع تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی ص ۳۵ شائع کردہ مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور

فرمایا ہے کہ

لیس من البر الصوم فی السفر

سفر میں روزہ رکھنا کچھ اچھا کام نہیں۔(۱۷)

سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کے الفاظ ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

لیس من البر الصیام فی السفر

سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔(۱۸)

اور صحیح مسلم میں آنحضرتؐ کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ

لیس البر ان تصوموا فی السفر

مطلب اس کا بھی وہی بنتا ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔(۱۹)

سفر میں روزہ رکھنے والا ثواب سے محروم ہے۔(حدیث نبویؐ)

سنن نسائی شریف میں فاضل مترجم نے بڑے موٹے الفاظ میں لکھا ہے کہ

سفر میں روزہ رکھنا ایسا ہے جیسے بے روزہ ہونا۔

اور حاشیہ پر لکھا ہے کہ

سفر میں روزہ رکھنے کا ثواب نہیں ہے یا روزہ رکھنا گناہ ہے۔

یعنی جس سفر میں ضرر کا احتمال ہو۔(۲۰)

---

۱۷) تیسر الباری شرح بخاری ج ۳، ص ۱۰۸

۱۸) سنن ابی داؤد ج ۲، ص ۲۶۳ ترجمہ وحید الزمان سنن ابن ماجہ ج ۲، ص ۸۲۶ ترجمہ مولانا وحید الزمان

۱۹) صحیح مسلم کتاب الصیام ج ۳، ص ۱۲۴ ترجمہ مولانا وحید الزمان

۲۰) سنن نسائی شریف ج ۲، ص ۶۷ ترجمہ مولانا وحید الزمان خان طبع لاہور

یہ ضرر کا احتمال والی بات بھی مترجم کا ذاتی خیال ہے۔ اصل حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں۔ اسی طرح سنن ابن ماجہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

صائم رمضان فی السفر کا المفطر فی الحضر

سفر میں روزہ رکھنے والا ایسا ہے جیسے حضر (یعنی گھر) میں افطار کرنیوالا۔(۲۱)

اس حدیث کی شرح میں مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

ثواب نہیں یہ مبالغہ کے طور پر فرمایا تاکہ لوگ سفر میں روزہ رکھنے سے باز رہیں۔(۲۲)

ہم کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے صرف یہی نہیں فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنے کا ثواب نہیں بلکہ ابھی اوپر نسائی شریف کے الفاظ گزر چکے ہیں کہ سفر میں روزہ رکھنا ایسا ہے جیسے بے روزہ ہونا۔ جب وہ روزہ شمار ہی نہیں ہوگا تو پھر بات ہی ختم ہے۔ یہی بات شیعہ کتب احادیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے۔(۲۳)

سفر میں روزہ رکھنے والوں کے بارے میں آنحضرتؐ کا فرمانا ہے کہ یہ نافرمان ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ جس سال مکہ فتح ہوا تو آنحضرتؐ رمضان میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور آپ نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ

۲۱،۲۲) ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ ج ۱، ص ۸۲۶ تا ۸۲۷ مطبوعہ لاہور

۲۳) ملاحظہ ہو من لا یحضرہ الفقیہ ج ۲، ص ۸۵ مطبوعہ کراچی

کراع غمیم نامی جگہ پر پہنچے۔ باقی لوگوں کا بھی روزہ تھا۔ پھر آنحضرتؐ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور اس کو بلند کیا تا کہ لوگ اسے دیکھیں پھر آپؐ نے اسے پی لیا اور لوگوں نے اس کے بعد آپؐ سے عرض کی کہ بعضے لوگ روزہ رکھتے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا:

اولئک العصاة اولئک العصاة

وہی نافرمان ہیں۔ وہی نافرمان ہیں۔ (۲۴)

واضح رہے کہ حدیث کے الفاظ کا یہ حرف بحرف ترجمہ اہل سنت عالم مولانا وحید الزمان کا ہے یہی بات معمولی لفظی اختلاف سے سنن نسائی (۲۵) میں بھی موجود ہے اور شیعہ کتب احادیث میں امام جعفر صادقؑ سے یہ حدیث روایت کی گئی اس کے الفاظ یہ ہیں کہ

جب آنحضرتؐ مقام کراع الغمیم (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) پر پہنچے تو ظہر وعصر کے درمیان ایک پیالہ پانی منگوایا اور اسے پی کر افطار کیا مگر چند لوگ اپنے روزے پر باقی رہے۔ (افطار نہیں کیا) تو آپؐ نے ان کا نام عصاة (نافرمان) رکھ دیا۔ اس لیے کہ عمل کی بنیاد رسول ﷺ کے حکم پر ہے۔ (۲۶)

آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

(۲۴) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۳، ص ۱۴۴ شائع کردہ نعمانی کتب خانہ لاہور

(۲۵) نسائی شریف ج ۲، ص ۷۰

(۲۶) من لایحضرہ الفقیہ ج ۲، ص ۸۵ مطبوعہ کراچی

سفر میں روزہ کی رخصت خدا کی طرف سے ہدیہ ہے اسے قبول کرو۔

مسلم شریف کی حدیث میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

علیکم برخصة الله الذی رخص لکم

اللہ کی رخصت قبول کرو جو تمہارے لیے دی ہے۔ (۲۷)

من لا یحضرہ الفقیہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

ایک شخص رسولؐ اللہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میں رمضان کے اندر سفر میں روزہ رکھوں؟ فرمایا: نہیں۔ اس نے عرض کیا:

یا رسولؐ اللہ روزہ مجھ پر آسان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ نے میری امت کے مریضوں اور مسافروں کو ماہ رمضان میں افطار عطا فرمایا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اس کو پسند کرے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی شے عطا کرے اور وہ اس کے عطیہ کو واپس کردے؟ (۲۸)

آنحضرتؐ کا ایک شخص کو روزہ کے احکام سمجھانا:

سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک شخص جو کہ مسافر تھا آنحضرتؐ کی خدمت میں

(۲۷) ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۳، ص ۱۲۵ مطبوعہ لاہور

(۲۸) من لایحضرہ الفقیہ ج ۲، ص ۸۵ مطبوعہ کراچی

آیا تو آپ نے اسے کھانے کی دعوت دی۔ اس نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ میں روزہ دار ہوں۔ آپ نے اس سے فرمایا:

اجلس احدثک عن الصلوٰۃ و عن الصیام ان اللہ وضع شطر الصلوٰۃ او نصف الصلوٰۃ فا الصوم عن المسافر

(نبی کریمؐ نے اس شخص سے فرمایا) بیٹھ میں تجھے بتاتا ہوں نماز اور روزے کا حال اللہ جل جلال نے معاف کردی آدھی نماز اور روزہ مسافر کو۔(۲۹)

اسی طرح سنن نسائی میں حضرت ابوقلابہ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ سفر میں نکلے آپؐ کے سامنے کھانا آیا اور آپؐ نے ایک شخص سے فرمایا: آؤ اور کھانا کھاؤ۔ وہ بولا: میں روزے سے ہوں۔ آپؐ نے اس آدمی سے فرمایا:

ان اللہ وضع عن المسافر نصف الصلوۃ و الصیام فی السفر

اللہ تعالیٰ نے مسافر کو آدھی نماز اور روزہ سفر میں معاف کردیا ہے۔(۳۰)

ایک حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آنحضرتؐ نے اس شخص سے فرمایا:

تو نہیں جانتا جو اللہ نے معاف کیا ہے مسافر کو۔ اس نے کہا کہ کیا معاف کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: روزہ اور آدھی نماز۔(۳۱)

---

(۲۹) ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد ج ۲، ص ۲۶۳ ترجمہ مولانا وحید الزمان

(۳۰،۳۱) سنن نسائی شریف ج ۲، ص ۵۷ مطبوعہ لاہور ترجمہ مولانا وحید الزمان

نتیجہ بحث:

مسافر کے روزہ کی اس ساری بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ

1) سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مسافر کو آدھی نماز اور روزہ قضا کرنے کا حکم ہے۔

2) پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔

3) آنحضرتؐ نے یہ بات بھی واضح کردی کہ سفر میں روزہ رکھنا ایسا ہے جیسے بے روزہ ہونا۔

4) آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنے والے نافرمان ہیں۔

5) آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ سفر میں روزہ کی رخصت خدا کی طرف سے ھدیہ ہے اسے قبول کرو۔ پھر آپؐ نے ایک مسافر کو اپنے پاس بٹھا کر بھی بات سمجھادی۔

- نوافل رمضان یا نماز تراویح
- لفظ تراویح کا مفہوم
- نوافل رمضان کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ کی سنت و طریقہ کیا تھا؟
- پیغمبر اکرمؐ رات کے کس حصہ میں مسجد میں تشریف لے جاتے تھے؟
- نماز تراویح کی رکعتوں میں مختلف حکومتوں کی کمی بیشی کی روداد
- نماز تراویح کی رکعتوں میں تبدیلی کی تفصیل ایک سعودی عالم کی زبانی
- بعض بزرگ علمائے اہلسنت کا حقیقت افروز بیانات اور شیعہ موقف کی تائید
- تراویح کے موجودہ طریقے پر ایک اہلسنت عالم کا تبصرہ

نوافل رمضان یا نماز تراویح:

رمضان المبارک کی راتوں میں نوافل پڑھنے کا مسئلہ بھی شیعہ سنی کے درمیان موضوع بحث بنا رہتا ہے۔ برادران اہلسنت ان نوافل کو نماز تراویح کہتے ہیں اور نماز عشاء کے بعد باجماعت ادا کرتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے رمضان المبارک کی تین راتوں کو یہ نوافل پڑھے۔ وہ تین راتیں کونسی ہیں؟ بعض احادیث میں تو یہ بات واضح نہیں لیکن ترمذی ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد وغیرہ کتب احادیث میں صراحت سے لکھا ہے کہ وہ تیئس، پچیس اور ستائیس رمضان المبارک کی راتیں تھیں(۱) اور سنن ابی داؤد میں عبد اللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''سترہویں اکیسویں اور تیئسویں رات کو لیلۃ القدر ڈھونڈو'' اس کے بعد آنحضرتؐ چپ ہو رہے۔(۲) یہ روایت شیعہ موقف کے قریب ہے کیونکہ ہمارے ہاں انیس اور اکیس اور تیئس کی راتوں کو جاگ کر عبادت کرنا' آئمہ اہلبیت کے ذریعے پیغمبر اکرمؐ سے ثابت ہے۔ شیعہ کتب میں رمضان المبارک کی راتوں میں ایک ہزار نوافل پڑھنے کا حکم ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی بیس راتوں میں مغرب کے بعد آٹھ اور عشاء کے بعد بارہ نوافل اور آخری دس راتوں میں مغرب کے بعد آٹھ اور عشاء کے بعد بائیس نوافل پڑھنے اور انیس' اکیس اور تیئس کی راتوں میں جاگ کر سو سو نوافل مزید پڑھے جائیں۔ (مفاتیح الجنان) یہ نوافل پڑھنے کا بہت زیادہ ثواب ہے لیکن اگر نہ پڑھے جائیں تو گناہ نہیں۔ البتہ سنت

---

۱) ترمذی ج ۱ ص ۲۷۶ سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۵۵۹ ابن ماجہ ج ۱ ص

۲) سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۵۶۳ مطبوعہ لاہور

طریقہ یہ ہے کہ الگ الگ بغیر جماعت پڑھے جائیں اور گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔
اب رہے برادران اہلسنت ان کے ہاں ان نوافل کی تعداد میں شدید اختلاف ہے۔
مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

> اس باب میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک میں گیارہ ایک میں اکیس ایک میں بیس اور ایک میں تیئس ایک میں چھتیس ایک میں انتالیس ایک میں چالیس اور ایک میں اڑتیس ایک میں چونتیس ایک میں چوبیس ایک میں سولہ اور ایک میں تیرہ مذکور ہیں۔(۳)

امام ابوحنیفہ کے پیروکار بیس اور اہلحدیث آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں آئمہ اہلبیت سے جو کچھ ثابت ہے' اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

لفظ تراویح کا مفہوم:

اہلسنت دانشور اور محقق جناب قاسم محمود لکھتے ہیں:

> تراویح کا لفظ ترویحہ سے نکلا ہے جس کے معنی ایک دفعہ آرام لینا کے ہیں۔ نماز تراویح میں چونکہ چار رکعتوں کے بعد کچھ دیر آرام کرتے ہیں اور اسی وجہ سے اسے تراویح کہا جاتا ہے۔(۴)

مولانا وحید الزمان مرحوم لکھتے ہیں:

> تراویح اس کا نام اس لیے ہوا کہ ترویح کہتے ہیں آرام کرنے کو۔ صحابہ اس نماز میں ہر دوگانہ کے بعد تھوڑی دیر آرام سے بیٹھتے'

---

۳) تیسر الباری شرح بخاری ج ۳' ص ۱۴۸ طبع کراچی

۴) شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص ۲۸۲ مطبوعہ کراچی

راحت لیتے۔(۵)

واضح رہے کہ لفظ تراویح کے بارے میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بخاری، مسلم ترمذی، ابن ماجہ، ابی داؤد، سنن نسائی وغیرہ کتب احادیث میں آنحضرتؐ کی زبان سے یہ لفظ مروی نہیں۔ البتہ مترجم حضرات نے نوافل رمضان کا ترجمہ تراویح کیا ہے۔

نوافل رمضان کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ کی سنت وطریقہ کیا تھا؟

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ

کان رسول اللہ ﷺ فی قیام رمضان من غیر ان یا مرھم فیہ بعزیمة امر فیہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ رمضان میں تراویح پڑھنے کی ترغیب دیتے بغیر اس کے کہ یاروں کو تاکید سے حکم کریں۔(۶)

اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث کا ترجمہ مولانا وحید الزمان یوں کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو رغبت دلاتے تھے۔ رمضان میں کھڑا رہنے کے واسطے (تراویح میں) مگر حکم نہیں کرتے تھے کہ خواہ مخواہ ایسا کرو۔ اس حدیث کے اگلے الفاظ اس طرح ہیں کہ

(۵) تیسر الباری شرح بخاری ج ۳، ص ۱۴۶ شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

(۶) شرح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۲، ص ۲۵۵ مطبوعہ لاہور ترجمہ وحید الزمان مرحوم

فتوفی رسول اللہ ﷺ والامر علی ذلک ثم کان الامر علی ذل کفی خلافة ابی بکر و صدر امن خلافة عمر

پھر رسول ﷺ کی وفات ہوگئی اور یہی صورت رہی پھر حضرت ابوبکر کی خلافت میں بھی یہی حال رہا اور شروع خلافت میں حضرت عمر کے ایسا ہی رہا۔(۷)

اوپر صحیح مسلم کی جو حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل ہوئی ہے اسی سے ملتی جلتی حدیث سنن نسائی میں بھی موجود ہے۔ اس کی شرح میں مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

رمضان کا قیام مستحب اور سنت رہا۔ کچھ واجب اور ضرور نہ تھا۔(۸)

پیغمبر اکرمؐ رات کے کس حصے میں مسجد میں تشریف لے جاتے تھے؟

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ جن راتوں کو مسجد میں نوافل رمضان ادا کرنے تشریف لے گئے وہ بقول جامع ترمذی وغیرہ تئیس پچیس اور ستائیس رمضان کی راتیں تھیں۔ اب رہی یہ بات کہ پیغمبر اکرمؐ رات کے کس حصہ میں مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس بارے میں ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں۔ بخاری شریف کے الفاظ میں ہیں:

ان رسول اللہ ﷺ خرج لیلة من جوف اللیل

پیغمبر اکرم ﷺ رمضان کی ایک شب آدھی رات کو نکلے۔(۹)

(۷) سنن ابی داؤد ج ۱، ص ۵۵۶ تا ۵۵۷ طبع لاہور

(۸) سنن نسائی ج ۲، ص ۵۲ طبع لاہور

(۹) ملاحظہ ہو بخاری ج ۱، ص ۷۰۹ شائع کردہ مکتبہ تعمیر انسانیت مطبوعہ زادہ بشیر پرنٹرز

اورشاید اسی وجہ سے مولانا وحیدالزمان وغیرہ محقق علمائے اہلسنت نے یہ لکھا ہے کہ ”آنحضرتؐ نے ایک ہی نماز پڑھی۔ اسے تہجد کہو یا تراویح۔“(۱۰)

نماز تراویح جماعت سے کب شروع ہوئی؟

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں صحیح مسلم اور ابی داؤد کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کے اپنے زمانے میں پھر اس کے بعد خلافت ابوبکرؓ کے پورے دور میں اور کچھ عرصہ تک حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی یہ صورت رہی کہ جس کا جی چاہتا' رمضان کے نوافل پڑھ لیتا' جس کا جی چاہتا نہ پڑھتا۔ پھر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں جو صورت حال بنی امام بخاری نے وہ تفصیلاً لکھی ہے۔ ہم بخوف طوالت اصل عربی عبارت کی بجائے مولانا وحیدالزمان کا ترجمہ حرف بحرف نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> عبدرحمان بن عبدقاری کہتے ہیں کہ میں رمضان کی ایک رات حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد میں چلا گیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کے جدا جدا جھنڈ ہیں اور ہیں ایک شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے اور کہیں کسی کے پیچھے پانچ دس آدمی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں ان کو ایک قاری کے پیچھے اکٹھا کردوں تو اچھا ہوگا۔ پھر انہوں نے یہی ٹھان کر ان سب کو ابی بن کعب کا مقتدی کردیا۔ بعد اس کے میں ایک رات جوان کیساتھ گیا تو دیکھتا ہوں کہ سب اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ بدعت تو اچھی ہوئی۔

(۱۰) تیسرالباری شرح بخاری ج ۳' ص ۱۴۷ باب ۸ شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

اس آخری جملہ کے اصل الفاظ بخاری میں اس طرح لکھے ہوئے ہیں: **قال عمرؓ: نعم البدعة هذه.**

اس حدیث کی شرح میں مولانا وحیدالزمان خان لکھتے ہیں:

> اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ خود اس جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ شاید ان کی رائے یہ ہو کہ نفل نماز گھر میں اور وہ بھی آخری شب میں پڑھنا بہتر ہے۔ محمد بن نصر مروزی نے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس تھا۔ انہوں نے لوگوں کو غل سنا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ تراویح پڑھ کر جارہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جو رات باقی ہے وہ اس سے افضل ہے جو گزر گئی۔(۱۱)

حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ جو رات باقی ہے یعنی رات کا آخری حصہ وہ اس سے افضل ہے جو گذر گئی ہے اس لیے ہے کہ آنحضرتؐ رات کے جس حصے میں گھر سے مسجد تشریف لائے تھے وہ ابھی اوپر ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حوالے سے لکھا جاچکا ہے کہ جوف اللیل یعنی آدھی رات کا وقت تھا۔ اس کے علاوہ مندرجہ بالا سطور سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے اور جیسا کہ اہلسنت سکالر مولانا وحیدالزمانؒ نے بھی وضاحت کی ہے کہ حضرت عمرؓ خود اس جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے نماز تراویح باجماعت کب سے شروع کروائی؟ اس بارے میں مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ

(۱۱) تیسرالباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۴۷ تا ۱۴۸ شائع کردہ تاج کمپنی کراچی

حضرت عمرؓ نے ۱۴ھ میں نماز تراویح جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسران کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ (۱۲)

نماز تراویح کی رکعتوں میں مختلف حکومتوں کی کمی بیشی کی روداد:

نماز تراویح جو کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں باجماعت شروع کروائی تھی' اس کے بارے میں مشہور ہے کہ ابتداء میں اس کی بیس رکعتیں تھیں لیکن اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور حکومت میں ان رکعتوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔ اس بارے میں اہلسنت عالم عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

> حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں اس پر زیادہ کیا گیا تھا اور اس کی رکعتیں چھتیس کر دی گئی تھیں اور اس زیادتی کا مقصد یہ تھا کہ اس کی فضیلت اہل مکہ (کی تراویح) کے برابر ہو جائے کیونکہ وہاں پر ہر چار رکعت کے بعد کعبہ کا طواف کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہر طواف کے عوض چار رکعتیں بڑھا دینا مناسب سمجھا۔ (۱۳)

نماز تراویح کی رکعتوں میں تبدیلی کی تفصیل ایک سعودی عالم کی زبانی:

اہلسنت اسکالر شیخ محمد الیاس فیصل اپنی ''نماز پیغمبر ﷺ'' میں لکھتے ہیں:

> سعودی عرب کے نامور عالم مسجدِ نبویؐ کے مشہور مدرس اور

(۱۲) الفاروق ص ۲۷۰ شائع کردہ مکتبہ رحمانیہ لاہور

(۱۳) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱' ص ۵۴۳ مطبوعہ لاہور

> مدینہ منورہ کے موجودہ قاضی شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے۔

واضح رہے کہ اپنی اس کتاب میں شیخ عطیہ سالم نے ان لوگوں پر تنقید کی ہے جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں لیکن اس دوران ایک سچی بات اس سعودی عالم کے قلم سے نکل گئی ہے۔ یہ سعودی عالم شیخ عطیہ سالم لکھتے ہیں:

> جو متعصب لوگ نماز عشاء کے بعد ہی مسجد نبوی سے اس لیے نکل جاتے ہیں کہ وہ دور دراز کی کسی مسجد میں جا کر آٹھ تراویح پڑھیں گے تو ان کو بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ مسجد سے نکل کر نہ تو تم نے اس حدیث پر عمل کیا جس میں گھر جا کر نوافل پڑھنے کو کہا گیا ہے اور نہ ہی تمہیں مسجد نبوی شریف میں تراویح پڑھنے کا ثواب ملا۔ (۱۴)

ہم کہتے ہیں کہ جب یہ سعودی عالم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سرکار دو عالمؐ نے گھر جا کر نوافل پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے تو پھر آپ پیغمبر اکرمؐ کے فرمان کو پس پشت ڈال کر چاہے مسجد نبوی میں نوافل ادا کرو یا خانہ کعبہ کے وسط میں کھڑے ہو کر نوافل پڑھو' بات وہی اٹل ہے جو آنحضرتؐ نے فرمائی ہے۔ یہ سعودی عالم نماز تراویح کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ

> دوسری صدی میں چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھے

(۱۴) ''نماز پیغمبر ﷺ'' ص ۲۶۰ تا ۲۶۲ مطبوعہ ندیم یونس پرنٹرز لاہور شائع کردہ سنی پبلیکیشنز لاہور۔ واضح رہے کہ شیخ عطیہ سالم کی کتاب کا نام ''التراویح'' ہے اس میں مختلف صدیوں میں تراویح کی تفصیل ص ۲۶۰ تا ۲۶۵ پر درج ہے۔

جاتے تھے اور تیسری صدی میں بھی وتروں سمیت انتالیس رکعات ادا کی جاتی تھیں۔ چوتھی پانچویں اور چھٹی صدی میں چھتیس کی بجائے پھر سے بیس رکعت تراویح پڑھی جانے لگیں۔ آٹھویں صدی سے تیرہویں صدی تک بدستور بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں۔ پھر رات کے آخری حصہ میں سولہ رکعتیں مزید پڑھی جاتی تھیں اور یہ سلسلہ چودھویں صدی کے پہلے پچاس سال تک جاری رہا کہ بیس تراویح شروع رات میں پڑھی جاتیں اور پھر رات کے آخری حصہ میں مزید سولہ رکعات پڑھی جاتی تھیں۔ پھر آگے چودھویں صدی کے بقیہ پچاس سالوں کی بابت لکھتے ہیں کہ جب سعودی حکومت قائم ہوگئی تو حرم مکی شریف اور حرم مدنی شریف میں پانچوں نمازوں اور تراویح کو منظم کردیا گیا۔ اب صورتحال یہ ہے کہ پورا رمضان عشاء کے بعد بیس تراویح اور تین وتر پڑھے جاتے ہیں۔ اس طرح تراویح کا کل بیس رکعات پڑھنا بالکل مضبوط ہوگیا اور دوسرے تمام علاقوں میں بھی یہی عمل جاری ہے۔(۱۵)

نوافل رمضان یا نماز تراویح عہد صحابہؓ میں:

علمائے اہلسنت نے لوگوں کے ذہنوں میں چونکہ یہ بات پختہ کردی ہے کہ نماز تراویح فقط باجماعت ہی ہوسکتی ہے اس لیے شاید ہی کوئی خوش قسمت ایسا ہو

---

۱۵) ملاحظہ ہو "نماز پیغمبر ﷺ" ص ۲۶۰ تا ۲۶۲ طبع لاہور

جو سنت پیغمبرؐ بلکہ حکم پیغمبر اکرمؐ کے مطابق یہ نوافل گھر پڑھتا ہو۔ حضرت عمرؓ کی بابت اہلحدیث عالم مولانا وحید الزمان کا بیان پیچھے درج ہوچکا ہے کہ وہ خود اس جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے اب کچھ مزید تفصیل ملاحظہ ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی نماز تراویح کی بابت رائے:

پروفیسر ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی فقہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ میں لکھتے ہیں کہ

> حضرت ابن عمرؓ مسجد میں لوگوں کے ساتھ تراویح نہیں پڑھتے تھے بلکہ اپنے گھر میں تراویح پڑھتے۔(۱۶)

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہی عرب اسکالر ڈاکٹر محمد رواس لکھتے ہیں کہ

> لوگوں کے ساتھ تراویح نہ پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ بات ناپسند تھی کہ امام کے پیچھے کھڑے رہیں اور اس طرح رات کا ایک حصہ تلاوت قرآن کے بغیر گزار دیں اس کی بہ نسبت آپ اس بات کو فضیلت دیتے کہ تنہا تراویح پڑھیں اور اس میں قرآن کی قرآت کریں۔(۱۷)

حضرت ابن عمرؓ سے تراویح باجماعت پڑھنے کی بابت سوال اور آپ کا جواب:

ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی اپنے اس فقہی انسائیکلوپیڈیا میں مزید لکھتے ہیں کہ

۱۶، ۱۷) ملاحظہ ہو فقہی انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۷ یعنی فقہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اردو ترجمہ ص ۶۶۹ مؤلف ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی پروفیسر ظہران پیٹرولیم یونیورسٹی سعودی عرب ترجمہ مولانا عبدالقیوم

ایک شخص آپ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا رمضان کے اندر میں امام کے پیچھے نماز پڑھوں؟ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم قرآن پڑھتے ہو؟ (یعنی قرآن پڑھنا جانتے ہو؟) اس نے اثبات میں جواب دیا یہ سن کر آپ نے فرمایا تو پھر کیا تم (امام کے پیچھے تراویح پڑھنے کی صورت میں) اس طرح خاموش رہو گے کہ گویا گدھے ہو اپنے گھر میں یہ نماز پڑھا کرو۔ (۱۸)

حضرت ابی بن کعب کا نماز تراویح کی بابت طرز عمل:

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں باجماعت تراویح شروع کروائی تو ابتداء میں حضرت ابی بن کعبؓ کو امام جماعت مقرر کیا ان کی بابت سنن ابی داؤد کی روایت ہے کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کر دیا اور وہ انہیں بیس رات تک نماز پڑھاتے تھے مگر قنوت نصف آخر میں پڑھتے تھے۔ جب آخری عشرہ کے دس دن رہ جاتے تو اپنے گھر میں ہی نماز پڑھا کرتے اور لوگ کہتے ابی بھاگ گئے۔ (۱۹)

(۱۸) ملاحظہ ہو فقہی انسائیکلو پیڈیا جلد نمبر ۷ یعنی فقہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اردو ترجمہ ص ۶۶۹ مؤلف ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی پروفیسر ظہران پیٹرولیم یونیورسٹی سعودی عرب ترجمہ مولانا عبدالقیوم

(۱۹) ابی داؤد مع عون ص ۵۳۸ جلد نمبر ۱ طبع محمدی دھلی۔ سنن ابی داؤد ترجمہ مولانا وحید الزمان خان جلد نمبر ۱ ص ۵۷۹ شائع کردہ نعمانی خانہ اردو بازار لاہور

اھلحدیث مصنف مولانا محمد داؤد ارشد اپنی کتاب تحفہ حنفیہ میں مذکورہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

مولوی فخر الحسن گنگوھی حنفی دیوبندی نے جب اپنی تصحیح سے ابو داؤد کو شائع کیا تو عشرین لیلۃ کو (یعنی بیس راتوں کو) متن سے نکال کر عشرین رکعۃ بنا دیا۔ (۲۰)

خیر یہ تو اھلحدیث اور حنفی حضرات کی آپس کی بحث ہے ہمارا مقصد تو فقط یہ بتانا ہے کہ خود عہد صحابہ میں بزرگ صحابہؓ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ تراویح کا گھر پڑھنا ہی سنت سے ثابت ہے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ تو مسجد میں جا کر تراویح پڑھتے ہی نہیں تھے اور حضرت ابی بن کعبؓ بیس راتیں مسجد میں پڑھا کر حضرت عمرؓ کا حکم پورا کرتے اور آخری دس راتیں گھر پر عبادت کرتے۔

بعض بزرگ علمائے اہلسنت کا بیان اور شیعہ موقف کی تائید:

چونکہ نوافل رمضان یا نماز تراویح باجماعت پڑھنے کی ابتداء وفات پیغمبر اکرمؐ کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی اس لیے صرف شیعہ ہی نہیں بلکہ بعض جید آئمہ اہلسنت بھی یہ نوافل گھر پڑھنے کو بہتر سمجھتے ہیں جیسا کہ مولانا وحید الزمان خان مرحوم حاشیہ ابی داؤد پر لکھتے ہیں کہ نماز تراویح ابو یوسف اور مالکیہ کے نزدیک گھر میں اکیلے پڑھنا بہتر ہے۔ (۲۱)

(۲۰) تحفہ حنفیہ ص ۳۷ مولف مولانا محمد داؤد راشد شائع کردہ دار الکتب السلفیہ شیش محل روڈ لاہور

(۲۲) سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۵۵۷ مطبوعہ لاہور ترجمہ مولانا وحید الزمان

اور انوار الباری شرح بخاری جو کہ مولانا انور کاشمیری کے افادات پر مشتمل ہے
اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ

امام مالک، امام یوسف، امام طحاوی بعض اصحاب شافعی وغیرہ کا
فیصلہ یہ ہے کہ نماز تراویح کو بھی دوسرے نوافل و مستحبات کی طرح
گھروں میں تنہا تنہا بغیر جماعت کے پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی
کریمؐ نے فرمایا: سب سے افضل نماز وہی ہے جو اپنے گھر میں ادا کی
جائے بجز فرض نماز کے۔ (۲۲)

افسوس ہمارے اہلسنت بھائی اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ تراویح آٹھ
رکعت ہیں یا بیس رکعت لیکن اصل بات کی طرف نہیں آتے کہ یہ نماز تو آنحضرتؐ نے
گھر میں پڑھنا افضل بتایا ہے۔

تراویح کے مروجہ طریقے پر بعض اہل سنت علماء کا تبصرہ:

نماز تراویح میں جتنی تیزی سے قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اس پر اپنی طرف
سے کچھ کہنے کی بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل سنت علماء وفقہاء کے
بیانات نقل کر دیئے جائیں۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز مفتی اعظم سعودی عرب
نماز میں خشوع وخضوع کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ

بہت سے لوگ نماز تراویح اس طرح ادا کرتے ہیں کہ جو کچھ
پڑھ رہے ہوتے ہیں نہ اسے سمجھتے ہیں اور نہ ہی رکوع و سجود وغیرہ

---

۲۲) انوار الباری شرح بخاری ج ۲، ص ۸۸ مولفہ تلمیذ علامہ کشمیر سید احمد رضا بجنوری
شائع کردہ مکتبہ حفیظیہ مکی مسجد گجرانوالہ

اطمینان اور سکون سے ادا کرتے ہیں بلکہ کوّے کی طرح ٹھونگے
مارتے ہیں شریعت اسلامیہ میں یہ چیز جائز نہیں اور نہ ہی اس کی نماز
درست ہے کیونکہ اطمینان اور سکون نماز کا رکن ہے اس کے بغیر نماز
درست نہیں۔ (۲۳)

اسی طرح دو مزید عرب علماء شیخ محمد بن صالح العیثمین اور شیخ عبداللہ بن عبد
الرحمٰن الجبرین "فتاویٰ الصیام" میں لکھتے ہیں کہ

بعض لوگ تراویح میں بہت زیادہ جلدی کرتے ہیں حقیقتاً یہ
خلاف شرع ہے اور اس جلدی میں اگر رکن یا واجب میں خلل پیدا
ہو جائے تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے آج کل عام طور پر بہت
سے آئمہ مساجد نماز تراویح میں بطور خاص ان امکانات کا اہتمام
نہیں کرتے ان احکامات کا اہتمام نہ کرنا درست نہیں ہے۔ (۲۴)

یہ تو تھی عرب کی صورت حال ادھر برصغیر پاک و ہند کی صورتحال پر تبصرہ کرتے
ہوئے مولانا وحید الزمان حیدر آبادی لکھتے ہیں کہ

افسوس ہمارے زمانے کے حافظوں پر جو تراویح میں قرآن کو
اتنی تیزی اور جلدی سے پڑھتے ہیں کہ حرف برابر ادا نہیں ہوتے اور
نہ اوقاف کا خیال رکھتے ہیں غضب تو یہ ہے کہ بعض جاہل حفاظ

---

۲۳) ملاحظہ ہو رمضان المبارک اور قیام اللیل کے مسائل اردو ترجمہ "فضل الصوم
رمضان وقیامہ" ص ۲۰ شائع کردہ "دار السلام" ۵۰۔ لوئر مال لاہور

۲۴) فتاویٰ الصیام: ترجمہ عبدالمالک مجاہد ص ۳۱ شائع کردہ "دار السلام" لاہور

وقف لازم پر بھی نہیں ٹھہرتے اس طرح قرآن پڑھنے یا سننے میں
ثواب کی امید تو کجا عذاب کا ڈر ہے اللہ ان لوگوں کو سمجھ دے اس
طرح پورے قرآن کو کئی دفعہ ختم کرنے سے بہتر ہے کہ الـم تـر
کیف سے تراویح پڑھ لیں اور تراویح پڑھنا کچھ فرض نہیں ہے اگر
عمدہ قاری خوش الحان میسر ہو تو سبحان اللہ ورنہ بے کار محنت اٹھانا اور
وبال مول لینا نری نادانی ہے۔ (۲۵)

مولانا وحید الزمان کے انہی الفاظ پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا بحث سے ہر ذی شعور یہ سمجھ سکتا ہے کہ رمضان المبارک کی راتوں میں نوافل پڑھنے کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ کی سنت و طریقہ کیا ہے؟ اور جب آنحضرتؐ نے فرمادیا کہ سب سے افضل نماز وہ ہے جو گھر پڑھی جائے بجز فرض نماز کے تو اب اگر مسجد میں جا کر ہر رکعت میں ایک پورا قرآن بھی ختم کرلیا جائے تب بھی افضل نماز گھر میں پڑھی ہوئی ماننا پڑے گی کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کا فرمان بھی حق ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن اور پیغمبر اکرمؐ کی سنت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

(۲۵) لغات الحدیث ج ۲، کتاب ''ر'' ص ۳۲ طبع جدید شائع کردہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی

- نماز جنازہ کی تکبیریں
- احادیث پیغمبرؐ اور صحابہ کرامؓ کا طرز عمل
- علمائے اہلسنت کے بیانات
- حضرت علیؓ کے جنازہ پر امام حسنؑ کا پانچ تکبیریں پڑھنا

نماز جنازہ کی تکبیریں:

شیعہ نماز جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ اہلبیتؑ سے پانچ تکبیریں کہنا ثابت ہے جیسا کہ شیعہ کتب احادیث فروع کافی اور من لا یحضرہ الفقیہ وغیرہ (۱) میں موجود ہے دوسری طرف برادران اہلسنت کے ہاں چار تکبیریں پڑھی جاتی ہیں۔ علمائے اہلسنت کا بیان ہے کہ نماز جنازہ کی تکبیروں کی تعداد میں چونکہ اختلاف تھا۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے تمام لوگوں کو چار تکبیریں پڑھنے کا حکم دیا۔ (۲)

اس کے بعد چار تکبیریں پڑھنے کا رواج عام ہو گیا لیکن اس کے باوجود بعض صحابہ کرامؓ پانچ تکبیریں پڑھتے اور اسے ہی سنت پیغمبر قرار دیتے۔ سنن نسائی کی روایت ملاحظہ ہو:

عن ابی لیلیٰ ان زید بن ارقم صلی علیٰ جنازۃ فکبر علیہا خمس و قال کبرھا رسول اللہ ﷺ

حضرت ابی لیلیٰؓ سے روایت ہے کہ زید بن ارقم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو پانچ تکبیریں کہیں اور کہا کہ حضور ﷺ نے بھی پانچ تکبیریں کہیں۔ (۳)

---

۱) فروع کافی ج ۱، ص ۳۰۷ ترجمہ ظفر حسن امروہی مطبوعہ کراچی من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱، ص ۲۵ مطبوعہ کراچی

۲) تاریخ الخلفاء ص ۱۴۰ شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی ترجمہ اقبال الدین احمد

۳) سنن نسائی ج ۱، ص ۷۰۲ کتاب الجنائز ترجمہ وحید الزمان خان شائع کردہ نعمانی کتب خانہ لاہور

سنن ابی داؤد میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ اس کے الفاظ یوں ہیں:

ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ زید بن راقم جو صحابی ہیں، وہ ہمارے جنازہ پر چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ایک بار ایک جنازہ پر انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں تو ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ ہمیشہ چار تکبیریں کہتے تھے آج پانچ کیوں؟ انہوں نے کہا رسول ﷺ پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے۔ (۴)

ترمذی میں بھی یہ حدیث موجود ہے مولانا بدیع الزمان خان اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کہا ابو عیسیٰ نے حدیث زید بن ارقم کی حسن ہے، صحیح ہے اور بعض علمائے صحابہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے کہ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہے اور کہا احمد اور اسحاق نے جب پانچ تکبیریں کہے امام جنازے پر تو مقتدی بھی امام کی تابعداری کرے۔ (۵)

حضرت زیدؓ کی یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے اس کے بارے میں امام نوویؒ نے ایک کمزور عذر نقل کیا ہے کہ علماء کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے لیکن مولانا وحید الزمان مرحوم نے انہیں بڑا دوٹوک جواب دیا ہے۔ وہ حاشیہ صحیح مسلم پر لکھتے ہیں:

---

۴) سنن ابی داؤد ج ۲، ص ۶۱۵ ترجمہ مولانا وحید الزمان مطبوعہ لاہور ابن ج ۱، ص ۸۴۰ ترجمہ مولانا وحید الزمان مطبوعہ لاہور

۵) جامع ترمذی ج ۱، ص ۳۶۵ ترجمہ مولانا بدیع الزمان مطبوعہ لاہور

جب ایک معتبر روای کہتا ہے کہ رسول ﷺ نے پانچ تکبیریں کہیں تو اجماع سے کیونکر منسوخ ہوسکتا ہے۔ فعل رسول مقبول ﷺ کا جب تک خود آپؐ سے پانچ کی نہی بالتصریح نہ آجائے اور حال یہ ہے کہ زادالمعاد میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول ﷺ سے پانچ تکبیریں صحیح ہوئیں۔(۶)

انہی حقائق کی بناپر علامہ عبدالرحمٰن الجزیری حنابلہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

اگرامام چارتکبیروں سے زیادہ کہےتو مقتدیوں کوسات تکبیریں تک اس کی پیروی کرنی چاہیے۔ اگرسات سے زیادہ ہوجائیں تو امام کواس سے آگاہ کرنا چاہیے یہ جائز نہیں کہ اس سے پہلے امام پھیردیا جائے۔(۷)

اورصحیح مسلم کے حاشیے پرمولاناوحیدالزمان خان لکھتے ہیں:

صحابہؓ اہل بدر پر پانچ اور چھ اورسات (تکبیریں) کہا کرتے تھے اور یہ آثارصحیحہ ہیں تو چارسے زیادہ منع کرنے کا کوئی موقع نہیں اور نبی ﷺ نے چارسے زیادہ کومنع نہیں فرمایا بلکہ آپؐ نے اور آپؐ کے بعدصحابہؓ نے چارتکبیروں سے زیادہ کہیں۔(۸)

(۶) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۲، ص ۳۹۰ تا ۳۹۱ ترجمہ مولانا وحیدالزمان شائع کردہ نعمانی کتب خانہ لاہور

(۷) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۸۴۷ شائع کردہ علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور

(۸) ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۲، ص ۳۵۰ تا ۳۹۱ شائع کردہ نعمانی کتب خانہ لاہور

پھر چارتکبیروں والی روایت نقل کرکے اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کسی نے امام احمدؒ کے سامنے پڑھی تو انہوں نے کہا یہ کذب ہے۔ اس کی اصل کچھ نہیں اور یہ روایت کی ہے محمد بن زیاد طحان نے اور وہ حدیثیں اپنے دل سے گھڑا کرتا تھا۔(۹)

آخر میں مولانا وحیدالزمان ایک اور روایت نقل کرتے ہیں کہ

علقمہ نے عبداللہ سے کہا کہ اس کے ساتھی شام سے آئے ہیں، انہوں نے ایک جنازے پر پانچ تکبریں کہیں تو عبداللہ نے کہا تکبریں کچھ مقرر نہیں ہیں۔ امام جتنی تکبیریں کہے تم بھی کہو اور جب وہ سلام پھیرے تم بھی پھیر دو۔(۱۰)

اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں موجود ہے۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

ابن مسعودؓ سے روایات ہے کہ نماز جنازہ کا نہ کوئی وقت معین ہے نہ اس کی تکبیرات کی خاص تعداد مقرر ہے۔(۱۱)

نصرۃ الباری شرح بخاری کی عبارت ملاحظہ ہو:

مفسر قرآن والحدیث علامہ الحافظ عبدالستار نے اپنی اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی برادران اہلسنت کے موقف کی کمزوری واضح ہوتی ہے مذکورہ عالم

(۹، ۱۰) ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۲، ص ۳۹۰ تا ۳۹۱ شائع کردہ نعمانی کتب خانہ لاہور

(۱۱) شاہکار اسلامی انسائکلوپیڈیا ص ۶۶۰، شائع کردہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی

لکھتے ہیں:

میت پر چار تکبیریں بطور اکثریت کے ہیں ورنہ چار سے زائد بھی ثابت ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں زید بن ارقمؓ سے اور مسند احمد میں حذیفہ بن یمانؓ سے مرفوعاً آیا ہے کہ آپؐ نے ایک جنازہ پر پانچ تکبیریں کہیں۔ ابن منذر نے کہا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے بنی اسد کے ایک مرد پر جنازہ پڑھایا تو پانچ تکبیریں کہیں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ وہ اہل بدر پر چھ تکبیریں کہا کرتے تھے اور باقی صحابہؓ پر پانچ اور دیگر لوگوں پر چار۔ (۱۲)

ہم کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے اپنے جنازہ پر بھی پانچ تکبیریں ہی کہی گئیں جیسا کہ ہم تھوڑا آگے بیان کریں گے۔ پہلے نصرۃ الباری شرح بخاری کی ہی ایک اور عبارت ملاحظہ ہو۔ علامہ حافظ عبدالستار لکھتے ہیں کہ

ابن مسعودؓ نے فرمایا: کبر ما کبر الامام۔ امام جتنی تکبیریں کہے تو بھی اتنی کہہ۔ بیہقی میں باسناد حسن آیا ہے کہ عہد نبوی میں لوگ سات چھ پانچ اور چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں لوگوں کو چار پر جمع کر دیا۔ (۱۳)

ہم کہتے ہیں کہ جب پیغمبر اکرمؐ اہلبیت اطہار اور صحابہ کرامؓ سے بروایت صحیح

۱۲، ۱۳) ملاحظہ ہو نصرۃ الباری ترجمہ و حاشیہ و صحیح بخاری پانچواں پارہ ص ۱۵۶ از مفسر قرآن والحدیث حضرت مولانا الحافظ الحاج عبدالستار صاحب طابع و ناشر ادارہ پندرہ روزہ صحیفہ اہلحدیث اے۔ ایم کراچی اپاکستان ۱۳۷۹ھ

پانچ تکبیریں پڑھنا ثابت ہے تو پھر شک وشبہ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ ہم اپنے اہلسنت بھائیوں کو تسلی کے لیے ایک اور روایت نقل کرتے ہیں۔

اہلسنت مورخ شاہ معین الدین احمد ندوی کا اقرار کہ حضرت علیؑ کے جنازہ پر امام حسنؑ نے پانچ تکبیریں کہیں۔ شاہ معین الدین احمد ندوی اپنی شہرہ آفاق کتاب "خلفائے راشدینؓ" میں حضرت علیؑ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ

حضرت امام حسنؑ نے خود اپنے ہاتھوں سے تجہیز و تکفین کی۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں کی بجائے پانچ تکبریں کیں۔ (۱۴)

انہی حقائق کی بنا پر اہلحدیث مصنف مولانا محمد صادق سیالکوٹی اپنے رسالہ "نماز جنازہ" میں "چار سے زائد تکبیریں" کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ

اگر آپ چار سے زائد تکبیریں کہنا چاہیں تو کہیں اس طرح کہ ہر دعا کے بعد تکبیر کہتے جائیں لوگوں کو زائد تکبیریں سن کر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ یہ بھی حضورؐ کی سنت ہے۔ (۱۵)

اسی طرح سرزمین عرب میں مقیم البانوی اسکالر مولانا ناصر الدین البانوی اپنی کتاب "احکام الجنائز" میں "نماز جنازہ کا طریقہ" کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ

نماز جنازہ چار یا پانچ تکبیروں سے لے کر نو تکبیروں تک پڑھی جاسکتی ہے ہر طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ جس طرح بھی کرے جائز ہے بہتر یہ ہے کہ مختلف انداز سے پڑھے کبھی

۱۴) ملاحظہ ہو "خلفائے راشدین" ص ۲۹۱ شائع کردہ۔ ایم۔ ایچ سعید کمپنی کراچی

۱۵) ملاحظہ ہو "نماز جنازہ" ص ۴۲ مولف مولانا محمد صادق سیالکوٹی شائع کردہ نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور۔

ایک طریقے پر اور کبھی دوسرے طریقے پر۔(۱۶)

ہم محترم علمائے اھلسنت واھلحدیث کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ جب آپ کے اچھی طرح علم میں ہے کہ چار سے زائد تکبیریں پڑھنا نبی کریمؐ سے ثابت ہے تو پھر اس سنت پر عمل کرنے کا حوصلہ بھی پیدا کریں اور کبھی کبھی پانچ تکبیریں پڑھ کر نبی کریمؐ کی اس سنت کو زندہ کریں۔

ہم آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان علماء اور خطیبوں کو توفیق دے کہ ایسے مسائل سے عوام الناس کو بھی آگاہ کریں اور انہیں بتائیں کہ اسلام کے احکام صرف وہی نہیں ہیں جو کہ ایک مسجد میں بیان ہو رہے ہیں یا صرف ایک مکتبہ فکر جن پر عمل کر رہا ہے بلکہ دوسری طرف شیعہ مسلک کے پاس بھی سنت رسولؐ موجود ہے جس پر آل رسولؐ ہی نے نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ نے بھی عمل کیا ہے۔ اگر محترم علمائے کرام ایسا کریں تو شاید امت کی وحدت کم ہو سکے یا کم از کم اختلافات کی خلیج کچھ کم ہو سکے۔

ہم آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان علماء اور خطیبوں کو توفیق دے کہ ایسے مسائل سے عوام الناس کو بھی آگاہ کریں کہ اسلام کے احکام صرف وہی نہیں ہیں جو کہ ایک مسجد میں بیان ہو رہے ہیں یا صرف ایک مکتبہ فکر جن پر عمل کر رہا ہے بلکہ دوسری طرف شیعہ مسلک کے پاس بھی سنت رسولؐ موجود ہے جس پر آل رسول اور صحابہ کرامؓ نے عمل کیا ہے۔ اگر محترم علماء کرام ایسا کریں تو شاید امت کی وحدت قائم ہو سکے یا کم از کم اختلاف کی خلیج کچھ کم ہو سکے۔

---

(۱۶) احکام الجنائز ص ۱۵۶ مولفہ مولانا ناصر الدین البانی ترجمہ ابو عبد الرحمٰن شبیر بن نور شائع کردہ نور اسلام اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور۔

قرآن ملت اسلامیہ کی مشترکہ میراث

شیعوں پر تحریف قرآن کا افسوسناک الزام

- شیعہ مساجد اور گھروں میں کس قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے؟
- تحریف قرآن کی نفی شیعہ علماء کے کلام کی روشنی میں
- بعض انصاف پسند علماء اہلسنت کا اعتراف
- کیا کتب اہلسنت میں تحریف قرآن کی روایات موجود نہیں ہیں؟ تصویر کا دوسرا رخ
- چند علماء اہلسنت کی تحریریوں پر ایک نظر
- علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر اتقان اور روایات تحریف
- ڈاکٹر غلام جیلانی برق ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی کا اعتراف حقیقت
- علامہ تمنا عمادی کی ''جمع القرآن'' اور روایات تحریف
- مولانا عمر احمد عثانی اور روایات تحریف
- مولانا عمر احمد عثانی کا افسوسناک انکشاف
- ایک شیعہ عالم دین کی دردمندانہ اپیل

قرآن ملت اسلامیہ کی مشترکہ میراث

شیعوں پر تحریف قرآن کا افسوسناک الزام:

ویسے تو اسلامی فرقوں میں بہت سارے فروعی اختلافات موجود ہیں اور یہ اختلافات صرف اہل سنت اور شیعوں کے درمیان ہی نہیں بلکہ حنفی، مالکی اور حنبلی اور امام شافعی کی فقہ کے ماننے والوں کے درمیان بھی موجود ہے لیکن ان تمام چھوٹے موٹے اختلافات کے باوجود تمام اہل اسلام کا ایک خدا اور ایک رسول، ایک قبلہ اور ایک قرآن ہے لیکن مقام افسوس ہے کہ بعض ناسمجھ اور حقائق سے بے خبر مولوی صاحبان شیعوں پر یہ جھوٹا الزام عائد کرتے چلے آرہے ہیں کہ شیعہ اس قرآن کو نہیں مانتے۔

شیعہ مساجد اور گھروں میں کس قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے؟

ہماری تمام پڑھے لکھے اور روشن فکر افراد سے گذارش ہے کہ کیا شیعہ مساجد اور شیعوں کے گھروں میں اس قرآن کی تلاوت نہیں کی جاتی جس کی برادران اہلسنت تلاوت کرتے ہیں۔ میرے خیال میں اس الزام کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی ایک

دلیل کافی ہے لیکن ان مولوی صاحبان سے خدا سمجھے جو سادہ لوح عوام کو گمراہ کرتے ہیں کہ شیعوں کا اس قرآن کے علاوہ کسی اور قرآن پر اعتقاد ہے۔

تحریف قرآن کی نفی شیعہ علماء کے کلام کی روشنی میں:

اعتقاد تا فی القرآن الذی انزله الله تعالیٰ علی نبیه محمد صلی الله علیه و آله وسلم هو ما بین الدفتین و هو فی ایدی الناس لیس باکثر من ذالک (لی عن قال) و من تسب الینا انا نقول انه اکثر من ذالک فهو کاذب

مقدار قرآن کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ وہ قرآن جو خداوند عالم نے اپنے پیغمبر حضرت محمدؐ پر نازل کیا۔ وہ یہی ہے جو دو دفیتوں (دوگتوں) کے درمیان لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت موجود ہے، اس سے زیادہ نہیں ہے۔ (پھر لکھتے ہیں) جو شخص ہماری طرف یہ بات منسوب کرے کہ ہم موجود قرآن سے زائد قرآن کے قائل ہیں، وہ جھوٹا ہے۔(۱)

یہ الفاظ تو آج سے ایک ہزار سال قبل پیدا ہونے والے شیعہ عالم دین کے ہیں۔ مزید علماء کے بیانات ملاحظہ فرمائیں۔

مرحوم آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئی لکھتے ہیں:

جو قرآن آج ہمارے ہاتھ میں ہے وہی مکمل قرآن ہے جو رسول اکرمؐ پر نازل ہوا۔ بہت سے علمائے کرام نے اس کی تصریح

---

۱) رسالہ اعتقادیہ ص ۹۳ مطبوعہ ایران

فرمائی ہے جیس کہ شیخ صدوقؒ شیخ ابوجعفر طوسیؒ نے اپنی تفسیر البیان میں محسن کاشانی نے الوافی ج ۵ میں شیخ جواد بلاغی نے اپنی تفسیر آلاء الرحمٰن میں وغیرہ وغیرہ۔(۲)

علامہ علی نقی اپنے مقدمہ تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں:

ہم نے بارہا اعلان کیا اور پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم قرآن مجید اسی دو دفیتوں کے درمیان والے قرآن میں جو مسلمانوں کے ہاتھ میں موجود ہے' کسی قسم کا شبہ نہیں رکھتے اور ہم اس کو کلام الٰہی رسولؐ کا اعجاز' اسلام کی سچائی کا نشان اور تمام مسلمانوں کے لیے لازم العمل اور واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔(۳)

آقائے علی میلانی اپنی کتاب ''شیعہ اور تحریف قرآن'' میں رقمطراز ہیں:

شیعہ امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن میں قطعاً تحریف واقع نہیں ہوئی اور موجود قرآن بغیر کسی کمی و بیشی کے وہی ہے جو پیغمبر اسلام پر نازل ہوا۔

شیعوں کا یہ عقیدہ آج کی ایجاد نہیں بلکہ ایک ہزار سال پہلے سے لیکر آج تک شیعہ بزرگ علماء اور مشہور شیعہ مولفین نے اس کی وضاحت فرمادی ہے۔(۴)

---

۲) البیان فی التفسیر القرآن ص ۱۹۹ شائع کردہ جامعہ اہلبیت اسلام آباد

۳) مقدمہ تفسیر القرآن ص ۱۲۳' شائع کردہ الرضا پبلیکیشنز لاہور

۴) شیعہ اور تحریف قرآن شائع کردہ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

مشہور مفسر سید ناصر مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

یہ آسمانی کتاب اسلام کے ابتدائی دور سے لیکر بعد تک تحریف نا پذیر مجموعہ کی صورت میں موجود رہی ہے۔(۵)

ڈاکٹر محمود رامیار ''تاریخ القرآن'' میں لکھتے ہیں:

شیعہ علمائے اعلام منجملہ شیخ صدوقؒ آقائے طباطبائی اور آقائے خوئی اس کے معتقد ہیں کہ قرآن وہی ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں دو دفیتوں کے درمیان ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔(۶)

یہ چند اقوال ہم نے بطور نمونہ پیش کیے ہیں ورنہ اگر تمام شیعہ علماء کے بیانات نقل کیے جائیں تو یہ سلسلہ کئی جلدوں میں ختم نہیں ہوسکتا۔ شیعہ عالم اور مصنف مولانا طالب حسین کرپالوی نے اپنی کتاب مسئلہ تحریف قرآن میں بہت سارے شیعہ علماء کے بیانات نقل کیے ہیں۔ واضح رہے کہ مذکورہ کتاب شیعہ کے خلاف لکھی گئی تقریباً دو درجن کتب کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اب ہم کچھ علمائے اہلسنت کے بیانات نقل کرتے ہیں جنہوں نے تسلیم کیا ہے کہ شیعہ بھی موجودہ قرآن کو اسی طرح مانتے ہیں جس طرح اہلسنت مانتے ہیں۔ کچھ علماء نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ تحریف قرآن کی روایات کتب اہلسنت میں بھی موجود ہیں۔

بعض انصاف پسند علمائے اہلسنت کا اعتراف حقیقت:

شیعوں کا ایمان بالقرآن ایسی نا قابل تردید حقیقت ہے جس کا اعتراف و

---

۵) تفسیر نمونہ ج ۱۱ ص ۴۵ شائع کردہ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور طبع قدیم

۶) تاریخ القرآن ص ۳۳۳' شائع کردہ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

اقرار بہت سارے مصنف مزاج علمائے اہلسنت نے بھی کیا ہے۔ ذیل میں مختصراً ان کے بیانات نقل کیے جاتے ہیں۔

مصری محقق علامہ شیخ محمد غزالی شافعی کا بیان:

یہ مصری محقق شیعوں پر تحریف قرآن کی جھوٹی تہمت لگانے والوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

مجھے بعض لوگوں پر شدید افسوس ہوتا ہے جو بلا تحقیق بات کرتے جاتے ہیں اور نتائج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تہمتیں ہانک دیتے ہیں میں نے ایک صاحب کو یہ کہتے سنا کہ شیعوں کا قرآن کوئی اور ہے اور جو ہمارے اس مشہور قرآن سے ناقص ہے حالانکہ یہاں قاہرہ میں ایک قرآن چھپتا ہے تو شیعہ اس کا احترام کرتے ہیں۔ چاہے وہ نجف میں ہوں یا تہران میں اس کے نسخوں کو ہاتھوں میں لیتے ہیں اور اپنے گھروں میں رکھتے ہیں اور کسی کے دل میں کوئی ایسا خیال نہیں آتا۔ سوائے کتاب اللہ کی عزت و تعظیم کے ان کا کوئی مقصد نہیں ان لوگوں پر اس قسم کی کذب بیانی اور وحی پر ایسے دروغ گوئی آخر کس لیے ہے؟ پھر آگے لکھتے ہیں جو لوگ ملت اسلامیہ میں اختلاف چاہتے ہیں جو اس تفریق کا کوئی حیلہ نہیں پاتے تو اسباب تفریق کے لیے من گھڑت باتیں گھڑ لیتے ہیں۔ (۷)

---

۷) دفاع عن العقیدہ والشریعہ ص ۲۶۵ تا ۲۶۶ طبع دار الکتب الحدیث مصر ۱۹۷۵ء

علامہ رحمت اللہ عثمانی ہندی لکھتے ہیں:

قرآن مجید جمہور علمائے شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے نزدیک تغیر اور تبدیلی سے محفوظ ہے جو شخص شیعوں کی طرف تحریف قرآن کی نسبت دیتا ہے۔ اس کی بات علمائے امامیہ کے نزدیک مردود اور ناقابل قبول ہے۔ اس کے بعد شیعہ کے جلیل القدر علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مسلک جو علمائے شیعہ امامیہ کے نزدیک ثابت ہے وہ یہی ہے کہ قرآن جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا وہ یہی ہے جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور وہ اس سے زیادہ نہیں۔ (۸)

شیخ محمد المدنی پرنسپل شعبہ کلیۃ الشریعہ الازہر یونیورسٹی لکھتے ہیں:

شیعہ امامیہ کے بارے میں یہ کہنا کہ معاذ اللہ شیعہ قرآن میں کمی کے قائل ہیں تو ان روایتوں کی بنا پر ہے جو شیعوں کی کتابوں میں موجود ہیں جیسا کہ ہماری کتابوں میں بھی موجود ہیں لیکن شیعہ سنی دنوں محققین نے ان روایتوں کو رد اور ان کے بطلان کو واضح کیا

---

۸) اظہار الحق ج ۲، ص ۸۹ تا ۹۰ طبع عامرہ استنبول واضح رہے کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ تین جلدوں میں وفاقی شرعی عدالت کے جسٹس محمد تقی عثمانی کے حواشی و شرح کے ساتھ ''بائیبل سے قرآن تک'' کے نام سے مکتبہ العلوم کراچی سے شائع ہو چکا ہے اس کی تیسری جلد ص ۹ تا ۱۳ پر یہ تفصیل موجود ہے۔

ہے شیعہ پر تحریف کی تہمت لگانے والوں کو علامہ سیوطی کی اتقان جیسی کتاب کو پڑھنا چاہیے کہ اس میں تحریف پر دلالت کرنی والی روایت کو دیکھیں۔ اگرچہ ہم اس قسم کی روایات کو تسلیم نہیں کرتے۔

ایک مصری عالم نے ۱۹۴۸ء میں الفرقان نام کی کتاب لکھی ہے جس میں اس قسم کی بہت سی روایت کو اہلسنت کی کتابوں سے نقل کیا ہے تو کیا اس بنا پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اہل سنت قرآن کے تقدس کے منکر ہیں؟ یا ان روایات کی بناء پر جسے فلاں سے نقل کیا ہے یا فلاں کتاب جسے فلاں نے لکھا ہے؟ اہلسنت نقص قرآن کے قائل ہو گئے؟ یہی بات شیعوں کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے اس لیے جیسے ہماری کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں اسی طرح شیعوں کی کتب میں بھی ایسی روایات موجود ہیں۔(۹)

شیخ التفسیر علامہ شمس الحق افغانی کا موقف:

شیخ التفسیر جامع اسلامیہ بہاولپور جنہوں نے اپنی زندگی کے چالیس برس قرآنی علوم و معارف کے پڑھنے اور پڑھانے پر صرف کیے اور اتنے عرصہ کے بعد ''علوم القرآن'' نامی کتاب لکھی۔ اس میں شیعہ اور تحریف قرآن کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> شیعوں کا مذہب وہی ہے جو سنیوں کا ہے۔ قرآن مکمل طور پر محفوظ ہے اور اس میں ایک لفظ کی کمی بیشی نہیں ہوئی جس کے لیے

۹) رسالۃ الاسلام ج ۱۱، ص ۳۸۲ تا ۳۸۳ شمارہ ۴

شیعوں کی متعدد کتابوں کے حوالے سے پیش کرتا ہوں۔(۱۰)

اس کے بعد اس اہلسنت محقق نے شیخ صدوق، تفسیر مجمع البیان، سید مرتضیٰ، قاضی نور اللہ شوستری، شیخ حر عاملی اور فروع کافی وغیرہ کتب سے مذکورہ علماء کی تحریریں نقل کی ہیں اور تسلیم کیا ہے کہ شیعہ کا اس قرآن پر اسی طرح اعتقاد ہے جس طرح اہلسنت کا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی پاکستان کا موقف ملاحظہ ہو:

امیر تنظیم اسلامی نے ''شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت'' نامی کتاب لکھی ہے اس میں شیعہ کے عقیدہ قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اہل تشیع کا عمومی موقف یہ ہے کہ ہم اسی کتاب کو برحق مانتے ہیں اور ہمیں ظاہر بات ہے کہ ان کا وہی موقف درست تسلیم کرنا چاہیے جو ان کی زبان سے ادا ہو رہا ہے چنانچہ ''کتاب'' ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہے۔(۱۱)

علامہ نجم الغنی رامپوری لکھتے ہیں:

> اثنا عشریہ کمی بیشی کے قائل نہیں ہیں اور یہ جو مشہور ہے کہ شیعہ اثناء عشریہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے دس پارے قرآن کے گم کر دیے

۱۰) علوم القرآن ص ۱۳۴ تا ۱۳۶ شائع کردہ مکتبہ اشرفیہ شارع جلال الدین رومی (فیروز پور روڈ) جامع اشرفیہ لاہور

۱۱) شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت ص ۲۲ شائع کردہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

اور بعض شیعہ سورہ حسنین اور سورہ فاطمہ اور سورہ علی پڑھتے ہیں۔ یہ جہلا کی گپ ہے آج تک سلف خلف تک کوئی محقق اثناء عشری یہ عقیدہ نہیں رکھتا۔ چنانچہ علمائے اثناء عشری اس خیال کی بات اپنی کتابوں میں بڑی شدومد سے کرتے ہیں۔ شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن علی بابویہ اپنے رسالہ عقائد میں کہتے ہیں کہ جو قرآن اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو دیا تھا' وہی ہے کہ اب لوگوں کے پاس موجود ہے نہ اس میں کچھ کم ہوا ہے نہ زیادہ۔ تفسیر مجمع البیان میں کہ جو اثناء عشریوں کے نزدیک معتبر تفسیر ہے۔ سید مرتضیٰ کہتے ہیں کہ اثناء عشریوں کے نزدیک معتبر تفسیر ہے۔ سید مرتضیٰ کہتے ہیں کہ جو قرآن عہد پیغمبر کے دور تھا' وہی اب بھی ہے۔ بلا تفاوت قاضی نور اللہ شوستری اپنی کتاب مصائب النواصب میں کہتے ہیں کہ یہ بات جو شیعہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ وہ قرآن میں تغیر وتبدل کے قائل ہیں' سو یہ غلطی ہے۔ محققین شیعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ محمد بن حسن عاملی کہتے ہیں۔ ''جو روایات پر ذرا بھی نظر کرے گا یقینی طور پر جان جائے گا قرآن میں چند وجوہات کی زیادتی ناممکن ہے۔'' (۱۲)

علامہ حافظ اسلم جیراجپوری کا بیان:

علامہ اسلم جیراجپوری نے اپنی کتاب تاریخ القرآن کے صفحہ ۶۲ تا صفحہ ۶۷ پر

۱۲) مذاہب اسلام ص ۴۴۸ مطبع نولکشور لکھنو نیز منزیل الغواشی شرح اصول شاشی ص ۹ طبع کراچی

بزرگ شیعہ علماء مثلاً شیخ صدوق شریف مرتضیٰ علم الہدی علامہ حر عاملی محسن صاحب' تفسیر صافی سید العلماء سید حسین ملا صادق قاضی نور اللہ شوستری سید دلدار علی مجتہد جیسے مستند علماء کے بیان نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

یہ ان علماء امامیہ کے اقوال ہیں جو اہل تشیع میں مقبول اور مستند ہیں اور ان اقوال میں کسی تاویل کی گنجائش ہے نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے تقیہ سے کہا ہے کیونکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے علماء اہلسنت کی تردید میں رسائل لکھے ہیں۔ ان کی نسبت تقیہ کا گمان نہیں کیا جا سکتا اور ابوجعفر قمی کتاب الاعتقاد اور ملا محسن کی تفسیر صافی یہ دونوں کتابیں شیعہ کے نصاب درس میں داخل ہیں۔

اس لیے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے عقیدہ کے خلاف اپنے فرقہ کو تعلیم دینگے۔ (۱۳)

کیا کتب اہل سنت میں تحریف کی روایات موجود نہیں ہیں؟

تصویر کا دوسرا رخ:

ہم ایک مرتبہ پھر یہی گذارش کرتے ہیں کہ شیعہ بھی اسی قرآن کو مانتے ہیں اور برادران اہلسنت بھی اسی قرآن کے ماننے والے ہیں لیکن مذکورہ بالا تمام حقائق کے باوجود اگر کوئی جاہل متعصب اور حقائق سے بے خبر شخص یا گروہ یہ کہے کہ شیعہ کتب میں تحریف پر مبنی روایات موجود ہیں' ایسے افراد سے ہم اتنا عرض کریں گے کہ

۱۳) تاریخ القرآن از علامہ سلم جیراجپوری ص ۶۲ تا ۶۷ مطبوعہ لاہور

کیا کتب اہلسنت میں ایسی بے شمار روایات موجود نہیں ہیں جن میں موجودہ قرآن سے اختلاف کا بیان موجود ہے؟ اور اگر ان تمام روایات کو اکٹھا کیا جائے تو بہت بڑا دفتر تیار ہو سکتا ہے؟

چند علمائے اہلسنت کی تحریروں پر ایک نظر:

ہمارا مقصد چونکہ اس افسوسناک فتنہ کو ہوا دینا نہیں اور نہ ہی ہم یہ چاہتے ہیں کہ تحریف قرآن کو روایات کتب اہلسنت میں موجود ہیں انہیں اکٹھا کر کے اہلسنت پر یہ الزام عائد کر دیں کہ وہ موجودہ قرآن کو نہیں مانتے البتہ خود ایک سنی عالم مولانا تمنا عمادی نے اپنی کتاب ''جمع القرآن'' میں تحریف پر مبنی بہت ساری روایات کو اپنی ہی کتابوں سے اکٹھا کر کے لکھ دیا ہے اور ایک دوسرے اہلسنت عالم مولانا عمر احمد عثمانی نے آیات کی جو تفصیل لکھی ہے وہ تو سینکڑوں تک جا پہنچی ہے جس کی تھوڑی سی تفصیل ہم آئندہ سطور میں بیان کریں گے۔ ان ہر دو علماء کا موقف ہے اگر محض روایات کو دیکھ کر فیصلہ کرنا ہے تو پھر اہلسنت کی اپنی روایات کے مطابق موجودہ قرآن کی صحت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اب ہم بطور نمونہ صرف چند روایات نقل کرتے ہیں اہلحدیث عالم مولانا وحید الزمان خان تیسر الباری شرح بخاری کتاب التفسیر میں غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کی تفسیر کرتے ہوئے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ کی قرأت یوں تھی:

غیر المغضوب علیھم و غیر الضالین. (۱۴)

یہ تو تھی قرآن کی سب سی پہلی سورہ اب ذرا آخری دو سورتوں کے بارے میں

بھی سن لیں کہ بہت ساری کتب اہلسنت میں ان کے بارے میں کیا لکھا ہوا ہے حتیٰ کہ پیر محمد کرم شاہ جو کہ بریلوی مکتبہ فکر کے نزدیک انتہائی قابل ہی نہیں قابل احترام بھی ہیں۔

انہیں اپنی تفسیر میں کافی وضاحت سے تردید کرنا پڑی وہ قرآن کی آخری دو سورتوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> بعض ایسی روایات موجود ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہیں قرآن کی سورتیں شمار نہیں کیا کرتے تھے اور مصحف انہوں نے مرتب کیا تھا اس میں یہ سورتیں موجود نہیں تھیں۔
>
> پھر آگے لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطی نے صراحتاً لکھا ہے کہ
>
> امام احمد بزار طبرانی ابن مردودیہ نے صحیح طریقوں سے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ معوذتین (سورہ فلق اور سورہ الناس) کو مصحف سے محو کر دیا کرتے تھے اور کہا کرتے قرآن کے ساتھ ایسی چیزیں خلط ملط نہ کرو جو اس میں سے نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان دو سورتوں کے ساتھ فقط پناہ مانگنے کا حکم دیا تھا کہ حضرت ابن مسعودؓ دو سورتوں کی تلاوت نماز میں نہ کیا کرتے۔
>
> (الدر المنثور)(۱۵)

---

۱۴) تیسر الباری شرح بخاری ج ۶ ص ۳ کتاب التفسیر شائع کردہ تاج کمپنی (واضح رہے کہ یہ شرح بخاری نو جلدوں میں ہے)

۱۵) تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۰۷

اب ایک مستند اہلسنت عالم دین جناب سید سلیمان ندوی مرحوم کا ایک بیان بھی پڑھ لیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

> ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے اپنے غلام ابو یونس سے قرآن لکھوایا اور قرآن کی آیت "حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی" کے ساتھ وصلوۃ العصر کا لفظ بھی لکھوایا اور کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے اسی طرح سنا ہے۔ اصل قرآن میں وصلوۃ العصر نہیں ہے۔ واضح رہے کہ مولانا ندوی نے اس روایت کیلئے جامع ترمذی کتاب التفسیر کا حوالہ دیا ہے۔(۱۶)

علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر اتقان اور روایات تحریف:

جو لوگ خواہ مخواہ شیعوں کے ذمے لگایا چاہتے ہیں کہ وہ موجودہ قرآن میں تحریف کے قائل ہیں وہ اہلسنت کے مستند اور مشہور عالم مفسر علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر اتقان کا مطالعہ کریں اور اس میں کسی عام شخصیت سے نہیں بلکہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ

> رسول ﷺ کے ایام میں سورۃ الاحزاب دو سو آیتوں کی پڑھی جاتی تھی پھر جس وقت حضرت عثمانؓ نے مصاحف لکھے اس وقت ہم نے اس سورت سے بجز موجودہ مقدار کے کچھ نہیں پایا۔(۱۷)

---

۱۶) سیرت عائشہ ص ۱۸۴ شائع کردہ مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور

۱۷) تفسیر اتقان ج ۲ ص ۵۴ ترجمہ مولانا محمد حلیم انصاری شائع کردہ ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور

اور اس سے بڑھ کر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا وہ بیان ملاحظہ فرمائیں جسے علامہ جلال الدین سیوطی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں:

> تم میں سے جو شخص یہ بات کہے گا کہ میں نے تمام قرآن اخذ کرلیا ہے بحالیکہ اسے یہ بات معلوم نہیں کہ تمام قرآن کتنا تھا کیونکہ قرآن میں سے بہت سا حصہ جاتا رہا ہے لیکن اس شخص کو یہ کہنا چاہیے کہ تحقیق میں نے قرآن میں سے اتنا حصہ اخذ کیا ہے جو کہ ظاہر ہوا ہے۔(۱۸)

ان روایات کے علاوہ تحریف قرآن کے بارے میں علامہ سیوطی کی اتقان میں بہت کچھ موجود ہے جسے ہم نقل کرنا مناسب خیال نہیں کرتے۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کا اعتراف حقیقت:

ڈاکٹر غلام جیلانی برق ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی معروف سنی دانشور ہیں۔ انہوں نے شیعہ سنی اتحاد کے جذبے کے تحت ''بھائی بھائی'' نامی کتاب لکھی وہ لکھتے ہیں کہ روایات تحریف اگر شیعہ کتب میں ہیں تو اہلسنت کتب بھی ان روایات سے خالی نہیں۔ اہلسنت کتب میں روایات تحریف کی موجودگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس قسم کی قریباً چالیس روایات میری نظر سے گزری ہیں جن سے عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں اور یہودیوں نے جی کھول کر فائدہ اٹھایا ہے اور ہم سے یہ سوال کیا کہ جب یہ قرآن تمہاری

---

۱۸) تفسیر اتقان ج ۲، ص ۶۴ ترجمہ مولانا محمد حلیم انصاری مطبوعہ لاہور

احادیث کی رو سے محرف ہے تو تم اسے ساری کائنات کے سامنے
کس منہ سے پیش کرتے ہو اور یہ وہ سوال ہے جس کا کوئی جواب
کسی سنی عالم سے آج تک نہ بن پڑا۔ (۱۹)

علامہ تمنا عمادی کی "جمع القرآن" اور روایات تحریف:

برادران اہلسنت کی مستند کتب احادیث میں تحریف قرآن کی کس قدر روایات موجود ہیں جو لوگ ان پر ایک نظر ڈالنا چاہیں' وہ علامہ تمنا عمادی کی کتاب "جمع القرآن" کا مطالعہ کریں۔ مصنف مذکورہ نے اس کتاب میں ان بہت ساری روایات کو اکٹھا کر دیا ہے۔

گو وہ تمام روایات تو اکٹھی نہیں کر سکے جس کا اظہار مصنف نے خود ان الفاظ میں کیا ہے۔

اگر زیر زبر اور نقطوں کے فرق بعض الفاظ یا حروف کی تبدیلی اور معنوی تحریفوں کی فہرست پیش کروں تو اس کے لیے ایک مستقل دفتر کی ضرورت ہے۔ (۲۰)

مولانا عمر احمد عثمانی اور روایات تحریف:

علامہ تمنا عمادی کی مذکورہ کتاب "جمع القرآن" میں مولانا عمر احمد عثمانی کا کافی طویل مضمون بعنوان "قرآن کریم روایات کے آئینہ میں" چھپا ہے جسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شیعوں کو تو یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ ان کے ہاں کوئی "مصحف فاطمہ" نامی قرآن ہے لیکن مولانا عمر احمد عثمانی کے مذکورہ مضمون میں

(۱۹) ملاحظہ ہو "بھائی بھائی" ص ۴۰ شائع کردہ غلام علی اینڈ سنز لاہور

(۲۰) ملاحظہ ہو "جمع القرآن" ص ۹۵ مطبوعہ کراچی

ایک طرف مصحف حضرت عثمانؓ یعنی حضرت عثمانؓ کا جمع کردہ قرآن ہے تو دوسری طرف مصحف اہل مدینہ' مصحف حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ' مصحف علیؓ ابن ابی طالب' مصحف عبداللہ ابن عباسؓ' مصحف حضرت عائشہؓ اور دیگر کئی مصاحف کا ذکر ہے اور اس مضمون میں سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ ان تمام مصاحف کا موجودہ قرآن سے جن جن آیات کا اختلاف ہے وہ فہرستوں کی صورت میں مضمون نگار نے ترتیب دیا ہے اور صرف حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس موجود قرآن کی موجودہ قرآن سے اختلاف کی ایک سو اڑتیں آیات کی فہرست پیش کی ہے۔ اسی طرح دیگر مصاحف کی فہرستیں بھی لکھی گئیں ہیں۔

مولانا عمر احمد عثمانی کے مضمون کا مآخذ کون سا ہے؟

مولانا عمر احمد عثمانیؒ نے حضرت ابن مسعودؓ ابن عباسؓ ابن زبیرؓ وغیرہ صحابہ جن کے نام اوپر لکھے گے ہیں کہ پاس قرآن کے جو نسخے موجود تھے ان کے موجودہ قرآن سے اختلاف کی جو فہرستیں پیش کی ہیں ان سب کا مآخذ حافظ ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد کی کتاب "کتاب المصاحف" ہے جس کے بارے میں مولانا عثمانی لکھتے ہیں:

> یہ کتاب ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد کی تصنیف ہے جن کا سن پیدائش ۲۳۰ھ اور سن وفات ۳۱۶ھ ہے آپ حدیث کے مشہور امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (جن کی کتاب سنن ابی داؤد صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے) کے صاحبزادے ہیں آپ کی "کتاب المصاحف" علمائے حدیث کے ہاں بہت مستند شمار کی

جاتی ہے چنانچہ اکثر متقدین کی کتابوں میں اس کتاب کے حوالے ملتے ہیں۔ امام ابن الجوازیؒ نے ان کو ثقہ ''کبیر مامون'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

تھوڑا اوپر اسی کتاب کے بارے میں لکھا ہے اس میں قرآن کریم سے متعلق ان تمام روایات کو یکجا کر دیا گیا ہے یہ روایتیں اکثر صحاح ستہ اور دوسری مستند کتب روایات میں منتشر طور پر موجود ہیں (۲۱)

مولانا عمر احمد عثمانی کا افسوس ناک انکشاف:

مولانا عثمانی یہ تمام روایات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> آپ کو معلوم ہے یہی کتاب المصاف جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، شائع کس طرح ہوئی؟ ایک فاضل متشرق ہے Arther jeffery) اس نے کیا یہ ہے کہ قرآن کے متعلق جس قدر اختلاف ہماری کتب روایات میں پائے جاتے ہیں، ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے شائع کر دیا ہے۔ کتاب کا نام ہے:

(Materials for the History of the text of the Quran)

اس کے ساتھ ہی اس نے اس خیال سے کہ مبادا یہ نہ کہہ دیا جائے کہ ایک غیر مسلم (عیسائی) نے معاندانہ طور پر غیر مستند چیزوں کو جمع کر دیا ہے۔ امام عبداللہ ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف کو من وعن شائع کر دیا ہے جس میں وہ تمام احادیث

(۲۱) جمع القرآن ص ۳۴۷ شائع کردہ الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ مکان نمبر 3-17اے بلاک نمبر 1 ناظم آباد کراچی

موجود ہیں جو ان اختلاف کی سند ہے اور اس طرح ساری دنیا پر ظاہر کر دیا کہ یہ ہے اس کتاب کی حقیقت جس کے متعلق مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ نے لے رکھی ہے۔ (۲۲) حاشیہ پر مولانا عمر احمد عثمانی لکھتے ہیں یہ کتاب (E.J.Brill) پبلشرز لیڈن سے مل سکتی ہے۔

ایک شیعہ عالم دین کی دردمندانہ اپیل:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی اس بحث کا اختتام شیعہ مفسر قرآن علامہ سید علی نقی مجتہد کے ان الفاظ پر کریں جو آج بھی مسلمانوں کو دعوت فکر دے رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> موجودہ زمانے میں اسلام پر مخالفین کے حملے ہو رہے ہیں اور وہ چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرا ہوا ہے۔ موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ضرورت اس امر کی تھی کہ تمام مسلمان ہم آہنگ ہو کر مخالفین کے مقابلے کے لیے ایک متحدہ محاذ جنگ پیش کرتے۔ بعض افراد جو خود مسلمانوں کے اندر افتراق واختلاف کی خلیج کو وسیع کرنا اپنے لیے بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں۔ ہر روز ایسے ایسے مسائل معرض بحث میں لانا ضروری سمجھتے ہیں جن سے خوانخواہ اسلامی شیرازہ منتشر اور اتحاد اسلامی کی دیوار میں رخنہ پیدا ہو۔ اگر اسلام سے سچی محبت ہو تو لازم یہ ہے کہ اس قسم کے سوالات اٹھا کر افتراق

(۲۲) جمع القرآن ص ۳۷۴ تا ۳۷۵ شائع کردہ الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ مکان نمبر 3-17اے بلاک نمبر ناظم آباد کراچی

کامظاہرہ نہ ہونے دو بلکہ تمام فرق اسلامیہ کے اس متفقہ عقیدہ کو کہ
''قرآن مجید وحی سماوی اور کتاب زمانی منزل من اللہ رسولؐ کا اعجاز
ہے۔اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور نہ اس میں ذرہ برابر
باطل کا شائبہ ہے اور اس پر ایمان واعتقاد وکامل تمام مسلمانوں کے
اسلام کا جزو اعظم ہے اسے متفقہ صورت پر باقی رہنے دو۔(۲۳)

۲۳) ملخص از تحریف قرآن کی حقیقت ص ۸۷ شائع کردہ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

- نکاح متعہ قرآن وسنت کی روشنی میں
- نکاح متعہ کیا ہے؟
- کیا پیغمبر اسلامؐ نے نکاح متعہ کرنے کی اجازت دی ہے؟
- نکاح متعہ کے بارے میں چند واضح احادیث
- علمائے اہلسنت کے معذرت خواہانہ بیانات
- حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور نکاح متعہ
- نکاح متعہ کے بار بار حلال اور حرام ہونے کی سرگزشت علمائے اہلسنت کی زبانی
- نکاح متعہ کے جائز وحلال ہونے کا اعلان بار بار کیوں ہوا؟
- کیا نکاح متعہ کئی بار حرام بھی ہوا؟
- نکاح متعہ بعد از زمانہ پیغمبرؐ
- نکاح متعہ کے بارے میں علمائے اہلسنت کے تائیدی بیانات

- علمائے اہلسنت کا متفقہ فیصلہ کہ متعہ کرنیوالے پر حد جاری نہیں ہوتی
- نکاح متعہ شیعہ کتب کی روشنی میں
- نکاح متعہ میں افراط کی ممانعت
- بازاری قسم کی عورتوں سے نکاح متعہ کی سخت ممانعت
- دائمی نکاح کی طرح نکاح متعہ میں بھی عدت ہوئی ہے
- نکاح متعہ کے بارے میں ایک بہت بڑی غلط فہمی اور اس کا ازالہ

نکاح متعہ قرآن وحدیث کی روشنی میں:

شیعوں اور اہلسنت کے درمیان نکاح متعہ متنازعہ مسئلہ چلا آ رہا ہے۔ شیعوں کا شروع ہی سے یہ دوٹوک اور اصولی موقف رہا ہے کہ نکاح متعہ کا حکم خدا نے قرآن میں نازل کیا۔

پیغمبر اکرمؐ نے صحابہ کرامؓ کو یہ نکاح کرنے کی اجازت دی جس پر بخاری شریف وغیرہ کتب اہلسنت گواہ ہیں حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ نکاح ہوتا رہا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اس کی ممانعت کر دی۔ ہم آج بھی بڑے ادب سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ جس ہستی نے ہمیں اسلام کے احکام بتلائے ہیں۔ اگر ان کے فرامین میں نکاح متعہ کا ثبوت موجود ہے تو پھر برادران اہلسنت کو خواہ مخواہ اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے اور ضد چھوڑ دینی چاہیے اور اگر شیعہ یہ ثبوت نہ پیش کر سکیں تو پھر انہیں اپنے موقف پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ اب ہم ذیل میں کتب اہلسنت سے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں۔

نکاح متعہ کیا ہے؟

اہلسنت عالم مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

> متعہ کا نکاح یہ ہے کہ ایک معیاد معین تک نکاح کرے جیسے ایک دن دو دن ایک ہفتہ ایک ماہ ایک سال تین سال کے لیے۔(۱)

صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی میں نکاح متعہ کی وضاحت اس طرح آئی ہے۔

---

۱) سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۷۶ شائع کردہ مہتاب کمپنی اردو بازار لاہور

نکاح متعہ یہ ہے کہ ایک معین مدت تک ایک مہر پر کسی عورت سے نکاح کرنا اور اس مدت کے بعد وہ نکاح ختم ہو جائے۔(۲)

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

رہا نکاح متعہ کی حقیقت سو وہ یہ ہے کہ عقد ازدواج میں یہ قید لگائی جائے کہ یہ عقد ایک خاص وقت تک کے لیے ہوگا۔ مثلاً مرد یہ کہے کہ تو ایک ماہ کے لیے اپنے آپ کو میری زوجیت میں دے دے یا میں تیرے ساتھ ایک سال کے لیے نکاح کرتا ہوں وغیرہ (یہ متعہ ہے) خواہ یہ معاملہ گواہوں کی موجودگی میں ہو اور ولی کی شمولیت میں ہو یا اس کے بغیر۔(۳)

واضح رہے کہ بعض علماء اہل سنت نے نکاح متعہ کی تعریف کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ نکاح ابتدائے اسلام میں جائز تھا۔ بعد میں اس کی ممانعت کردی گئی لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے کیونکہ خود علمائے اہلسنت تسلیم کرتے ہیں کہ نکاح متعہ فتح مکہ کے دن بھی جائز تھا جیسا کہ آئندہ سطور میں تفصیل آرہی ہے۔

کیا پیغمبرؐ نے نکاح متعہ کرنے کی اجازت دی ہے؟

گذشتہ سطور میں اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ نکاح متعہ اس نکاح کو کہتے ہیں جس میں وقت کی قید لگا دی جائے۔ مثلاً ایک دن ایک سال پانچ سال یا اسی

(۲) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۴، ص ۱۳ ترجمہ مولانا وحید الزمان خان از نعمانی کتب خانہ لاہور

(۳) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴، ص ۱۶۷ مطبوعہ لاہور

طرح جو بھی مدت ہو۔ اب ہم اہلسنت کی کتب احادیث پر نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا پیغمبر اکرمؐ نے صحابہ کرامؓ کو وقتی نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ سب سے پہلے صحیح مسلم کی حدیث ملاحظہ ہو:

عن عبد الله يقول كنا نغز و مع رسول الله ﷺ ليس لنا نسآء فقلنا الانستخصى فنهانا عن ذالك ثم رخص لنا ان تنكح المراة بالثوب الى اجل

عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم جہاد کرتے تھے رسول ﷺ کے ہمراہ اور ہمارے پاس عورتیں نہ تھیں اور ہم نے کہا کہ کیا ہم خصی ہو جائیں۔ آپؐ نے ہم کو منع فرمایا اس سے اور اجازت دی ہم کو کہ ایک کپڑے کے بدلے ایک معینہ مدت تک عورت سے نکاح کریں۔(۴)

تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ یہ حدیث بخاری شریف میں بھی موجود ہیں۔ بخاری میں حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں:

فرخص لنا بعد ذالک ان نتزوج المراة بالثوب ثم قرا

فرمایا تھوڑے یا کم دن کے لیے جس پر عورت راضی ہو جائے نکاح کرلو۔(۵)

(۴) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۴، ص ۱۲ تا ۱۳ طبع لاہور

(۵) بخاری ج ۲، ص ۴۷۷ شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

بخاری کا یہ ترجمہ چار مولانا صاحبان کی مشترکہ کاوش کا نتیجہ ہے۔

اب بخاری کی ایک اور شرح کی طرف رجوع کرتے ہیں جو مولانہ وحید الزمان حیدرآبادی نے کی ہے وہ حدیث کے آخری فقرہ

فرخص لنا بعد ذالک ان نتزوج المراة بالثوب

کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: (پھر اسی سفر) آپؐ نے ہم کو یہ اجازت دی کہ ایک کپڑا دیکر بھی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں یعنی متعہ۔(۶)

مولانا وحید الزمان کے اس ترجمہ سے بات صاف معلوم ہوگئی کہ نبی پاکؐ نے صحابہ کرامؓ کو نکاح متعہ کرنے کی اجازت دی۔ اس حدیث کی شرح میں حاشیہ پر مولانا وحید الزمان کا عجیب وغریب اعتراف ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں اس حدیث سے بھی متعہ کی حلت سفر میں عین ضرورت کی حالت میں نکلتی ہے۔ نہ بے ضرورت حالت حضر میں۔(۷)

ہم کہتے ہیں چلو حالت سفر میں ہی سہی۔ مولانا نے نکاح متعہ کا جائز ہونا تسلیم تو کرلیا اور دوسری بات یہ کہ شیعہ بے چارے بھی تو یہی کہتے ہیں:

نکاح متعہ ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ اگر کوئی شخص پاک دامن رہ سکتا ہے تو درست اور اگر حرام کاری میں پڑنے کا ڈر ہو تو

---

۶) تیسر الباری شرح بخاری ج ۶، ص ۱۱۱ مطبوعہ کراچی

۷) تیسر الباری شرح بخاری ج ۶، ص ۱۱۱ مطبوعہ کراچی

شریعت نے یہ راستہ بھی بتایا ہے۔

نکاح متعہ کے بارے میں چند مزید واضح احادیث:

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ اور حضرت سلمہؓ سے روایت ہے کہ ہم پر رسول ﷺ کا منادی نکلا اور اس نے پکار کر کہا کہ

ان رسول الله ﷺ قد اذن لكم ان تستمتعوا يعني متعة النسآء

رسولؐ اللہ نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی ہے۔(۸)

صحیح مسلم ہی کی دوسری حدیث جو حضرت سلمہؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

ان رسول الله ﷺ اتا نا فاذن في المتعة

سلمہؓ اور جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم کو متعہ کی اجازت دی۔(۹)

بخاری شریف کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

انه قد اذن لكم أن تستمتعوا فاستمتعوا

تم کو متعہ کرنے کی اجازت ہے تو تم متعہ کرلو۔(۱۰)

اوپر والی صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ "ان تستمتعوا" اور بخاری شریف کی

۸،۹) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۴، ص ۱۵، ۱۶ ترجمہ مولانا وحید الزمان حیدر آبادی مطبوعہ لاہور

۱۰) تیسر الباری شرح بخاری ج ۷، ص ۴۵ شائع کردہ تاج کمپنی

حدیث کے الفاظ ان تستمتعوا فاستمتعوا یعنی تم کو متعہ کرنے کی اجازت ہے تو
تم متعہ کرلو۔ ذہن میں رہیں اور اب قرآن کی جس آیت سے شیعہ متعہ کا جواز ثابت
کرتے ہیں۔ اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن

(نساء آیت ۲۴)

ہاں جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو انہیں جو مہر معین کیا ہو
دے دو۔ (ترجمہ شیعہ مفسر سید فرمان علی)

پس معلوم ہوا کہ قرآن کے اس حکم کے مطابق ہی نبی پاکؐ نے صحابہ کرام سے
فرمایا کہ تمہیں نکاح متعہ کی اجازت ہے جو تم میں سے کرنا چاہیں' کرسکتے ہیں بلکہ
اہلسنت مفسرین اور محدثین نے تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو کہ جلیل القدر صحابی ہیں
کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس آیت کو قرآن میں یوں پڑھا ہے۔
یہ الفاظ مولانا وحید الزمان حیدرآبادی کے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

فمستمتعتم به منهن الى اجل مسمى

جس سے صراحتاً حلت ثابت ہوتی ہے۔ (۱۱)

شیعہ علامہ آیت اللہ محمد حسین کاشف الغطاء لکھتے ہیں:

غالباً رسول پاکؐ کے ان جلیل القدر صحابی کا مقصود یہ ہوگا کہ
پروردگار عالم نے اس کی تفسیر یوں نازل فرمائی ہے۔ (۱۲)

---

(۱۱) تیسر الباری شرح بخاری ج ۶' ص ۱۱۱

(۱۲) اصل واصول شیعہ ص ۱۰۶ مطبوعہ لاہور

علمائے اہلسنت کے معذرت خواہانہ بیانات:

ایک طرف تو علمائے اہلسنت نکاح متعہ کے بارے میں شیعوں
کو خوب بدنام کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ ایسے بیانات نقل
کرتے ہیں جن سے ان کے موقف کی کمزوری عیاں نظر آتی ہے
اور پڑھنے والا سمجھ جاتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ چند علماء
کے بیانات ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

نکاح متعہ یا وقتی نکاح ان وقتی احکام کے مطابق ہیں جو حالت
جنگ میں مصلحتاً دیئے جاتے ہیں کیونکہ لشکر نوجوان اشخاص پر مشتمل
تھا اور ان میں اتنی استطاعت نہ تھی کہ مستقل طور پر شادی
کرلیتے۔ (۱۳)

دوسری جگہ یہی مولانا لکھتے ہیں:
علماء اس پر متفق ہیں کہ نبی ﷺ نے ابتدائے اسلام میں ناگزیر
حالات کے تحت اس کی اجازت دی تھی۔ (۱۴)

حاشیہ صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی پر لکھا ہے:

قاضی عیاضؒ نے کہا کہ ایک جماعت نے حدیث جواز متعہ کو
صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے اور مسلمؒ نے اس میں

---

(۱۳) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴' ص ۱۶۸

(۱۴) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۵' ص ۲۵۱ مطبوعہ لاہور

سے ذکر کیا ہے ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ اور جابرؓ اور سلمہ بن کوع اور
سبرہ بن معبد جھنی کی روایتوں کو اور ان سب روایتوں میں اس کا جواز
سفر میں مذکورہ ہے نہ کہ حضرت میں اور بوقت ضرورت نہ کہ
بلاضرورت اور ظاہر ہے عرب کا ملک گرم ہے اور اسفار جہاد میں
عورتوں کا ساتھ رکھنا مشکل ہے۔(۱۵)

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

اصل معاملہ یہ ہے کہ اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں نکاح کے
جو طریقے رائج تھے ان میں سے ایک ''نکاح متعہ'' بھی تھا یعنی یہ
کہ کسی عورت کو کچھ معاوضہ دے کر ایک خاص مدت کے لیے یہ کہ
کسی عورت کو کچھ معاوضہ دے کر ایک خاص مدت کے لیے اس
سے نکاح کرلیا جائے نبی ﷺ کا قاعدہ یہ تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ
کی طرف سے آپ کو کسی چیز کی نہی کا حکم نہ مل جاتا تھا آپ پہلے
کے رائج شدہ طریقوں کو منسوخ نہ فرماتے تھے بلکہ یا تو ان کے روا
پر سکوت فرماتے یا بوقت ضرورت ان کی اجازت بھی دے دیتے۔
چنانچہ یہی صورت متعہ کے بارے میں بھی پیش آئی۔ ابتداً آپ
نے اس کے رواج پر سکوت فرمایا اور بعد میں کسی جنگ یا سفر کے
موقع پر اگر لوگوں نے اپنی شہوانی ضرورت کی شدت ظاہر کی تو
آپؐ نے اس کی اجازت بھی دے دی کیونکہ حکم نہی اس وقت

(۱۵) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۴ ص ۱۳

تک نہ آیا تھا پھر جب حکم نہی آ گیا تو آپؐ نے اس کی قطعی ممانعت
فرمادی لیکن یہ حکم تمام لوگوں تک نہ پہنچ سکا اور اس کے بعد بھی کچھ
لوگ ناواقفیت کی بنا پر متعہ کرتے رہے۔ آخر کار حضرت عمرؓ نے
اپنے دور میں اس حکم کی اشاعت کی اور پوری قوت کے ساتھ اس
رواج کو بند کیا۔(۱۶)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا کمزور عذر اور اس کا جواب:

ہم سید الاعلیٰ مودودی جیسے باخبر محقق کے جواب میں یہی عرض کریں گے کہ جب
اعلان رسالت کے بعد پیغمبر اکرمؐ کی مکی زندگی میں ہی قرآن نے دوٹوک اعلان کر دیا
تھا کہ

لا تقربوا الذنیٰ انه کان فاحشه و ساء سبیلا

(بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۲)

زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی (کی بات)
ہے اور بُری راہ ہے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

قرآن کے اس واضح حکم کے بعد ہماری سمجھ میں تو یہی بات آتی ہے کہ پیغمبر
اکرمؐ نے جاھلانہ نکاح کے وہ تمام طریقے ختم کر دیئے جن میں زنا کا شائبہ بھی
موجود تھا کیونکہ زنا کو بعض روایات کے مطابق شرک کے بعد دوسرا بڑا گناہ شمار کیا
گیا ہے۔ زمانہ جاھلیت میں نکاح کے جو طریقے رائج تھے اس کے متعلق بخاری
شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کے شروع میں

(۱۶) رسائل و مسائل ج ۲ ص ۲۲ مطبوعہ لاہور ایڈیشن ۱۹۹۲ء

ام المومنین بیان فرماتی ہیں کہ

أَنَّ النِّكَاحَ فِي الجَاهِلِيّة كَانَ عَلىٰ أربعةٍ

(بخاری کتاب النکاح)

زمانہ جاھلیت میں عرب لوگ چار طریقہ سے نکاح کرتے تھے

جن کا خلاصہ اس حدیث کے مطابق یہ ہے کہ

1) ایک تو اس طرح جیسے آج کل لوگ نکاح کرتے ہیں۔

2) مرد خود اپنی بیوی کو اجازت دیتا ہے کہ فلاں شخص کو (جو کہ بہت سی خوبیوں کا مالک ہوتا) اپنے ہاں بلا کر اس سے خلوت میں ملاقات کرتا کہ اگر اس سے بچہ پیدا ہو تو مذکورہ شخص والی خوبیوں کا مالک ہو اسے نکاح استبضاح کہتے۔

3) تیسرا کئی مرد مل کر کسی عورت کو کئی روز تک اپنے پاس رکھتے بچہ پیدا ہونے کی صورت میں وہ عورت جس سے اسے منسوب کرتی اسے قبول کرنا پڑتا۔

4) جاھلیت کا چوتھا نکاح یہ تھا کہ مختلف مرد کسی فاحشہ عورت کے گھر آمد و رفت رکھتے اولاد پیدا ہونے پر ان سب مردوں کے سامنے قیافہ شناس کو بلایا جاتا اور وہ قیافہ شناس بتاتا کہ یہ بچہ ان میں سے فلاں شخص کا ہے ام المومنین کی روایت کردہ اس حدیث کے آخرالفاظ اس طرح ہیں کہ

فلما بعث محمدا صلى الله عليه وسلم بالحق هدم نكاح الجاهلية كله الا النكاح الناس

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا تو آپ نے جاھلیت کے تمام نکاح موقوف کر دیئے (یعنی ختم کر دیئے) ایک یہی نکاح باقی رکھا جس کا آج رواج ہے۔

(تیسر الباری شرح بخاری کتاب النکاح جلد نمبر ۷ ص ۵۴ و ۵۵ طبع کراچی)

اسلام اور پیغمبر اسلامؐ نے نکاح کا جو طریقہ باقی رکھا لونڈیو سے تمتع جس کا آج بھی عرب میں رواج ہے۔ نکاح متعہ جس کی ھجرت کے بعد مدنی زندگی میں بھی اجازت باقی رہی اور دائمی نکاح کا طریقہ برقرار رکھا باقی رہا مولانا ابو الااعلیٰ مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ نکاح متعہ پر پابندی کا حکم تمام لوگوں تک پہنچ نہ سکا تو ہم کہتے ہیں کہ

کاش مولانا مودودی جیسا مفکر یہ لکھ دیتا کہ نکاح متعہ کی ممانعت کب ہوئی؟ یہ نہی کا حکم کب آیا؟ اتنا اہم حکم قرآن کی کسی آیت میں مذکورہ ہے؟ کیا اتنا اہم حکم صرف زبانی پیغمبرؐ تک پہنچا دیا گیا؟ اس کے لیے کسی آیت کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ مولانا مودودی کا یہ لکھنا کہ یہ حکم تمام لوگوں تک نہ پہنچ سکا اور اس کے بعد بھی کچھ لوگ ناواقفیت کی بنا پر متعہ کرتے رہے' ظاہر کرتا ہے کہ یہ حکم قرآن میں نہیں آیا اگر آیا ہوتا تو تمام لوگوں تک پہنچ جاتا۔ اس بات پر جتنا غور کرتے جائیں' مولانا کا موقف کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ گویا پیغمبر اکرمؐ کا اپنا زمانہ گزر گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ خلافت گزر گیا' لوگ نکاح متعہ کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے آکر پوری قوت کے ساتھ اس کو بند کیا۔ کیا خدا رسولؐ کے حکم میں قوت موجود نہیں تھی کہ صحابہ کرامؓ اسے تسلیم کر لیتے؟ حضرت عمرؓ کو قوت کیساتھ اسے کیوں بند کرنا پڑا؟ مولانا مودودی کا یہ آخری فقرہ یعنی حضرت عمرؓ نے پوری قوت کے ساتھ اس رواج کو بند کیا' سب

سے حیران کن ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

بعض علمائے اہلسنت نے سورہ مومنوں کی آیت نمبر ۶ قرآن کی آیت الا علی ازوجھم او ما ملکت ایمانھم. سے متعہ کی حرمت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ ان کی نادانی ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور نکاح متعہ کا جائز ہونا مدینہ میں ثابت ہے' اس لیے بعض باخبر علمائے اہلسنت نے خود ایسے لوگوں کو جواب دے دیا۔ مولانا وحید الزمان حیدر آبادی لکھتے ہیں:

> جن لوگوں نے الا علی ازواجھم سے متعہ کی حرمت نکالی ہے ان سے غلطی ہوئی ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور متعہ اس کے بعد باتفاق حلال ہوا تھا۔ (۱۷)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور نکاح متعہ:

جن صحابہ کرام کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ نکاح متعہ کے جائز ہونے کا فتویٰ دیتے تھے ان میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ زیادہ مشہور ہیں۔ بعض علمائے اہلسنت نے ان کے بارے میں ایک عجیب وغریب بات لکھی ہے کہ عبداللہ ابن عباسؓ کو نکاح متعہ کی منسوخی والی روایت نہیں پہنچی تھی۔ جب پہنچ گئی تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا' کتنی مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ جو صحابی ساری زندگی مدینہ میں رہا ہو اس تک یہ حدیث پہنچ ہی نہ سکی؟ اگر تو حضرت ابن عباسؓ مدینہ سے دور دراز کہیں چلے جاتے پھر تو ایسی بات کہی جا سکتی تھی۔ ان کا تو لقب ہی ''حبر

---

۱۷) تیسر الباری شرح بخاری ج ۶' ص ۱۱۶ شائع کردہ تاج کمپنی

الامت'' یعنی ''امت کے فاضل'' ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

> اہل علم کے وہ اقوال میرے سامنے موجود ہیں جن میں ان کے رجوع کا دعویٰ کیا گیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دعویٰ مختلف فیہ ہے۔ اس باب میں جو روایات نقل کی گئی ہیں' ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابن عباسؓ نے اپنی رائے کی غلطی مان لی تھی بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ صرف مصلحتاً اس کے حق میں فتویٰ دینے سے پرہیز کرنے لگے تھے۔
>
> فتح الباری میں علامہ ابن حجر ابن بطال کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ روی اھل مکہ و الیمن عن ابن عباس اباحۃ المتعۃ و روی عنہ الرجوع باسانید ضعیفۃ و اجازۃ المتعۃ عنہ اہل مکہ ویمن نے ابن عباسؓ سے متعہ کی اباحت نقل کی ہے۔ اگرچہ اس قول سے ان کے رجوع کی روایات بھی آئی ہیں مگر ان کی سندیں ضعیف ہیں اور زیادہ صحیح روایات یہ ہیں کہ وہ اس کو جائز رکھتے تھے۔ آگے چل کر خود ابن حجر تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا رجوع مختلف فیہ ہے۔ (ج ۹' ص ۱۳۸) (۱۸)

حضرت ابن زبیرؓ اور ابن عباسؓ کا مکالمہ:

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ۶۸ ھ میں فوت ہوئے۔ آخری عمر میں بینائی جاتی

---

۱۸) رسائل ومسائل ج ۳ ق ص ۵۳' ۵۴ مطبوعہ ۱۹۹۱

رہی تھی۔ ایک دفعہ حضرت ابن زبیرؓ نے ایک محفل میں طنزاً ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ کچھ لوگ بصارت کے ساتھ بصیرت کے بھی اندھے ہو گئے ہیں اور متعہ کو جائز کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ فوراً بول اٹھے اور فرمایا کہ میں نے پرہیزگاروں کے امام رسول ﷺ کو خود دیکھا ہے کہ انہوں نے خود نکاح متعہ کی اجازت دی۔ (۱۹)

ہم اپنے محترم قارئین کی توجہ اس جانب مبذول کراتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نبی کریمؐ کی وفات کے تقریباً ستاون سال بعد تک زندہ رہے۔ آخری عمر کا واقعہ اوپر ابھی درج ہوا ہے جو انہوں نے حضرت ابن زبیرؓ کے جواب میں فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ تو عمر کے آخری حصے تک نکاح متعہ کے جواز کا ہی فتویٰ دیتے رہے اس لیے یہ دعویٰ کتنا مضحکہ خیز ہے کہ انہوں نے نکاح متعہ کے بارے میں اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا۔

نکاح متعہ کے بار بار حلال اور حرام ہونے کی سرگذشت علمائے اہلسنت کی زبانی:

علمائے اہلسنت نکاح متعہ کے حلال وحرام ہونے کے بارے میں بڑی عجیب بات لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ مولانا وحید الزمان نے لکھا ہے یہ مولانا پہلے تو لکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک نکاح متعہ ناجائز ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ اوائل اسلام میں متعہ درست تھا پھر خیبر کے روز حرام ہوا۔ پھر عمرہ قضاء میں

۱۹) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴، ص ۱۶۸ مطبوعہ لاہور صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۴، ص ۲۰

درست ہو پھر فتح مکہ کے روز حرام ہوا۔ پھر جنگ اوطاس میں درست ہوا پھر تبوک میں درست ہوا پھر حجۃ الوداع میں حرام ہوا اس بار بار کی حرمت اور حلت سے لوگوں کو شبہ باقی رہا۔ بعض لوگ متعہ کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں بھی ایسا ہی رہا اور حضرت عمرؓ کے اوائل خلافت میں یہی حلال رہا بعد اس کے حضرت عمرؓ نے اس کی حرمت بر سر منبر بیان کی۔ جب سے لوگوں نے متعہ کرنا چھوڑ دیا مگر بعض صحابہ اس کے جواز کے قائل رہے جیسے جابر بن عبداللہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوسعید اور معاویہ اور اسماء بنت ابوبکر اور عبداللہ بن عباسؓ اور عمرو بن حریث اور سلمہ بن الاکوع اور جماعت تابعین میں سے بھی جواز کی قائل ہوئی ہے۔ (۲۰)

نکاح متعہ کے جائز وحلال ہونے کا اعلان بار بار کیوں ہوا؟

بات آگے بڑھانے سے قبل ہم نے اپنا موقف بیان کر دیں کہ نکاح متعہ آنحضرتؐ کی زندگی میں جائز وحلال تھا اور نبی کریمؐ کی زندگی کے بعد بھی حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی سالوں تک جائز ہی رہا جیسا کہ آئندہ احادیث کی روشنی میں وضاحت کی جائے گی۔ رہا یہ سوال کہ نکاح متعہ کے حلال ہونے کے بارے آنحضرتؐ کو بار بار کیوں اعلان کرنا پڑا؟ جواباً عرض ہے کہ چونکہ ایک طرف تو نت نئے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور دوسری طرف آنحضرتؐ کو آئے روز کوئی سفر یا جہاد درپیش رہتا تھا جس میں کئی نومسلم شامل ہوتے تھے۔ ہر سفر میں

۲۰) موطاء امام مالک ترجمہ مولانا وحید الزمان خان ص ۳۹۰ شائع کردہ اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور

نئے مسلمانوں کے پوچھنے پر کہ وہ اپنی اس جائز فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کچھ کرسکتے ہیں یا پھر اپنے اعضائے شہوت کو منقطع کرادیں۔

جیسا کہ بخاری کی روایت ہے۔(۲۱) اس پر شاہد ہے کہ رسولؐ اللہ کو کئی مرتبہ بتانا پڑا کہ ایسی صورت میں نکاح متعہ جائز حلال ہے۔ اگر کوئی شخص گھر دور ہونے کی بنا پر ضرورت محسوس کرتا ہے تو وہ نکاح متعہ کرسکتا ہے۔ بخاری کے الفاظ ہیں کہ جتنے دن کے لیے عورتیں راضی ہو جائیں ان سے نکاح کرلو۔(۲۲) جس نکاح میں یہ یقین کرلیا جائے کہ یہ اتنے وقت کے لئے ہے۔ اس کو نکاح متعہ کہتے ہیں۔

کیا نکاح متعہ بار بار حرام بھی ہوسکتا ہے؟

یہ سوال کتنا مضحکہ خیز ہے کہ آنخضرت جب کبھی خود سفر میں صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے' صحابہ کرام نے گھر سے دوری کی بنا پر اپنی اس ضرورت کا ذکر کیا تو آنخضرت نے فرمایا کہ نکاح متعہ کرلیں اور پھر واپسی پر اعلان فرمایا کہ اب یہ نکاح حرام ہے پھر دوسرے سفر میں بھی بعض صحابہ کرام یہی سوال اٹھائیں تو آپؐ پھر اجازت دیں کہ نکاح متعہ کرلیں اور واپسی پر حرام قرار دے دیں پھر تیسری اور چوتھی مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا یہاں پر ہر ذی شعور کے ذہن میں فوراً چند سوال آتے ہیں کہ

1) کیا زمانہ پیغمبرؐ میں صحابہ کرام اپنے ذاتی کاموں مثلاً کاروبار وغیرہ کے لیے دور دراز کے سفر نہیں کرتے تھے اور انہیں وہاں پر یہ ضرورت پیش نہیں آتی ہوگی۔

۲۱'۲۲) بخاری ج۲' ص۷۴۷'۷۵۷ شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

2) اس امت کو قیامت تک رہنا ہے۔ لوگوں کو بسلسلہ روزگار اور بسلسلہ تعلیم تو کئی کئی سال گھروں سے دور رہنا پڑتا ہے۔ کیا یہ بات حیران کن نہیں کہ چند روزہ سفر میں آنخضرتؐ خود ساتھ ہوں تو تقریباً ہر دفعہ اجازت دیں کہ عارضی طور پر نکاح کرلو۔ بعد میں قیامت تک ایسی ضرورت کے وقت امت کیا کرے؟

3) تیسرا اہم سوال کہ کیا پیغمبر اکرمؐ بار بار اپنی طرف سے نکاح متعہ کو حلال اور حرام قرار دیتے رہے۔ قرآن میں سورہ نساء کی آیت نمبر۲۴ "فستمتعتم به منهن فاتون اجورهن" کہ جن عورتوں سے تم نکاح متعہ کرو انہیں ان کے حق مہر ادا کرو۔ میں نکاح متعہ کے جائز ہوے کا بیان ہے لیکن نکاح متعہ کے ناجائز و حرام ہونے پر قرآن خاموش کیوں ہے؟ بعض علمائے اہلسنت سورہ مومنون کی آیت نمبر۶ پیش کرتے ہیں لیکن اس کا جواب خود علمائے اہلسنت نے دیا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور نکاح متعہ مدینہ میں بھی جائز رہا۔ اس سلسلہ میں مولانا وحید الزمان کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ نکاح متعہ نہ صرف زمانہ پیغمبرؐ میں حلال رہا بلکہ بعد میں بھی جائز رہا جیسا کہ ذیل میں ہم بیان کرتے ہیں:

نکاح متعہ بعد از زمانہ پیغمبرؐ:

نکاح متعہ کب تک جائز و حلال رہا۔ جلیل القدر صحابی حضرت جابرؓ کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

عن عطآء قال قدم جابر ابن عبد الله معتمرا او جئناه فی منزله فساله القوم عن اشیاء ثم ذکروا المتعة فقال نعم استمتعنا علی عهد رسول الله ﷺ و ابی بکر و عمر

عطاؒ نے کہا کہ جابر بن عبداللہ عمرے کے لیے آئے۔ ہم سب ان کی منزل میں ملنے کے لیے گئے اور لوگوں نے ان سے بہت باتیں پوچھیں۔ پھر متعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے رسول ﷺ کے زمانہ مبارک اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ خلافت میں متعہ کیا ہے۔ (۲۳)

صحیح مسلم کی دوسری حدیث میں ہے کہ ہم کھجوریں وغیرہ بطور حق مہر دے کر کئی دن کے لیے نکاح متعہ کرتے تھے پیغمبر اکرمؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں "حتی نھی عنہ عمر فی شان عمر ابن حریث" یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اس سے عمر بن حریث کے قصہ میں منع فرمایا۔ (۲۴)

صحیح مسلم ہی کی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ

ابونضرہ نے کہا کہ میں جابرؓ کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ نے دونوں متعوں (یعنی حج تمتع اور عورتوں کے متعہ) میں اختلاف کیا ہے تو جابرؓ نے کہا کہ ہم نے

---

۲۳) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۴، ص ۱۶ ترجمہ مولانا وحید الزمان مطبوعہ لاہور

۲۴) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۴، ص ۱۶، ۱۷ ترجمہ مولانا وحید الزمان مطبوعہ لاہور

رسول ﷺ کے زمانہ میں دونوں متعہ کیے ہیں پھر ان دونوں سے حضرت عمرؓ نے منع کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے ان دونوں کو نہیں کیا۔ (۲۵)

یہ حج تمتع یا متعۃ الحج کیا ہے؟ اس پر ہم ذرا بعد میں تبصرہ کریں گے البتہ حضرت عمرؓ کے وہ الفاظ جن میں انہوں نے ان دونوں متعوں پر پابندی لگائی تھی اہلسنت عالم مولانا وحید الزمان کی زبانی سنئے۔ وہ اپنی مشہور زمانہ کتاب لغات الحدیث میں حضرت عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ

متعتان کانتا علی عهد رسولؐ الله و انا احرمهما

دو متعہ یعنی حج کا متعہ اور نکاح متعہ آنحضرتؐ کے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ (کیونکہ خود آنحضرتؐ نے ان کو درست کر دیا تھا) لیکن میں ان کو حرام کرتا ہوں۔

یہ حضرت عمرؓ کا قول ہے حرام کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی طرف سے ان کو حرام کرتے ہیں کیونکہ حرام و حلال کرنا شارع کا منصب ہے نہ کہ حضرت عمرؓ کا بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں ان کی حرمت بیان کیے دیتا ہوں تا کہ لوگوں کو اشتباہ نہ رہے۔ (۲۶)

ہم اتنا عرض کرتے ہیں کہ عربی عبارت میں حضرت عمرؓ کے الفاظ تو یہ ہیں کہ "انا احرمها" یعنی میں حرام کرتا ہوں ان دونوں (قسم کے متعہ) کو پھر مولانا وحید

---

۲۵) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی ج ۴، ص ۱۷ ترجمہ مولانا وحید الزمان مطبوعہ لاہور

۲۶) لغات الحدیث ج ۴، کتاب "م"، ص ۹ طبع کراچی

الزمان کی تاویل کچھ وزن نہیں رکھتی البتہ شیعہ بھی یہی کہتے ہیں کہ حرام وحلال کرنا یا بتلانا پیغمبر اکرمؐ کی ڈیوٹی ہے جن کے پاس وحی آتی ہے۔ آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؑ سے حضرت امام مہدیؑ تک تمام آئمہ اسی حلال وحرام پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔
مولانا وحید الزمان اسی کتاب میں دوسری جگہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں:

استمتعنا علی عهد رسول الله و عهد ابی بکر و صدرا من خلافة عمر حتی قال فیها رجل برائة ماشاء

(حضرت جابرؓ کہتے ہیں) ہم آنحضرتؐ کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کی شروع کی خلافت میں برابر متعہ کرتے رہے یہاں تک ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا وہ کہا (مراد حضرت عمرؓ ہیں انہوں نے متعہ سے منع کر دیا)۔(۲۷)

بلکہ یہی مولانا وحید الزمان اسی کتاب میں حضرت علیؑ کا ایک قول نقل کرتے ہیں۔ جس کے الفاظ یوں ہیں:

لو لم ینه عمر عن المتعة ما زنا الا شقی

حضرت علیؑ نے فرمایا اگر حضرت عمرؓ متعہ سے منع نہ کرتے تو زنا وہی کرتا جو بدبخت ہوتا کیونکہ متعہ آسان ہے اور اس سے کام نکل

۲۷) لغات الحدیث ج ۴، ص ۱۰ کتاب ''م'' طبع کراچی

جاتا ہے پھر حرام کاری کی ضرورت نہ رہتی۔(۲۸)

نکاح متعہ کے بارے میں اہلسنت کے تائیدی بیانات:

نکاح متعہ کے بارے میں علمائے اہلسنت عجیب کشمکش کا شکار ہیں ایک طرف شیعہ کے خلاف غلط پراپیگنڈا کیا جاتا ہے اور سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں بے شمار غلط باتیں ڈالی جاتی ہیں لیکن یہ علماء جب احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ حقائق کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ مولانا وحید الزمان جیسے نامور سکالر یہ لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ

متعہ کی حرمت زنا کی طرح قطعی اور یقینی نہیں ہے اور اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں ایسا مجبور ہو کہ اس کو زنا میں پڑ جانے کا ڈر ہو تو وہ متعہ کر سکتا ہے کیونکہ متعہ اختلافی حرام ہے اور زنا اتفاقی حرام زنا کسی شریعت میں کئی بار درست ہوا۔(۲۹)

اہلسنت مفسر علامہ شبیر احمد عثمانی کا دبے لفظوں میں اعتراف حقیقت:

اہلسنت کے یہ عالم نکاح متعہ کی بحث میں لکھتے ہیں کہ

(متعہ کرنے والی عورت) مرد سے علیحدگی کے بعد فوراً دوسرے مرد سے متعہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی جب تک ایک دفعہ حیض نہ آجائے اس لیے بالکیہ اسے زنا نہ کہنا چاہیے۔(۲۹a)

۲۸) لغات الحدیث ج ۴، ص ۹ کتاب ''م'' طبع کراچی

۲۹) ملاحظہ ہو تیسیر الباری شرح بخاری ج ۷، ص ۴۴ طبع کراچی

۲۹a) فتح الملہم ج ۳، ص ۴۴۴ بحوالہ تدوین حدیث ص ۳۷۴ از مولانا مناظر احسن

سید ابوالاعلیٰ مودودی خود نکاح متعہ کے عدم جواز کے قائل ہونے کے باوجود لکھتے ہیں کہ

سلف کے ایک گروہ کی رائے میں اس کے جواز کی گنجائش اضطرار کی حالت کے لیے تھی لہذا متعہ کے قائلین اگر انہی کی رائے کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں کم از کم اس حد سے تجاوز نہ کرنا چاہیے۔(۳۰)

ہم کہتے ہیں کہ شیعہ بے چارے بھی تو ضرورت کے وقت ہی اسے مباح سمجھتے ہیں۔

تفصیل آگے آرہی ہے۔

علمائے اہلسنت کا متفقہ فیصلہ کہ نکاح متعہ کرنے والے پر حد جاری نہیں ہوتی:

مولانا وحید الزمان حیدر آبادی حاشیہ موطاء امام مالک پر لکھتے ہیں:

متعہ کرنے والے پر بالا اتفاق زنا کی حد لازم نہیں آتی حضرت عمرؓ نے ڈرانے کے واسطے یہ کہا تاکہ لوگ متعہ سے باز رہیں۔(۳۱)

مولانا عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

جو شخص نکاح متعہ کرتا ہے (اس کی پاداش میں) اسے سزا دی

---

۳۰) رسائل ومسائل ج ۳، ص ۵۳ طبع لاہور

۳۱) ملاحظہ ہو موطاء امام مالک ص ۳۹۰

جائے گی لیکن حد (شرعی سزائے زنا) نافذ نہ ہوگی کیونکہ اس کے جائز ہونے کا جو قول ہے اس سے (اس کا خالص زنا ہونا) مشتبہ ہوگیا۔(۳۲)

نکاح متعہ شیعہ کتب کی روشنی میں:

نکاح متعہ کے بارے میں اہلسنت کا نظریہ کیا ہے وہ ہم نے گذشتہ صفحات میں ان کی کتب احادیث وفقہ سے مفصل بیان کر دیا ہے اس سلسلے میں شیعہ نقطہ نظر کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے نکاح متعہ کو حلال کیا اور کبھی بھی اس کو حرام نہیں کیا یہاں تک کہ آپؐ نے انتقال فرمایا۔(۳۳)

نکاح متعہ کے سلسلے میں شیعہ سنی اختلاف بس اتنا ہی ہے کہ شیعہ اس کے مباح ہونے کے قائل ہیں لیکن اکثر برادران اہلسنت جو یکطرفہ پراپیگنڈا کا شکار ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شیعوں کے ہاں نکاح متعہ کا کوئی خاص نظام ہے جہاں گئے وہیں نکاح متعہ کر لیا حالانکہ جب شیعہ کتب احادیث میں نکاح متعہ کے تمام احکام کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو وہاں صورتحال بالکل مختلف نظر آتی ہے جو کہ انتہائی اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

نکاح متعہ میں افراط کی ممانعت:

فروع کافی میں ایسی بہت سی احادیث میں جنہیں علامہ سید علی نقی نے اپنی شہرہ

---

۳۲) ملاحظہ ہو الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴، ص ۱۷۰ تا ۱۷۱ طبع لاہور

۳۳) من لا یحضر الفقیہ ج ۳، ص ۲۷۲ مطبوعہ کراچی

آفاق کتاب ''متعہ اور اسلام'' میں درج کیا ہے ملاحظہ ہوں:

قال سالت ابا الحسن موسیٰ علیه السلام عن المتعة فقال و مالنت و زاک قد اغناک الله عنها قلت انما اردت ان اعلمها قال هی فی کتاب علی علیه السلام.

(فروع کافی ج ۵' ص ۴۵۲ مطبع تہران ۱۳۹۱ھ ناشر دار الکتب السلامیہ تہران)

علی بن یقطین کی روایت ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے نکاح متعہ کے متعلق سوال کیا حضرتؑ نے فرمایا کہ تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے تمہارے تو خدا کے فضل سے بیوی موجود ہے انہوں نے کہا نہیں میں صرف جاننا چاہتا ہوں حضرت علیہ السلام نے فرمایا:

نکاح متعہ کا جواز کتاب علی علیہ السلام میں موجود ہے۔

اسی طرح امام رضاؑ کی روایت ملاحظہ ہو:

کتب ابوالحسنؑ الی بعض مو الیه لا تلحوا علی المتعة فانما علیک اقامة السنه فلا تسفلوا بها عن فرئکم و هر ائرکم (فروع کافی ج ۵' ص ۴۵۳)

امام رضاؑ نے اپنے بعض اصحاب کو خط میں تحریر فرمایا کہ نکاح متعہ میں افراط سے کام نہ لو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم متعہ کی بدولت اپنے گھروں اور گھر والی بیویوں کو چھوڑ بیٹھو۔

تیسری حدیث ملاحظہ فرمائیں:

قال سالت ابا الحسن علیه السلام عن المتعة فقال هی حلال مباح مطلق لمن یفنه الله بالتزویج فلیستعفف بالمتعة فان المستفنی عنها بالتزویج فهی مباح له اذاغاب عنها

سوال کیا گیا متعہ کے متعلق حضرتؑ نے فرمایا وہ حلال و مباح اور جائز ہے اس شخص کے لیے جسے خداوند عالم نے شادی ہو چکنے کے باعث مستغنی نہ کر دیا ہو وہ بے شک متعہ کے ذریعے فعل حرام سے اپنی حفاظت کرے لیکن وہ شخص کہ جس کی شادی ہو چکی ہے اور متعہ کی اسے ضرورت باقی نہیں رہی تو اس کے لیے متعہ اس وقت جائز ہوگا جب وہ کہیں سفر میں جائے اور زوجہ ساتھ موجود نہ ہو۔

بازاری عورتوں سے نکاح متعہ کی سخت ممانعت:

دوسری بہت بڑی غلط فہمی برادران اہلسنت کے ذہنوں میں یہ بیٹھی ہوئی ہے کہ بدکاری کے اڈوں پر بیٹھی ہوئی عورتوں سے بھی نکاح متعہ ہو جاتا ہے حالانکہ اس بات کا بھی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں جس طرح دائمی نکاح پاکدامن عورتوں سے کرنے کے احکام موجود ہیں اسی طرح نکاح متعہ کے لیے بھی عورت کا پاکدامن ہونا شرط ہے۔

فروع کافی سے ابو سارہ کی روایت ملاحظہ ہو:

قال سالت ابا عبد اللهؑ عنها یعنی المتعة فقال لی حلال و لا تزوج الا عفیفة ان الله جل و عز یقول

والذین هم لفروجهم حافظون

امام جعفر صادقؑ سے پوچھا نکاح متعہ کے متعلق حضرت نے فرمایا جائز ہے لیکن خیال رکھو کہ عورت جس سے عقد کرو پاکدامن ہو خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے باطنی اعضاء کی حفاظت کرتے ہیں۔۔۔

دوسری روایت میں اسے سے بھی زیادہ تفصیل موجود ہے محمد بن فیض کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ایاکم و الکواشف و الدوائی و البغایا و زوات الازواج قلت و ما الکواشف؟ قال اللواتی یکاشفن و بیوتهن و یوئتین قلت فالدواعی قال اللواتی یدعون الی الفسهن و قد عرفن بالفساد قلت فالبغایا؟ قال معروفات بالزنا قلت فزوات الازواج قال المطلقات علی غیر السنة (فروع کافی ج ۵، ص ۴۵۴)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں تمہیں نکاح متعہ میں پرہیز کرنا ہے۔ کواشف سے اور دواعی سے اور بغایا سے اور زوات الازواج سے۔ کواشف وہ عورتیں جو ظاہر بظاہر فعل حرام کا ارتکاب کرتی ہیں اوران کے مکان عام طور پر معلوم ہیں اور وہاں لوگ جایا کرتے اور دواعی وہ کہ جو خود دعوت دیتی ہیں فساد وخرابی کے ساتھ مشہور و معروف ہیں اور بغایا وہ ہیں جو زنا کاری کے ساتھ مشہور ہیں۔ زوات الازواج وہ ہیں جنہیں طلاق صحیح طریقہ پر نہیں دیا گیا۔

(یعنی غیر سنت طریقہ سے طلاق دی گئی ہو۔)

امام رضاؑ فرماتے ہیں:

اذا کانت مشهور بالزنا و لا یتمتع منها و لا ینکحها (فروع کافی ج ۵، ص ۴۵۴)

اگر عورت ایسی ہو کہ زنا کاری میں مشہور ہے تو اس سے نہ نکاح متعہ کیا جائے اور نہ نکاح دائمی۔

اسی طرح شیخ صدوقؒ **من لا یحضره الفقیه** میں محمد بن فیض سے روایت کرتے ہیں کہ

امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کواشف، دواعی، بغایا اور زوات الازواج عورتیں کونسی ہیں جن سے نکاح متعہ کرنا مناسب نہیں آپؑ نے فرمایا کواشف وہ عورتیں جو بے حیا و بے شرم ہیں اوران کے گھر مشہور ہیں اور ان کے پاس لوگ آتے جاتے ہیں راوی نے پوچھا دواعی سے کون سی عورتیں مراد ہیں آپؑ نے فرمایا یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنی طرف لوگوں کو دعوت دیتی ہیں بدکاری میں مشہور ہیں راوی نے عرض کی بغایا سے کونسی عورتیں مراد ہیں آپؑ نے فرمایا جو زنا میں مشہور ہیں راوی نے عرض کیا کہ زوات الازواج کونسی عورتیں ہیں آپؑ نے فرمایا جن کی طلاق غیر سنت طریقہ پر ہوئی ہے۔ (۳۴)

---

۳۴) من لا یحضره الفقیه ج ۳، ص ۲۷۳ مطبوعہ کراچی

دائمی نکاح کی طرح نکاح متعہ میں بھی عدت ضروری ہے:

علامہ سید علی نقی مرحوم لکھتے ہیں:

یہ خیال عام طور پر عوام کے دل نشین ہے کہ نکاح متعہ کے لیے عدہ نہیں ہوتا حالانکہ جب ہم متعہ کے احکام شرعی پر نظر ڈالتے ہیں تو اس خیال کو حقیقت سے اتنا فاصلہ معلوم ہوتا ہے جتنا فلک نہم کو زمین سے ۔(۳۵)

واضح رہے کہ علامہ سید علی نقیؒ نے ''متعہ اور اسلام'' ص ۵۶ تا ص ۶۱ ۔ پر بارہ عدد فرامین آئمہ نقل کیے ہیں کہ نکاح متعہ میں عدت لازمی شرط ہے۔ چند فرامین ملاحظہ فرمائیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

عدة المتعة خمسة واربعون يوما

نکاح متعہ کا عدہ پینتالیس دن ہے۔

دوسری روایت اس سے ذرا مفصل ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

لا يحل ذلك يغرف حتى تنقضى عدتها

کسی دوسرے شخص کو اس کا حق نہیں کہ جب تک پہلے شوہر والا عدہ ختم نہ ہو جائے (اس عورت سے) نکاح کرے۔

(فروع کافی ج ۵ ص ۴۵۸)

اس کے علاوہ تہذیب الاحکام ج ۲، وسائل الشیعہ ج ۳، متدرک الوسائل ج ۲

۳۵) متعہ اور اسلام ص ۵۵ مطبوعہ لاہور

میں بھی نکاح متعہ کی عدۃ کی تفصیل موجود ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اگر نکاح متعہ کے دوران شوہر فوت ہو جائے تو عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

نکاح متعہ سے پیدا ہونے والی اولاد اس شخص کی وارث ہوتی ہے:

ایک شخص نے امام رضاؑ سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص عورت سے نکاح متعہ کرے اس شرط پر کہ اولاد کا اس سے مطالبہ نہ کرے اور پھر اولاد ہو تو کیا حکم ہے حضرت نے یہ سن کر اولاد کے انکار سے سخت ممانعت فرمائی اور انتہائی اہمیت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا ہائیں کیا وہ اولاد کا انکار کر دے گا۔

(کافی تہذیب الاحکام من لایحضرہ الفقیہ)

شیعہ فقہ کی کتابوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ نکاح متعہ کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوگی ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو عقد دائمی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کو ہوتے ہیں۔(۳۶)

بالغہ رشیدہ باکرہ لڑکی اور نکاح متعہ؟

نکاح متعہ کے مخالفین و معترضین جب قرآن و حدیث کے مسلمات کے سامنے لاجواب ہو جاتے تو پھر اکثر دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ وہ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا کوئی شخص یہ برداشت کر سکتا ہے کہ اس کی کسی عزیزہ سے کوئی شخص نکاح

۳۶) قوانین الشریعہ ج ۲، ص ۱۹۷

متعہ کرے ایسے لوگوں کی اکثریت چونکہ اپنی فقہ سے واقف نہیں ہوتی فقہ حنفی کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ بالغہ رشیدہ باکرہ لڑکی اپنی مرضی سے جہاں چاہے اپنا نکاح خود کر سکتی ہے والدین سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں نکاح متعہ تو اہلسنت اور شیعوں کے درمیان اختلافی مسئلہ ہے لیکن دائمی نکاح پر اختلاف بھی نہیں پھر فقہ حنفی اجازت بھی دیتی ہے کہ ایک کنواری لڑکی اپنی مرضی سے نکاح کر سکتی ہے لیکن اگر کوئی لڑکی اپنا نکاح والدین کو بتائے بغیر کرے تو والدین اس فعل پر نہ صرف یہ کہ اظہار ناپسندیدگی کرتے ہیں بلکہ اکثر تھانے اور عدالت تک چلے جاتے ہیں۔ بعض مقامات پر تو نوبت قتل تک پہنچ جاتی ہے۔ فقہ جعفریہ میں بیوہ اور مطلقہ عورت سے نکاح متعہ جائز ہے جبکہ کنواری لڑکی سے نکاح متعہ اکثر فقہا نے نہ صرف مکروہ کہا ہے بلکہ مرحوم آیت اللہ بروجردیؒ اور آقائے محسن الحکیمؒ آقائے خوئیؒ وغیرہ کے نزدیک کنواری لڑکی سے نکاح متعہ کرنے کے لیے احتیاط واجب ہے کہ اس کے والد سے اجازت لی جائے کیونکہ نکاح متعہ کے بعد وہ لڑکی ثیبہ یعنی شوہر دیدہ کے زمرے میں آ جاتی ہے جس طرح طلاق یافتہ عورت ہوتی ہے۔ جس طرح سنی والدین باوجود جائز ہونے کے یہ برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتے کہ ان کی بیٹی از خود کہیں نکاح کر لے اسی طرح کوئی شیعہ بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی بیٹی ایسا نکاح کرے جس میں کچھ عرصہ بعد وہ مطلقہ کے زمرے میں آ جائے اور اس کا اگر آئندہ عقد کیا جائے تو بتانا پڑے کہ یہ ثیبہ یعنی شوہر دیدہ ہے جو فقہا کنواری لڑکی کے لیے والد کی اجازت ضروری لکھتے ہیں ان کے پیش نظر غالباً من **لا یحضرہ الفقیہ** کی یہ حدیث ہے کہ

ابان نے ابی مریم سے اور انہوں نے حضرت امام جعفر صادق

سے روایت کی ہے آپؑ نے فرمایا وہ کنواری لڑکی جس کا باپ موجود ہو اس کے باپ کی اجازت کے بغیر اس سے متعہ نہیں کیا جائے گا۔ (۳۷)

نکاح متعہ کے بارے میں ایک بہت بڑی غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

نکاح متعہ کے بارے میں یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ بازاری قسم کی عورتوں سے اور جو بے حیا اور بدکاری میں مشہور ہوں جائز نہیں دوسرا یہ کہ نکاح متعہ میں عدت لازمی شرط ہے اس سلسلے میں ایک اور انتہائی اہم بات کی طرف ہم اپنے محترم قارئین کی توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے کسی مرد کے ساتھ نکاح متعہ کیا اور اس کے بعد دوران عدت وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح متعہ کرتی ہے یا دائمی نکاح کرتی ہے تو وہ عورت شرعی سزا کی مستحق ہو گی اور اگر مرد کو بھی اس بات کا علم ہو کہ یہ عورت ابھی عدت گزار رہی تو پھر مرد اور عورت دونوں پر شرعی حد جاری ہو گی۔

محترم علمائے اہلسنت ایک نظر انصاف ادھر بھی:

ہم آخر میں ایک مرتبہ پھر اُن علمائے اہلسنت کو دعوت انصاف دیتے ہیں جو شیعوں کو بدنام کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرنا شاید اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں اور نکاح متعہ کو توڑ مروڑ کر عوام الناس کے سامنے پیش کرتے ہیں کیا ایسے علماء کرام اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ان کے اپنے ہاں اس سلسلے میں کتنی وسعت اور سہولت موجود ہے اور نکاح متعقہ سے بھی آسان راستے موجود ہیں ہم یہاں پر اور ان اہلسنت کی انتہائی قابل احترام شخصیت اور دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے

---

۳۷) ملاحظہ ہو من لا یحضرہ الفقیہ ج۳، ص۲۷۴ مطبوعہ کراچی

دور کا ایک واقعہ اور اس پر حضرت عمرؓ کا فیصلہ نقل کرتے ہیں عرب اسکالر فقہی انسائیکلوپیڈیا کے مصنف پروفیسر ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی لکھتے ہیں کہ

> ایک عورت بھوک سے مجبور ہو کر ایک چرواھے کے پاس آئی اور اس سے کھانا مانگا اس نے اس وقت اسے کھانا دینے سے انکار کیا کہ جب تک وہ اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کردے اس عورت نے بتایا کہ اس مرد نے مجھے تین لپ کھجوریں دیں اور اس نے بتایا کہ میں بھوک سے بالکل مجبور تھی اس پر حضرت عمرؓ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا مہر۔مہر۔مہر ہر لپ کھجور مہر اور اس پر سے حد ساقط کردی۔(۳۸)

ممکن ہے کوئی شخص اسے اضطراری واقعہ قرار دینے کی کوشش کرے تو اس سوال کا جواب بھی مذکورہ پروفیسر ڈاکٹر محمد رواس نے دے دیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

> اس چرواھے والے واقعہ میں بھی حد بربنائے اضطرار ساقط نہیں کی اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے کھجوریں دیئے جانے کو مہر قرار دیا اور اس کو شبہ عقد تصور کر کے اسے اضطرار پر فوقیت دی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت عمرؓ کے مدنظر کوئی اور ایسا پہلو ہو جس کی بنا پر آپ نے اسے اضطرار نہ قرار دیا ہو۔(۳۹)

بدنام محلوں میں بیٹھنے والی عورتوں کی حوصلہ افزائی کا شرمناک الزام:

اپنی کتب احادیث وفقہ سے بے خبر بعض اھل قلم نکاح متعہ کی من مانی شرح

۳۸) فقہ حضرت عمرؓ ص ۴۵۲ ترجمہ ساجد الرحمٰن صدیقی ایڈیشن سوم ۲۰۰۲ء شائع کردہ۔

۳۹) فقہ حضرت عمرؓ ص ۴۵۲ از ڈاکٹر محمد رواس پروفیسر پیٹرولیم یورنیورسٹی ظہران سعودی عرب

کرتے ہوئے اس کا تعلق بدکاری کے اڈوں پر بیٹھنے والی عورتوں سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں کہ نکاح متعہ کے بعد عورت کو باقاعدہ عدت گذارنا ہوتی ہے جیسا کہ اھلسنت مفسر مولانا شبیر احمد عثمانی کا بیان بھی پیچھے گزر چکا ہے۔ جبکہ بازاری عورتوں کا عدت والی پابندی سے کیا تعلق اسی وجہ سے ان سے نکاح سے بچنے کا حکم ہے جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔اب ہم اس الزام کے جواب میں اھلسنت اسکالر مولانا محمد تقی الدین امینی ناظم شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سابقہ استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ متعدد عربی و اردو کی تحقیقی کتب کے مصنف کا ایک بیان ان کی حال ہی میں شائع ہونے والی تحقیقی کتاب ''احکام الشریعہ میں حالات و زمانہ کی رعایت'' سے نقل کرتے ہیں انہوں نے ''زنا کی اجرت سے حد کا سقوط'' کے زیرعنوان جو کچھ لکھا ہے اس کے اصل الفاظ ممکن ہے ہمارے محترم اھلسنت قارئین کے لیے برداشت کرنا مشکل ہوں ان الفاظ کا نرم سے نرم مفہوم بھی یہ بنتا ہے کہ اگر پیسے دے کر کسی عورت سے جنسی تسکین حاصل کرلی جائے تو امام حنفیہؒ کے نزدیک اس پر حد نہ لگے گی۔(۴۰) پھر یہی مولانا امینی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل سیدنا عمرؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ

> ایک عورت نے کسی مرد سے مال مانگا اور اس نے کہا کہ اگر تو مجھے اپنے اوپر قابو دے دے تو میں مال دینے کے لیے تیار ہوں اس صورت میں حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر حد ساقط کردی کہ مال اس کا حق مہر ہے۔(۴۱)

۴۰،۴۱) احکام الشریعہ میں حالات و زمانہ کی رعایت ص ۲۷ شائع کردہ الفیصل ناشران و تاجران کتب غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔

ان ہردو بزرگوں کے یعنی امام ابوحنیفہؒ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں کی بابت مولانا محمد تقی الدین اپنے تبصرہ میں لکھتے ہیں کہ

> مذکورہ تصریح کے مطابق طائفوں اور ان سے متعلق عادی مجرموں پر حدزنا واجب نہ ہوگی۔(۴۲)

واضح رہے کہ مذکورہ بالا دونوں کتب اردو زبان میں مارکیٹ میں عام دستیاب ہیں تحقیق کے خواہشمند خود مطالعہ کر سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود جو حضرات مطمئن نہ ہوں وہ مذکورہ بالا پروفیسر ڈاکٹر محمد رواس کے فقہی انسائیکلوپیڈیا کی جلد نمبر ۸ جو کہ فقہ امام حسن بصریؒ کے نام سے اردو ترجمہ ہو چکی ہے اس کے ص ۴۳۸ کا مطالعہ فرمائیں کہ عورت اگر فطری خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو تو امام حسن بصریؒ اسے کس چیز کی اجازت دینے کے قائل ہیں۔ اسے ہم نے اس لیے نقل نہیں کیا کہ وہ عبارت پڑھ کر ایک طبقہ خوش ہوگا تو بہت سارے برادران کے دل کو ٹھیس لگے گی جو ہمارا مقصد ہی نہیں ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ عبارت پڑھتے ہوئے زبان رک جاتی ہے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور سر جھک جاتا ہے اسی لیے ہم وہ شرمناک عبارت نقل کرنے سے معذور ہیں۔

محترم قارئین کو دعوت فکر:

نکاح متعہ کی بحث کو ختم کرتے ہوئے ہم اپنے محترم قارئین کو خواہ وہ کسی بھی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ دعوت فکر دیتے ہیں کہ شیعوں کی کسی کے ساتھ ضد

(۴۲) احکام الشریعہ میں حالات و زمانہ کی رعایت ص ۲۷ شائع کردہ الفیصل ناشران و تاجران کتب غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔

نہیں ہے بلکہ ہم تو فقط وہی کچھ کہتے ہیں جو قرآن وسنت سے ثابت ہے نکاح متعہ کے لیے عورت کی وہی شرائط ہیں جو دائمی نکاح کے لیے ہیں اس میں باقاعدہ حق مہر ہے عدت ہے اور اسے پیدا ہونے والی اولاد اپنے باپ کی وارث ہوتی ہے اگر کوئی شخص پاک دامن رہ سکتا ہے تو ٹھیک بصورت دیگر یہ وقتی نکاح زمانہ رسالت میں بھی ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی ہوتا رہا اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں بھی کچھ عرصہ تک مباح رہا پھر انہوں نے اچانک اس پر پابندی لگا دی اس پابندی کو تسلیم نہ کرنے والے فقط شیعہ ہی نہیں بلکہ کئی صحابہ کرامؓ بھی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام زیادہ نمایاں ہے جن کا یہ بیان کتب احادیث وفقہ میں موجود ہے کہ

> اللہ عمرؓ پر رحم کرے متعہ تو اللہ کی طرف سے رخصت کی ایک صورت تھی جس کے ذریعے اللہ نے امت محمدیہؐ پر رحم فرمایا تھا اگر عمرؓ اسے ممنوع قرار نہ دیتے تو کوئی بد بخت ہی زنا کاری کا مرتکب ہوتا۔(۴۳)

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

(۴۳) ملاحظہ ہو فقہی انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۷ یعنی فقہ عبداللہ ابن عباسؓ ص ۷۶۳ ترجمہ مولانا عبدالقیوم صاحب شائع کردہ ادارہ معارف اسلامی لاہور

- حج تمتع یا متعۃ الحج قرآن وسنت کی روشنی میں
- متعۃ الحج یا حج تمتع کیا ہے؟ قرآن اس بارے میں کیا حکم دیتا ہے؟
- زمانہ رسالت میں حج تمتع والی آیت پر کس طرح عمل ہوتا تھا؟
- متعۃ الحج کی اہم بات جو اس پر پابندی کا باعث بنی
- حضرت علیؑ کا طرز عمل
- متعۃ الحج پر پابندی اور اہلسنت سکالر کا اظہار حیرانگی
- عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شامی کا متعۃ الحج کے بارے میں سوال اور ان کا دلچسپ جواب

حج تمتع یا متعۃ الحج قرآن وسنت کی روشنی میں:

گذشتہ صفحات میں متعۃ النساء کی بحث میں حضرت عمرؓ کا فرمان نقل ہوا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ

متعتان كانتا على عهد رسولؐ الله و انا احرمها

دو متعہ یعنی حج کا متعہ اور نکاح متعہ آنحضرتؐ کے زمانے میں ہوا کرتے تھے لیکن میں ان کو حرام کرتا ہوں۔(۱)

متعۃ النساء یعنی نکاح متعۃ کی تفصیل تو گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ متعۃ الحج کیا ہے قرآن اس کے بارے میں کیا حکم دیتا ہے آنحضرتؐ نے اس سلسلے میں کیا فرمایا ہے اور زمانہ رسالت میں اس پر کس طرح عمل ہوتا تھا۔ بعد میں کیا ہوا؟

متعۃ الحج یا حج تمتع کیا ہے؟

قرآن اس بارے میں کیا حکم دیتا ہے؟

واضح رہے کہ حج تمتع یا متعۃ الحج بھی حج کی ایک قسم ہے تفسیر وحیدی میں مولانا وحید الزمان خان لکھتے ہیں:

> حج تین قسم پر ہے ایک حج مفرد یعنی میقات سے صرف حج کی نیت سے احرام باندھے دوسرے حج قرآن یعنی حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کرے۔ تیسرے حج تمتع یعنی میقات سے صرف عمرے کی نیت کرے اور مکہ میں جب پہنچے تو عمرہ کر کے

---

۱) لغات الحدیث ج ۴' کتاب ''م'' ص ۹ مطبوعہ کراچی